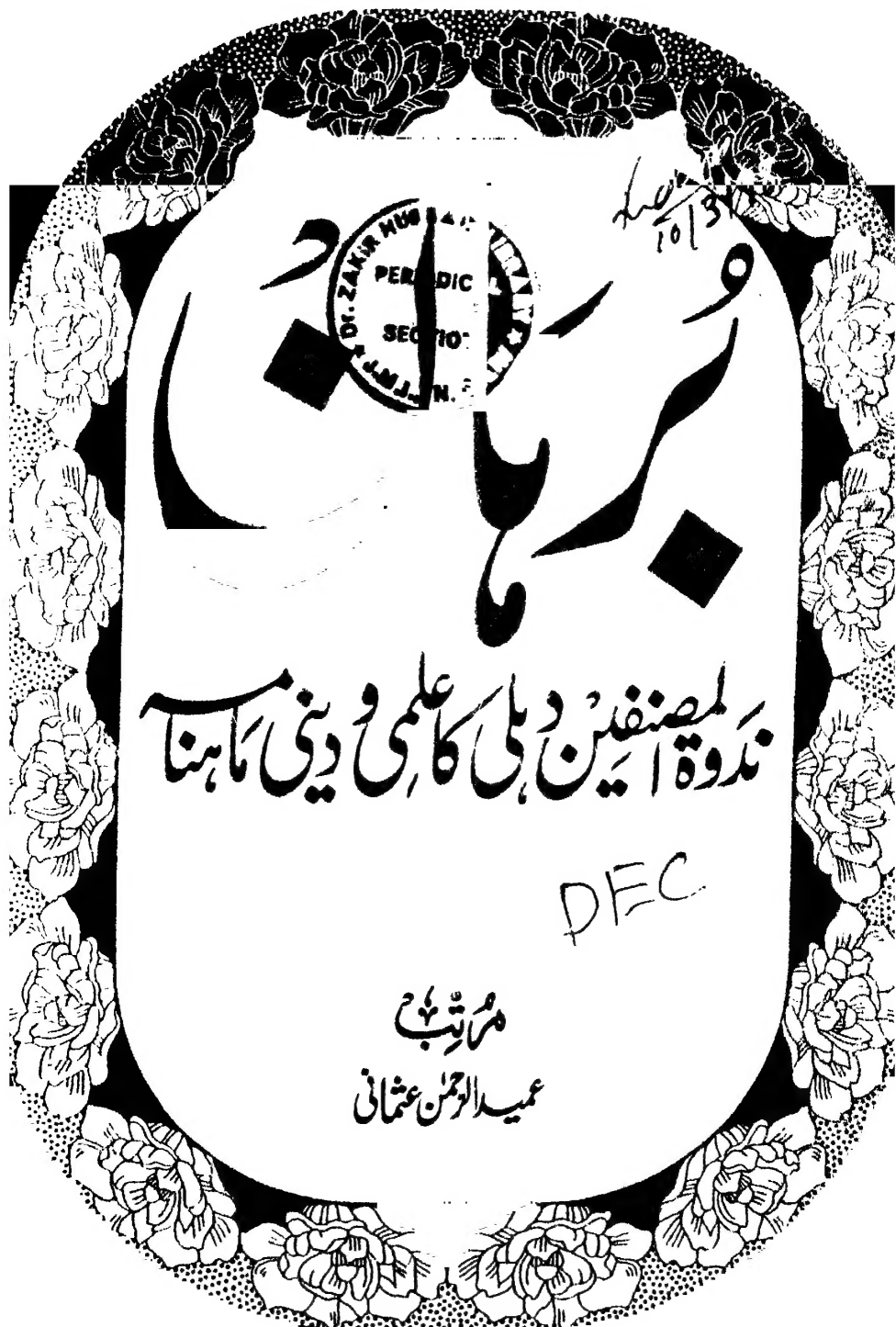


یادگار حضرت مولانا مفتی شعیب الرحمن عثمانی



THE UNIVERSITY OF CHICAGO



سرپرست اعلیٰ ندوۃ المصطفین دہلی

عالمگیر حکیم عبدالحمید صاحب پائسل جامعہ ہمدردی دہلی و علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

مجلس ادارت اعزازی

سید اقدار حسین  
ڈاکٹر معین الدین جانی  
عمود سعید بلالی  
ڈاکٹر جہر قاضی

برق

نگران اعلیٰ

حضرت مولانا حکیم محمد زکی سیفی

شمارہ ۲-۱

جنوری ۲۰۰۸ء

جلد ۱۲۴

۶۶ سہ

اسکی

شمارے

اسی

☆ نظرات ..... محمد ار حن عثمانی — ۲

☆ اقبال کا پیغام عمر حاضر کے نام (دوسری اور آخری قسط)

☆ جناب مولوی قاری محمد بشیر الدین صاحب (ایم۔ اے۔ علیگ) — ۶

☆ زمینداری اور جاگیر داری کا تاریخی پس منظر (دوسری قسط)

☆ جناب مولوی تقی الدین صاحب بہاری — ۱۶

☆ مغربی فن تعمیر پر اسلامی فن تعمیر کے اثرات

☆ (توجہ: جناب سید مبارز الدین صاحب رفعت ایم۔ اے) — ۲۶

☆ ادبیات (غزل) — جناب استاد الشعرا مفتی امیر احمد صریتر — ۳۲

جلد خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

منیجر ماہنامہ بُر ہان

4136 - اردو بازار جامع مہر دہلی - 110006 + فون نمبر 3262815

زیر تعاون  
فی پروج: ۱۲ روپے  
بالا: ۲۰ روپے  
کمپیوٹر کتابت

CREATIVE VISION

محمد ار حن عثمانی ایڈیٹر پر غزل پبلشر نے خواجہ پریس دہلی میں چھپوا کر دہلی ہان اردو بازار جامع مہر دہلی سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## نظرات

برطانیہ کی سابق وزیر اعظم مارگریٹ تھیچر نے عیسائیت اور اسلام کے بارے میں پیش آنے والے واقعات کے سلسلے میں اظہار خیال کرتے ہوئے اپنی ایک کتاب جو تقریباً تین چار ماہ پہلے ہی منظر عام پر آئی ہے لکھا ہے کہ اسلامی دنیا میں جس طرح کے واقعات رونما ہو رہے ہیں اور وہاں جو کچھ ہو رہا ہے اس سے اس بات کی زوردار تائید ہوتی ہے کہ اسلام اپنے جارحانہ انداز میں ایک بار پھر عیسائیت کو فنا کرنے کے ارادے سے پوری دنیا میں تیزی سے نمودار ہو گا اور اگر عیسائیت کو اپنی بقاء و سلامتی درکار ہے تو اسے ابھی سے اس خطرے کا مقابلہ کرنے کی تدابیر اختیار کرنی ہوں گی اور اسلام کی جارحیت کو اسے کس طرح روکنا ہے اس کے لیے پوری عیسائی دنیا کو ابھی سے مل بیٹھ کر کوئی جامع لائحہ عمل تیار کرنا ہو گا اور اگر ہم نے اس طرف سے لاعتنائی اختیار کیے رکھی تو عیسائیت کو اپنے وجود کو ختم کرنے کے لیے تیار ہونا پڑے گا۔ لیکن مارگریٹ تھیچر کا تعلق سیاست سے بھی ہے اس لیے انھوں نے اپنے ان خیالات کا اظہار اپنی شخصیت کو نمایاں کرنے کے لیے بھی چلبلی کے ذرائع کو استعمال کرنا زیادہ مناسب سمجھا، ورنہ تو یہ ایک حقیقت ہے کہ یورپی دنیا میں جو کچھ آج ہو رہا ہے وہ محض مارگریٹ تھیچر ہی کے خیالات کی عین ترجمانی ہے اور مارگریٹ تھیچر نے تو یہ بات ظاہر کر دی اور کیوں کر دی ان کی اس میں کیا مصلحت تھی یہ تو وہ خود ہی جانتی ہوں گی اور مارگریٹ تھیچر نے یہ بات کہہ کر عیسائیت پر کوئی احسان نہیں کیا ہے بلکہ اسلامی دنیا کے لیے ان کی یہ کتاب یقیناً ایک حیرت انگیز انکشاف کی حیثیت رکھتی ہے اور اسلامی دنیا کے اہل و عیال اس کتاب کو پڑھنے کے بعد اپنی حکمت عملی کیا اختیار کرتے ہیں اس سے واقفیت ہم سب کے لیے باعث دلچسپی ہوگی۔

مارگریٹ تھیچر کی یہ بات تو چارپانچ ماہ پہلے ہی عیسائی دنیا کو شاید جگانے کے مقصد سے سامنے آئی ہے یا خود مارگریٹ تھیچر ہی عیسائی دنیا کے پردہ گراموں پر پردہ ڈالنے کے عین مقصد میں ہی یہ بات ایک کتاب کے ذریعہ کہنے پر اس لیے کمر بستہ ہوئی ہیں کہ اسلامی دنیا کو حرید غفلت کی نیند میں مبتلا رکھا جائے اور اس سے پہلے



ہر کسی کے پہلے دنیا کی طرف سے کارروائیاں عمل میں لائی گئیں یا لائی جارہی ہیں اس کو اسلامی دنیا کے سربراہوں کی نظر سے دیکھ کر مذہبی نقطہ نظر سے ہر گنہگار دیکھ کر وہ مزید مگر اسی میں بڑا کر اپنے کو تباہ و برباد کر کے حاکم بن چکے ہیں۔

مذہب خیال میں تو مگر ریٹ پیچھے ہے یہ کہہ کر کوئی اہم بات نہیں کہی ہے کہ مستقبل میں عیسائیت کو اسلامی جوں اور اسلامی اگر وہاں کو ذہن میں رکھ کر کوئی لانچ عمل مرتب کرنا ہوگا، شاید مارکیٹ پیچھے کو یہ بات معلوم نہیں بلکہ وہ جان بوجھ کر اس کو چھپانے کی کوشش کر رہی ہیں کہ عیسائیت تو ایک عرصہ دراز سے اسلام کو اپنے لیے ایک خطرہ سمجھ کر مختلف طریقوں سے اس کا مقابلہ کرنے کے لیے حکمت عملی اختیار کیے ہوئے ہے۔ اس میں کچھ تو فعل اسلامی دنیا کے دل و دانش کی ناکھی بھی کو جاتا ہے اور کچھ مفاد پرست وہ لوگ جو اسلام کا لہذا اور مذہب کو وہ حرکتیں کر رہے ہیں جنہیں وہ اسلام مذہب کے مطابق گردانتے ہیں لیکن حقیقت میں اسلام سے اس کا کوئی تعلق و واسطہ نہیں ہے اور سب سے بڑی بات جو ہے وہ یورپی دنیا کا کام کرنے کا بہترین اور کھڑا طریقہ عمل ہے، جس منظم انداز سے وہ ایک عرصہ سے اس سلسلے میں کام کر رہے ہیں اس کا کوئی بھی جواب موجودہ اسلامی دنیا کے پاس بالکل نہیں ہے۔ صلیبی جنگوں سے عیسائیت نے زبردست سبق سیکھا ہے انہوں نے موجودہ حالات میں صلیبی جنگوں میں اپنی ناکامیوں کا زبردست بدلہ اسلامی دنیا سے لینے کی کھانی ہوئی ہے اور اس میں کسی حد تک ان کی کامیابی کو نظر انداز کرنا کوئی معنی ہی نہیں رکھتا ہے۔ ۱۹۲۳ء میں ترکی سے خلافت عثمانیہ کا خاتمہ خود مسلمانوں کے ہی ایک طبقہ جس کی نمائندگی مصطفیٰ کمال پاشا کر رہے تھے، کے ذریعے ختم کرنا عیسائیت کی اسلامی دنیا پر سب سے بڑی چوٹ تھی اس وقت اسلامی دنیا کے کسی بھی فرد نے اسے معمولی انداز میں لیا، صرف ایک فضح تھا اور وہ بھی ہندوستان میں جس کا نام مسٹر محمد علی علیگ سے اپنے مولانا محمد علی جوہر ہے، اس محترم اہستی نے چاک خلافت کو دراصل اسلام مذہب پر کاری ضرب ہی سے تعبیر کیا تھا چنانچہ اس پر تمام دنیا میں مولانا محمد علی جوہر پیچھے چلا تے رہے مگر کسی نے اس مجسم ایمان کی بات پر دھیان ہی نہیں دیا اور آخر میں وہ ایڈوں اور غیروں کی لہن ترانیاں سننے سننے موت کی آغوش میں جا پہنچا۔ اس کے بعد عربوں کے قلب میں فلسطین کے تمام احتجاجات کے باوجود فلسطینیوں کے حقوق کو پامال کرتے ہوئے اسرائیل نام کی سلطنت قائم کر کے اسلامی دنیا پر وہ زبردست وار کیا جس کے زخم کو اسلامی دنیا شاید ہی ختم کر سکے۔ آج پچاس سال ہو چکے ہیں دنیا کے نقشے پر اسرائیل نام کی ریاست قائم ہوئے، اس دور ان میں عرب ممالک جب بھی فارغ البال ہو کر اپنے لیے کچھ کرنے کی تدابیر اختیار کرتے ہیں تو ان پر اسرائیل کی طرف سے جنگ لاد دی جاتی ہے اور وہ مہر جنگ سے ہونے والے نقصانات کی بھرپائی میں لگ جاتے ہیں۔ اس پھر میں ان کی زندگیوں ختم ہو رہی ہیں وہ اپنے بارے میں اپنی قوم کے بارے میں اپنے ملک کے بارے میں کچھ بھی اطلاع و ترقی کی باتیں سوچ ہی نہیں پاتے ہیں۔ سودیت یونین کے خاتمے کے بعد اس کے تحت جو ریاستیں

آزاد و الگ ہوئیں ان میں اکثریت مسلمان تھیں۔ سوویت روس سے چھٹکار پانے کے بعد انہوں نے اپنے غصب شدہ مذہب اسلام کو بانیاب کیا تو یورپی دنیا نے ان کو ایسا الجھاد یا کہ وہ اپنے مذہب اسلام کو بھول کر اپنی بقا و سلامتی ہی کی طرف زیادہ متوجہ ہو گئیں۔ یونینیا میں مسلمانوں پر حملے ہوتے ہیں تو بجائے اس کی مذمت کے اسے اسلامی جنون پرستی کی دین کہہ کر اس پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے، چھینیا میں لڑائی تھوپ کر مسلمانوں پر عرصہ حیات تک کر دیا جاتا ہے۔ ترکی میں دو فرقے بنا کر تمام دنیا میں یہ باور کرانے کی مہم شروع ہو جاتی ہے کہ ترکی میں اسلام کی آڑ میں دہشت پسندی نے زور کر رکھا ہے اس طرح الجیریا میں خواہ مخواہ کا قتیہ کمزاکر کے اسلام کو مادرِ ان انسان کے ذہن میں ایک جارحیت پسند مذہب کی صورت میں پیش کرنے کی زبردست سازش چل رہی ہے۔ تمام پبلشی کے ذرائع ان کے ہاتھ میں ہیں اور اس دور میں الیکٹرانک میڈیا پر بھی عیسائی دنیا کی اجارہ داری ہے۔ ایسی پوزیشن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ یورپی طاقتوں نے ان تمام ملکوں میں جہاں اسلام کو ماننے والوں کی اکثریت و حکومت ہے، خُسن و مال، دولت و سائنسی ایجادات، ہتھیاروں اور فوجی طاقت کے بل بوتے پر اپنی خفیہ سازشوں و کارروائیوں کو جاری کیے رکھا ہے۔ عراق و ایران جنگ جو ۹ سال تک مسلسل چلتی رہی اور پھر عراق کے خلاف اقوام متحدہ کے حکم کے تحت اتحادی ملکوں کی طرف سے زبردست فوجی و اقتصادی ہائیڈکات جیسی کارروائیاں بھی دراصل عیسائیت کا پوری دنیا پر تسلط قائم کر کے تمام مذاہب کو جس نہیں کر دینے کے پوشیدہ پلان کا ہی ایک حصہ ہے۔ یہاں ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اسلام کے شیدائی یورپی دنیا کے اس شاطرانہ کھیل سے چشم پوشی اختیار کر کے دنیا کی وقتی چمک و دک اور عیش و آرام میں کھوئے ہوئے ہیں جو مستقبل میں خود ان کے لیے اور ان کی نسلوں کے لیے باعثِ ہلاکت ہی ثابت ہوگی۔ مارگریٹ تھیچر کی کتاب کو اسی نقطہ نظر سے بار بار پڑھنے کے بعد کوئی آنکھیں بند کیے بیٹھے رہے تو اس کی تباہی و بربادی کو کون روک سکتا ہے۔

ہندوستان کی بارہویں پارلیمنٹ کے الیکشن ہو رہے ہیں۔ اس میں کانگریس کے پروپیگنڈہ کے لیے شریعتی سونیا گاندھی بالآخر میدان میں کود ہی پڑیں۔ اور جیسے ہی انہوں نے انتخابی جلسوں کو خطاب کرنا شروع کیا عوام کا جم غفیر ان کے خطاب کو سننے کے لیے ٹوٹ ہی پڑا۔ ان کا سب سے پہلا خطاب جس انتخابی جلسہ میں ہوا وہ وہی جگہ تھی جہاں چھ سال پہلے ان کے شوہر راجیو گاندھی بم حادثہ میں ہلاک ہو گئے تھے۔ اخباری رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ شریعتی سونیا گاندھی کے خطاب کو سننے کے لیے اس قدر بھیڑ اکٹھی تھی کہ اس سے پہلے ایسی بھیڑ کسی کو بھی سننے کے لیے کبھی نہیں اکٹھی ہو سکی۔ اس کے بعد ہندوستان کے مختلف شہروں میں شریعتی سونیا گاندھی کی انتخابی تقریریں ہو رہی ہیں اور اس میں عوام کی اس قدر کثیر تعداد موجود ہوتی ہے کہ بڑے بڑے دانشور حیرت و استعجاب میں پڑ گئے ہیں۔ الیکشن کے ماہرین جو بارہویں پارلیمنٹ کے لیے الیکشن

جس کا گریس کو پچاس سینس ہی ملنے کا اندازہ لگا رہے تھے اب انہوں نے اپنی یہ رائے اور اندازہ بدل دیا ہے۔  
 پھر یہ جتنا پارٹی سونیا گاندھی کے منظر عام پر آنے سے سب سے زیادہ یوگلا گئی ہے اور اس نے سونیا کے  
 بارے میں لوٹ چٹنگ باتیں کہنا شروع کر دی ہیں۔ کبھی یو فورس کا معاملہ کھڑا کر دیا جاتا ہے تو کبھی سونیا  
 گاندھی کے غیر ملکی ہونے کی بات کہہ کر ہندوستانی عوام کو گمراہ کیا جاتا ہے اور مسٹر جارج فرناٹیز جو بھارتیہ  
 جٹ پارٹی کے حلیف ہیں، نے تو آئندہ پارلیمنٹ میں اس طرح کا بل پاس کرانے پر زور دیا ہے کہ جو ہندوستان  
 میں پیدا ہوا کسی شخص کو اس کے ہندوستان کے وزیر اعظم بننے پر پابندی لگادی جائے۔ اور انہوں نے اس کے  
 لیے ہر ممکنہ کے قانون کی مثال دے کر اپنی دلیل کو پختہ کرنے کی کوشش کی ہے اگر ہم مسٹر جارج فرناٹیز  
 سے الٹا یہ ہی سوال کریں کہ ہندوستان میں غیر ملکی قانون کو نظیر بنا کر کوئی قانون بنانا، ہندوستان میں غیر ملکی  
 قانون رائج کرنا کون سا صحیح قدم ہے؟ اور کیا جارج فرناٹیز پر غیر ملکیت کا بھوت نہیں سوار ہے؟ (ان - طور کی  
 تحریر کے وقت سونیا گاندھی نے الیکشن میں کھڑے ہونے سے قطعاً انکار کر دیا ہے)

اس الیکشن میں کانگریس کی طرف سے کچھ باتیں ایسی سرزد ہوئی ہیں جو مضحکہ خیز ہی ہیں اور جسے ہم  
 کانگریس میں دانشمندی کا فقدان ہی کہنا زیادہ پسند کریں گے۔ بابر علی مسجد کا منہدم ہندوستان کی تاریخ میں ایک  
 ایسا بد نما داغ ہے جو شاید ہی کبھی دھل سکے۔ ۱۹۹۲ء میں بابر علی مسجد پوری دنیا کے سامنے ڈھادی گئی اور  
 ہندوستان کی فوج، پولیس، حکومت سب تماشائی بنے رہے اور عین الیکشن مہم کے دوران میں اپنے نئی فیسنو  
 میں اس پر معافی مانگی جا رہی ہے۔ یہ کس قدر دھوکہ، فریب، عیاری اور مکاری اور سب سے بڑھ کر چالاک کی  
 بات ہے۔ کانگریس شاید ہندوستانی مسلمانوں کو اس قدر بے وقوف سمجھ رہی ہے کہ وہ اس معافی نامہ کو قبول کر  
 کے اسے معاف کر دیں گے۔ بڑے سے بڑا غالی الذہن انسان بھی اس موقع پر یہ سوال کیے بغیر نہیں رہے گا  
 کہ اتنے دنوں بعد معافی، وہ بھی جب اسے اپنے مفاد کی بازیابی کی چاہت ہو کیا معافی کہی جاسکتی ہے۔ یہ تو ابن  
 الوقتی دلی بات ہے جس میں مطلب کے لیے گدھے کو باپ بنانے والی معلوم و معروف کہادت دل و دماغ  
 میں ایکنام تازہ ہونا قدرتی بات ہے

ہماری دعا ہے کہ ہندوستان کی بارہویں پارلیمنٹ کے انتخابات بخیر و خوبی ہو جائیں اور یہ پارلیمنٹ پورے  
 پانچ سال چلے جو پارٹی پارٹیوں پر سر اقتدار آئیں وہ ملک و قوم کی صحیح معنوں میں خدمت کریں اور ہندوستان  
 سے بے روزگاری، دہشت پسندی، بد امنی، بد عنوانی کا مکمل طور پر خاتمہ کرنے میں لگ جائیں۔ ہندوستان  
 کے تمام باشندوں میں مایوسی کے بجائے خوشی و مسرت پیدا ہو۔ مہنگائی جو اس وقت عروج پر ہے اس میں  
 گراوٹ آجائے، ملک کا ہر باشندہ امن و امان کے ساتھ جی سکے اس کے لیے ہی ہر ممکن اقدامات کے لیے نئی  
 حکومت مستعد عمل ہو جائے۔

دوسری اور آخری قسط

# اقبال کا پیغام

## عصر حاضر کے نام

از جناب مولوی قاری محمد بشیر الدین صاحب پٹنٹ ایم۔ اے (علیگ)

علامہ اقبال اپنے وسیع مطالعہ اور صحیح ذوق و وجدان کی بنا پر اس حقیقت سے بخوبی آشنا ہیں۔ اپنے مقالہ ”فلسفہ عجم“ کے سلسلہ میں اقبال نے مغربی و مشرقی فلسفے کا نہایت گہرا اور وسیع مطالعہ کیا تھا۔ مغربی مفکرین میں افلاطون۔ اگسٹائن۔ سینٹ فرانسیس۔ آگناٹس لائیلا۔ میدام دی گابان براڈلے۔ الگڈنڈر۔ ہیگل۔ لٹے۔ برگسان اور مشرقی صوفیاء حکماء میں امام غزالی، رومی، حافظ، شیخ سرہندی، شکر آچاریہ، ریک ناتھ اور دکنبر وغیرہ کے خیالات کا اچھی طرح جائزہ لیا تھا۔ اس وسیع مطالعہ نے اقبال پر ایک بات بہت واضح کر دی اور وہ یہ کہ ”قرآن ہدایت انسانی کے لیے آخری صحیفہ ہے“ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ اگر انسان اس کا مطالعہ خشوع و خضوع سے کرے تو اس پر کائنات کے تمام اسرار سربستہ کھل جائیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اس قرآن کی عملی تفسیر ہے۔ ختم نبوت کے لیے وہ ایک انوکھی دلیل سے کام لیتے تھے، ان کا کہنا ہے کہ محمد رسول اللہ پر نبوت اس لیے ختم ہو گئی کہ انہوں نے انسانیت کو ایک ایسا نظام زندگی دیا جو عقل پر مبنی ہے۔ معجزات کی ضرورت اب اس لیے باقی نہیں کہ انسانی عقل اب اپنی فلاح و بہبود کے وسائل خود متعین کر سکتی ہے۔ قرآن کی تعلیمات اور عقل انسانی میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں

ہے۔ انسانی تشویشوں کے لیے جن غہری قوانین اور اصولوں کی ضرورت ہے وہ دے دیے گئے ہیں۔ ان اصولوں میں تبدیلی نہیں ہو سکتی البتہ ان کی روشنی میں ضرورت زمانہ کے مطابق اجتہاد سے کام لیا جاسکتا ہے۔

اقبال کی نظر میں عہد حاضر کا انسان جو قلب و نظر کے امراض فاسدہ میں مبتلا ہے تو اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اس نے انبیاء علیہم السلام کے پیش کردہ دین فطرت یعنی اسلام کے اصولوں کو پس پشت ڈال رکھا ہے اور نتیجہ کے طور پر تشکک و لادینیت، جبریت و ذواتیت کا شکار ہو کر رہ گیا ہے۔ آئیے کچھ دیر کے لیے اقبال کے ساتھ ان روحانی امراض پر ایک نظر ڈالیں۔

(۱) تشکیک و لادینی: تہذیب حاضر کے زیر اثر جو نسل پیدا ہوئی ہے اس کی نظر میں مذہب ایک ”جنون خام“ ہے اور ”ہستی غایب“ کی تلاش کرنے والے احمق و نادان ہیں۔ علوم جدیدہ کی ہامحسوس پر ہے۔ اس لیے موجود وہی ہے جو محسوس ہے۔ حقیقت کا علم ہمیں اور اک، مشاہدہ اور ار تسام کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اور ہمارے تمام تصورات ان ہی ار تسامات کی نقول ہیں گویا ار تسام تصور کی اصل ہے۔ بالفاظ دیگر ہمارے لیے حقیقی چیز وہی ہوگی جس کو ہم محسوس کریں مذہب کا معروض ”ہستی غایب“ ہے جس کا کوئی ادراک یا احساس ممکن نہیں لہذا اس کا کوئی علم قابل حصول نہیں اس کی تلاش ایک سیاہ بلی کی تلاش ہے جو ایک تاریک کمرہ میں کی جا رہی ہے جو اس کمرہ میں موجود نہیں ہے۔ ”یہ ہے استدلال دور حاضر کے نوجوان انسانوں کا جو اپنا مسلک مذہب کے خلاف انتہائی تجربیت یا احساسیت کو قرار دیتے ہیں۔ اقبال نے اس کو اس طرح لاد کیا ہے۔

تعلیم میر فلسفہ مفری ہے یہ نادان ہیں جن کو ہستی غایب کی ہے تلاش  
محسوس پر بنا ہے علوم جدیدہ کی اس دور میں ہے شیشہ عقائد کا پاش پاش  
مذہب ہے جس کا نام وہ ہے ایک جنون خام ہے جس سے آدمی کے تخیل کو ارتعاش  
کہتا مگر ہے فلسفہ زندگی کچھ اور مجھ پر کیا یہ مرشد کامل نے راز فاش  
باہر کمال اند کے آشفتگی خوش است ہر چند عقل کل شدہ بے جنوں مباح

”بے جنوں مباح“ ہی میں حقیقتاً انسانیت کی فلاح و بہبود ہے لیکن بقول حسرت مرحوم۔

خود کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

آج عہدِ مہب سے بے زاری کا نتیجہ یہ ہے کہ عصرِ حاضر کے نوجوان کے لیے نہ زندگی کی کوئی غایت ہے نہ بعدِ موتِ تعلیقِ کائنات کی کوئی غرض یا مقصد بلکہ وہ اس سوال ہی کو لایعنی سمجھتے ہیں کہ کیا زندگی کی کوئی غایت ہو سکتی ہے اور عالم کا کوئی مقصد؟

مسلمانوں کی نئی پود میں لادینی اور الحاد کے اسی سیلان کو علامہ اقبالؒ نے ”فردوسِ بریں“ کی مشہور نظم میں مکالمہ کی صورت میں اس طرح پیش فرمایا ہے۔

ہاتف نے کہا مجھ سے کہ فردوس میں اک روز  
کچھ سیفِ مسلم ہندی تو بیان کر  
نہب کی حرارت بھی ہے کچھ اس کی رگوں میں  
باتوں سے ہوا شیخ کے حالی متاثر  
دیں ہو تو مقاصد میں بھی پیدا ہو بلندی  
پانی نہ ملا زمرہ ملت سے جو اس کو  
پیدا ہیں نئی پود میں الحاد کے انداز

الحاد کے انداز پیدا ہوتے ہی کردار میں تغیر کا رونما ہونا ضروری تھا۔ اوامرِ نواہی کی پابندی اور رضائے الہی کا خیال، سزا کا خوف اور جزا کی امید، یہ سب محرکات ہمارے عصرِ حاضر کے نوجوانوں کے نزدیک نہ قابلِ التفات ہیں اور نہ لائقِ توجہ۔

جدید نفسیات یا تحلیلی نفسیات (Psycho-Analysis) نے نوجوانوں کو تعلیم دی ہے کہ ذہن انسانی کا بیشتر حصہ غیر شعوری ہے انسانی شخصیت کی مثال برف کے اس انبار کی سی ہے جو سمندروں میں بہتا رہتا ہے اس کا صرف تھوڑا سا حصہ سطح کے اوپر نظر آتا ہے باقی سب نیچے پوشیدہ ہوتا ہے یہ حصہ جس کو غیر شعوری نفس کہا جاتا ہے نہ صرف نسبتاً زیادہ بڑا بلکہ اہمیت کے لحاظ سے بھی نفسِ شعوری سے کہیں زیادہ عظیم الشان ہوتا ہے۔ شعور میں جو کچھ نمایاں ہوتا ہے وہ غیر شعوری نفس ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ لہذا انسان کے ذہن کا شعوری حصہ اہمیت کی چیز نہیں اس لیے کہ اس کا سارا مولا اور اس کے سارے اعمال و وظائف ان قوتوں کے اظہار ہیں جن کا نہ ہمیں عام طور پر علم ہوتا ہے اور نہ یہ ہمارے تصرف و اختیار میں ہوتے ہیں۔ اس طرح جب کسی غیر شعوری خواہش کا ظہور شعور میں ہوتا ہے تو وہ ہمارے اختیار میں نہیں ہوتی لہذا ہم اپنی سیرت کے آپ معمار نہیں ہماری سیرت نتیجہ ہے ان تاثرات، تحریکات، ترغیبات اور قوتوں کے باہمی

حاصل کیا جو غیر شعوری نفس میں جبری ہیں اور جن کا ہمیں کوئی علم نہیں۔ اگر ہم سے کہا جائے کہ ہمیں ضبط نفس سے کام لینا چاہیے۔ بُری خواہشات کو دہلتا چاہیے اور ان کی نفی کرنا چاہیے تو یہ سارے بس کی بات نہیں۔

اگر ہم ان کے ضبط پر قادر بھی ہوں تو جدید نفسیات کی تعلیم ہے کہ ان کی نفی یا ان کا دبا دینا۔ امدادی ذہنی صحت کے لیے سخت معز ہوتا ہے۔ آسکر وائلڈ کا کہنا ہے کہ کسی خواہش نفسی سے نجات پانے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اس کی تکمیل کر لی جائے۔

امدی توانائی و قوت کے مبداء اصلی کو جو ڈی بی ڈو (Dibido) کہلاتا ہے فرائیڈ اس کو چشمہ آپ سے تشبیہ دیتا ہے جو زمین کے نیچے بہہ رہا ہے اور کسی خرچ کی تلاش میں ہے اگر تم اس چشمہ کو پشت لگا کر روک دو اور اس کے پانی کو بہہ کر نکلنے کا موقع نہ دو تو پھر یہ بند ہو کر کچھ پیدا کرتا ہے یہ کچھ گویا مؤلفات (Complexes) ہیں اور بخارات عہد حاضر کی زندگی کے وہ بے شمار عصبی امراض (Neurosis) اور عقیم خوف (Phobias) جن کا نفسی تحلیل علاج کرنا چاہتی ہے اور علاج کا طریقہ بس یہی ہے کہ ان کی دبی خواہشات کو ظاہر ہونے دیا جائے۔

لیکن اس کے برخلاف دین و مذہب کی روح تو یہ ہے کہ اوامر الہی کے امتثال اور نواہی سے اجتناب کی کوشش کی جائے۔ اور جدید نفسیات کی تعلیم یہ ہے کہ خواہشات کو بے لگام رکھنا ہی صحیح ذات کے لیے ضروری ہے اسی ہوس رانی کا اصطلاحی نام اظہار ذات (Self-Expression) ہے جس کو (D.H. Lawrence) وغیرہ کے ناولوں نے عام فہم بنادیا ہے۔

بہر حال ان تعلیمات و خیالات نے مذہب اخلاق کی جھجکنی کر دی۔ نوجوان کے قلوب مسخ ہو گئے، دل تیرہ اور نگاہ بے پاک ہو گئی۔ ان کی عقل اور ان کا دل ”طواف آب و گل“ میں گرفتار ہو گیا۔ ”جاوید نامہ“ میں اسی حالت کا نقشہ ان دردناک الفاظ میں پیش کیا ہے۔

گر خدا سازد ترا صاحب نظر روزگارے را کہ می آید مگر  
عشما بے پاک و دلہا بے گداز چشمہا بے شرم و فرق اندر مجاز  
علم و فہم دین و سیاست عقل و دل زوج زوج اندر طواف آب و گل

آگے چل کر کچھ اور وضاحت کی گئی ہے۔

نوجوانوں تھن لب خالی یارغ جستہ رو چار یک جہاں روشن دماغ  
کم نگاہ و بے یقین و نامید چشم شاں اندر چہاں چہے عید

نوجوانوں نے دینِ فطرت کو ہاتھ سے کھو کر اور عقل و استدلال کو اختیار کر کے کیا پایا؟ مادی عقل نے ان کے قلوب میں کیا انقلاب پیدا کر دیا؟ ان کے نقطہ نظر کے بدل جانے سے جہاں اور جہاں کے چار سو ماں کے لیے کیسے بدل گئے۔ اقبال کو جو نظر آیا وہ یہ تھا۔

جاں لاغر و تن فرہ و ملبوس بدن زیب دل نزع کی حالت میں غرور پختہ و چالاک  
یعنی روح اخلاقی اقدار سے محروم ہو کر لاغر ہونے لگی اس کے عوض تن میں فرہی پیدا ہونے لگی لیکن نگاہ کی وسعت اور یقین کا ذوق، ایمان کا گداز و روح کی پاکیزگی اور صفت ان سے رخصت ہو گئی

(۲) جبریت : جدید تحلیلی نفسیات کی تعلیم کے بارے میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ ہمارے تمام شعوری ارادات و واقعات کا مبداء اصلی غیر شعوری نفس ہے گویا ہماری خواہشات اور افکار عکس میں ہمارے غیر شعوری عناصر کا جو غائب و غیر معلوم ہیں اور ہمارے اختیار سے باہر اس لیے ہم اپنے شعوری افکار و خواہشات کے ذمہ دار نہیں۔ لہذا پرستان مذہب و اخلاق کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ ہمارا ارادہ آزاد ہے اور وہ ہمارے افکار و خواہشات پر حکمرانی کرتا ہے انہیں اپنے اقتدار میں رکھتا ہے جو خواہشات کہ ہماری روح کے مفاد کے خلاف ہوتی ہیں انہیں ترک کر دیتا ہے اور جو اس کی فلاح کی معاون ہوتی ہیں انہیں کو اختیار کرتا ہے صحیح یہ ہے کہ جہلتیں ہی انسانی اعمال کی حقیقی محرکات ہیں اور انہیں جہلتوں کی تشفی کے لیے ہم عمل کرتے ہیں جن پر ہمیں کوئی اقتدار حاصل نہیں اس لیے ”اے شیخ پاک دامن معذور دار مارا“ ہمیں اپنے حال پر رہنے دے یہ ہے عقیدہ جبریت آج انسان کے اندر جبریت کا اثر ”عقیدہ تقدیر“ کی غلط فہمی کی وجہ سے ذہن کی طرح سرایت کر گیا ہے اور ان کے عمل کی قوت کو مفلوج کر دیا ہے۔ نہ صوفی میں مجاہدانہ حرارت رہی اور نہ سالک میں مستی کردار۔ شاعر کی نوا افسردہ و بے ذوق ہو کر رہ گئی۔ مرد مجاہد مفقود ہو گیا۔

صوفی کی طریقت میں فقط مستی احوال ملا کی شریعت میں فقط مستی گفتار  
شاعر کی نوا افسردہ و افسردہ و بے ذوق افکار میں سرمست نہ خوابیدہ نہ بیدار  
وہ مرد مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو ہو جس کے رگ و پے میں فقط مستی کردار



عقیدہ کے عقیدہ نے خاص کر مسلمانوں کو عمل سے غافل کر دیا۔ قسمت ہی میں ایسا لکھا تھا کہ کروڑوں کی تکفیل سے کٹا رہا ہو گیا اور اپنی تکفیل تسلیم کر لی۔  
73228  
23-95-97

مگر تکفیل زندگی سے مردوں کی اگر تکفیل نہیں ہے تو اور کیا ہے تکفیل  
لذت اندوزی: اگر ہم عمل و مجاہدے سے اپنی زندگی کی تعمیر نہیں کر سکتے اگر ہم اپنے مستقبل کے سنوارنے میں اتنے ہی مجبور ہیں جتنے کہ اپنے ماضی کے بدلنے میں تو پھر ہمیں اپنی موجودہ زندگی سے وہ جیسی بھی کچھ ہے پوری طرح بہرہ اندوز ہونا چاہیے اور جو کچھ مل جائے اس سے لطف اندوز ہونا چاہیے اسی کو کہتے ہیں ”اگر زمانہ نسا زد تو بازمانہ بسا۔“ یہیں سے لطف اندوزی کی بنا پڑتی ہے۔ عصر حاضر نے اس کو یہ تعلیم دی کہ مذہب کا یہ فرمان کہ انسان کو ہوائے نفسانی کی مخالفت کرنی چاہیے اور خواہشات طبعی کو شرع کے تحت رکھنا چاہیے نہ صرف ناقابل عمل ہے بلکہ شخصیت انسانی کے لیے قطعاً مضر بھی ہے۔ فرائڈ نے ذرا تفصیل سے بتایا کہ موجودہ زمانہ کی بے شمار ذہنی بیماریاں، عصبی امراض، ہسٹریا اور زندگی سے بیزاری اور عدم طمانیت نتیجہ ہیں فطری خواہشات کو دبانے اور روکنے کا۔ صحت و طمانیت کے لیے انکار ذات نہیں بلکہ اظہار ذات کی ضرورت ہے، نقد و وقت کو ہاتھ سے کھونا شخصیت کی عمارت کو جڑ سے اکھاڑتا ہے اس لیے عصر حاضر کا انسان اس عقیدہ کا پورا قائل نظر آتا ہے کہ اوقات فرصت کو لذت اندوزی میں صرف کرنا چاہیے وہ ان افعال و اعمال کو لذت بخش تصور کرتا ہے جو ہوائے نفسانی کی تکمیل کرتے ہیں جو ظاہر ہے جنسی خواہشات، رقص و سرود اور لہو و لعب کے سوا اور کچھ نہیں۔ یہ خوشی و راحت محض نفس کی خاطر ہے زندگی کے فرائض کو انجام دینے کی خاطر نہیں۔ مختصر یہ کہ عصر حاضر کا نوجوان اقبال کے الفاظ میں بدن ہی میں غرق ہے اور جان سے بے خبر۔

ترجمہ ایں عصرے کہ تو زادی دریاں در بدن غرق است و کم اندوز جاں  
اقبال اس قوم کو اور اس قوم کے افراد کو جنہیں ”کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْتُونَ بِاللَّهِ“ یعنی تم بہترین گروہ ہو جو لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان دلیقین رکھتے ہو کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا انہیں عصری آلودگیوں میں پھنسا ہوا دیکھتے ہیں تو خون کے آنسو بہاتے ہیں اور درد و اضطراب کی حالت

میں ان کے مہلک امراض یعنی ان کے قلت آباد سے چراغِ ضمیر کو، ان کی غلامی اور حریت و محنت کو، ان کی غلامی و الحاد کو ان کی فریبِ مستی اور اپنی کو میت و حیت سے بیکارگی کو ان کی بڑی ہلاکت موت سے خوفزدہ ہونے کو ان کی لذت پرستی اور عیشِ کوشی کو، یورپ کے باطل عقائد اپنے قلب کی پہنائیوں میں جگہ دے کر اور پھر ان کے آگے سجدہ ریز ہونے کو کس درد کے ساتھ سرحدِ دو عالم کے حضور میں پیش کرتے ہیں اور دعا طلب کرتے ہیں۔

ایں مسلمان زادہ ' روشن دماغ ' قلت آباد ، ضمیرش بے چراغ  
مکتبِ لذت سے جذبہ دیں در ربود از وجودش ایں قدر دائم کہ بود  
مومن از رمز مرگ آگاہ نیست دلش لا غالب الا اللہ نیست  
از فرنگی می خرد لات و منات مومن و اندیشہ او سمنات  
قم باذنی گوئے او را زندہ کن دلش اللہ ہو را زندہ کن

نثر اور تو کو خطاب کر کے ”جاوید نامہ“ میں اقبالؒ نے جو نصیحت کی ہے اس کا حاصل بس اتنا ہے کہ سادہ دلوں کے یقین کو فلسفیوں کے نکتہ ہائے وقتی پر ترجیح دے کر بے دلیل و برہان ادروئے جان یعنی قلب کی گہرائیوں سے اپنے خالق کی الوہیت اور محمدؐ عربی کی رسالت کا اقرار کر لے۔

اقبالؒ کے نزدیک لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان کامل نہ ہونے کی وجہ سے آج دنیا مختلف قسم کے ذہنی و دماغی اور معاشی و عمرانی امراض میں مبتلا ہے۔ دنیا کی اکثر و بیشتر قومیں تو صرف ابھی لا کی منزل سے گزر رہی ہیں الا اللہ سے انہیں دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اقبالؒ کو تہذیبِ حاضر سے جو شکایت ہے وہ یہ ہے کہ اس کی مجلس میں صرف شراب لاکا دور چل رہا ہے الا اللہ کی بوتل کا کہیں پتہ نہیں۔

لبالب شیشہ تہذیبِ حاضر ہے مئے لاسے مگر ساقی کے ہاتھوں میں نہیں چلنے کا  
لابیشک نقشِ باطل کو مٹاتا ہے لیکن اس کے بعد نقشِ حق بھی تو ثبت کرنا چاہیے ورنہ معصہ  
حیات فوت ہو جائے گا۔

در مقام لا نیا ساید حیات سوئے الامی خرابہ کا کات

جو قومیں صرف لاکا وظیفہ پڑھتی ہیں وہ اپنی طاقتِ انسانیوں کو کھو کر بے بس ہو جاتی ہیں۔

ہیں اور جب حد سے گزر جاتی ہیں تو خود بہہ ہو جاتی ہیں کیونکہ ۔

قطرے افراد سے اغماض نہ کر لیں ہے ہمیں کرتی کبھی ملت کے گناہوں کو معاف

اس لیے نئی کے بعد اثبات کرنے سے ہی زندگی کے مختلف شعبوں میں اعتدال وار توازن پیدا ہو سکتا ہے اور یہ اعتدال بنی آدم کے حق میں رحمت ہوتا ہے

مشہور ”پس چہ باید کرد اے اقوام شرق“ کے چار صفحات کے اندر علامہ اقبال نے اپنے مخصوص انداز میں ”لا الہ الا“ کی تفسیر پیش کی ہے جس کی تفصیلات خالی از طوالت نہیں لیکن اجمالاً دو ایک باتیں یاد رکھنے کے قابل ہیں، فرماتے ہیں ۔

کنکھ می گویم از مردانہا حال امتاں را لا جلال فلا جمال

یعنی توحید کی اصلیت و حقیقت سمجھنے کے لیے قال کی ادنیٰ منزل سے گزر کر حال کی منزل ارفع میں داخل ہونے کی ضرورت ہے جو لوگ اس سے آشنا ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ عظم امتاں را لا جلال الا جمال۔ جلال سے مراد ہے قاہری اور جمال سے مراد ہے دلبری۔ قاہری دل میں خوف پیدا کرتی ہے اور دلبری دل میں محبت پیدا کرتی ہے اور یہ دونوں حیات انفرادی اور حیات اجتماعی کے لیے ضروری ہیں یعنی زندگی کی دو شانیں ہیں جن کے بغیر زندگی مکمل نہیں ہوتی قاہری و دلبری دونوں ایک ذات میں جمع ہو جائیں تو انسان میں پیغمبری کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن صرف دلبری جادوگری ہے اور صرف قاہری ابلیسیت ہے۔

دلبری با قاہری پیغمبری است دلبری بے قاہری جادوگری است

اسی طرح جب کوئی قوم لا الہ کا نعرہ بلند کرتی ہے خواہ وہ جرمنی ہو یا رومی، انگلیشی ہو یا امریکن، روسی ہو یا کوئی اور تو وہ اپنے اقوال و افعال سے ”دنکے نیست کائنات کرتی ہے اس سے فرد و قوم دونوں کے اندر بے پناہ طاقت پیدا ہو جاتی ہے اسی طاقت کا دوسرا نام جلال ہے لیکن جب کوئی قوم قاہری یا جلال کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کرتی ہے کہ لا الہ کے بعد الا اللہ بھی ہے تو وہ طاقت کا دوسرا نام ہے۔ طاقت و امتاںیت رحمتی و فیاضی و طہر و صفاقت حسنیہ کی حامل بن جاتی ہے۔ اس کے بعد وہ دنیا و آخرت میں جادوگری سے بھی بالاتر ہو جاتی ہے۔

چاہتی ہے۔ انفرادی طور پر جلال کو منہ جہاں دیکھتا ہو تو عمر قاضی اور حیدر کرار کی سیرت پر نظر ڈالے اور جہاں کو بغیر جہاں کے دیکھتا ہو تو اس کی کیفیت مہدی سوانح کی استخوان سوختہ سے پوچھے پتھر و پتھر میں دیکھے، حیدر کرار کی خودی کو جس کے اقبال مؤید ہیں حضور اکرمؐ کے حسین و جمیل ہاتھوں نے بنایا اور سنوارا ہے، پتھر کی خودی کو نطعے نے ترتیب دیا ہے وہ نطعے جس کے متعلق اقبال کہتے ہیں۔

حریف نکتہ توحید ہو سکا نہ حکیم  
خدا چاہے اسرا لا الہ کے لیے  
خدیج سینہ گردوں ہے اس کا فکر بلند  
کنند اس کا تخیل ہے مہر و مد کے لیے  
اگرچہ پاک ہے طینت میں راہی اس کی  
ترس رہی ہے مگر لذت گنہ کے لیے

نطعے کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے وہی ان تمام مشرقی و مغربی مفکرین و مصلحین پر منطبق کیا جاسکتا ہے جو کلمہ توحید کے اسرا سے بے بہرہ ہیں نطعے کا ”فوق البشر“ عقلیت کا پجاری، عشق سے عاری اور ایمان سے خالی ہے اس کے نزدیک رزم و گواہیات میں نیکی نہیں بلکہ قوت و کار ہے تاکہ کمزوروں پر غلبہ کیا جاسکے، وہ اخلاقی خوبیوں کو کمزوری پر محمول کرتا ہے اور خیر و شر کو محض اضافی حیثیت دیتا ہے۔ وہ دراصل ”بقائے اصلح“ کے بجائے ”بقائے اقویٰ“ کا قائل ہے اس کے برخلاف اقبال کے ”انسان کامل“ کا خمیر دین فطرت کی مٹی سے بنا ہے جس میں بہت سے اجزاء شامل ہیں۔ اس کا انسان کامل خودی کا پیکر ہے۔ عشق کا حامل ہے وہ عشق جہاں عقل کی سرحد ختم ہو جاتی ہے اور ذوق و وجدان کی کار فرمائی شروع ہوتی ہے۔ وہ حیات و حرکت کا مجسمہ ہے۔ اور شریعت نبویؐ کا پابند۔ اس کا ایمان تابندہ، اس کی آرزو زندہ اور اس کا عزم و استقلال پائیدار۔ وہ دنیا کا بادشاہ ہے لیکن ایک مرد قلندر ہے جو روحانی قدور کے سامنے دنیا کی ہر چیز ٹھکرا دیتا ہے۔ وہ ”بقائے اقویٰ“ کے بجائے ”بقائے اصلح“ کا قائل ہے وہ قومی حاکم نہیں بلکہ انسانیت کا علمبردار ہے۔ بہر حال اقبال تو عصر حاضر کے انسان کو ”مرد قلندر“ دیکھنا چاہتے ہیں جس کی یہاں اپنے طبع شاعرانہ انداز میں ضرب کلیم کے صفات میں اس طرح پیش کی ہے۔

کہتا ہے زمانہ سے یہ درویش جوان مرد  
جاتا ہے جد مرید حق تو بھی نامرد  
میں کشتی و ملاح کا محتاج نہ ہوں گا  
جہاں ہوا وہاں ہے اگر تو نہ آتا

توڑا نہیں جادو مری تکبیر نے حیرا ہے تجھ میں مگر جانے کی عادت تو مگر جا  
مرد وہ و انجم کا محاسب ہے قلندر لہام کا مرکب نہیں رآکب ہے قلندر  
اب یہ فیصلہ کرنا عہد حاضر کے انسان کا کام ہے کہ وہ ”مرد قلندر“ بننا چاہتا ہے یا ”فوق البشر“  
انسان و ما علیہنا اِلَّا الْبَلَاغُ



احادیث نبوی کا شاندار ذخیرہ

## ترجمان السنۃ

چار جلدوں میں

ترجمان السنۃ حدیث شریف کی ایک لاجواب کتاب ہے جس کے ذریعے سے  
فرمودات نبوی کا نہایت اہم اور مستند و معتبر ذخیرہ نئے عنوانوں اور نئی ترتیب کے ساتھ عام  
فہم زبان میں منتقل کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں احادیث نبوی کے صاف و سلیس ترجمہ کے  
ساتھ تمام متعلقہ مباحث کی دلپذیر تشریح و تفسیر کی گئی ہے اور اس تشریح میں سلف صالح کی  
پہر دی کے ساتھ جدید ذہنوں کی بھی پوری پوری رعایت کی گئی ہے۔

قیمت مکمل چار جلدیں غیر مجلد - ۷۰۰ روپے \* مجلد - ۸۲۰ روپے

منگوانے کا ہتہ

4136 - اردو بازار دہلی - ۶



ندوة المصنفین

# زمینداری اور جاگیرداری کا

## تاریخی پس منظر

از جناب مولوی تقی الدین صاحب بہاری

قطاع

خلافت راشدہ میں ایک قسم ان آراضی کی ملتی ہے جو مفاد عامہ کے پیش نظر خلافت کی جانب سے لوگوں کو دی جاتی تھیں جس کو کلام عرب میں ”قطاع“ کہتے ہیں۔ اس انتظام کی دو صورتیں رائج تھیں۔

(۱) کاشت کے لئے کسی کو زمین دی جاتی اور وہ خود کاشت کرتا۔

(۲) اگر مفاد عامہ کی کوئی خدمت سپرد ہونے کی بناء پر وہ کاشت نہ کر سکتا تو دوسرے کے ذریعہ کاشت کرواتا اور آمدنی یا پیداوار میں دونوں شریک ہوتے۔

خلافت کی جانب سے اس عطیہ کی کبھی تو یہ شکل ہوتی کہ صرف زمین کی منفعت کا مالک بنادیا جاتا نفس زمین پر کسی قسم کے تصرف ہیج، بہہ وغیرہ کا اختیار نہ ہوتا اور کبھی زمین کی ذات اور منصب منفعت دونوں کا مالک بنادیا جاتا۔ اس صورت میں ہر قسم کے تصرف ہیج، بہہ وغیرہ کے اختیارات بھی حاصل ہوتے تھے لیکن قطاع کی کوئی شکل بھی سرکاری قانون اور نیکس سے مستثنیٰ نہ تھی بلکہ اجتماعی مفاد کے پیش نظر خلیفہ کے اختیارات بہ نسبت دوسری زمینوں کے خاص

جانب سے سخت فرسے بہت سے ایسے قلعے تک پہنچ گئے۔ جو غیر اسلام نے اپنے ملیں  
اور مسلمانوں کو مٹا کر رکھے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کا دنیا بھی مغلوں کے پیش نظر تھا اور فاروق اعظم کا دایں ہاتھ بھی اسی  
عصر کی ترجمانی کر رہا تھا۔

اس بحث کو ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کی ضرورت ہے تاکہ زمانہ خلافت کے قلعے کی  
اصل حقیقت واضح ہو سکے اور یہ معلوم ہو سکے کہ بعد میں اس کی اصل صورت کس قدر  
ہوئی۔ اور اب اس لفظ کو موجود زمینداروں اور جاگیرداروں کی حمایت میں کس بُری طرح آلہ کار  
بھیجا جا رہا ہے۔

### قلعے کی تعریف

خلافت راشدہ میں قلعے کی جو نوعیت تھی اس کے پیش نظر اس طرح تعریف کی جاسکتی ہے  
”مغلوں کے پیش نظر غیر آباد زمین کو آباد کاری کے لئے کسی کو دینا اور صحت و مصلحت  
سرکاری ٹیکس وصول کرنا۔“

چنانچہ اس کی تائید فقہاء حنفیہ کے اس قول سے ہوتی ہے

الاقطاع اعطاء الارض للاحیاء سواء و ”القطع“ کسی آباد کاری کے لیے زمین دینا  
جب فیہ العشاء او العراج“ چاہے اس میں ضروریات ہو یا خراج

ذیل کی تصریحات سے بھی کسی حد تک اس کی تائید ہوتی ہے۔

اس بارے میں علامہ قرطبی کا یہ کلام عرب کا یہ علاوہ نقل کرتے ہیں۔

”فقطہ تھرا و ابو حنیفہ لہ خلافت“ نہ ہر زمین قطعہ دیا جی اس کے لیے مباح  
کر دیا

علاوہ پر مبنی شریعت جاری کرتے ہیں:

”قلعے کی نوعیت یہ ہے کہ ان کے قبضہ دینے کی یہ عمل ہے کہ جس شخص میں اہلیت دیکھے اللہ کے  
رسول ﷺ سے کہ خلافت کی جانب سے اس کو مٹا کر۔ اکثر اس لفظ کا استعمال زمین کے بارے میں







آباد شدہ مینوں سے ظلم اٹھنے لگا تھا۔  
کس محمد سے دی جاتی تھیں

”کائنات“ دینے کا مقصد زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کرنا اور خلق اللہ کا کام مفاد ہو گا تو خاص تک یہ مقصد پورا ہو گا رہا خلافت کو کوئی دخل ہے کی ضرورت نہ تھی لیکن ہم اس میں کوئی ہمت نہ کرتے تھے یا آراشی کے عظیم کی اس سے مردہ صورت سامنے آتی جس میں صحیح خلق زیادہ مظلوم ہو گیا خلافت کو بے دخل کر دینے کا پورا حق تھا۔ چنانچہ خلافت میں چند ایسے واقعات ملتے ہیں جن میں بلا پس و پیش اسی نظریہ کے ماتحت اہل زمین کو بے دخل کر دیا گیا تھا۔

چند یہ ہیں۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال بن حارث کو پوری تولوی متفق ”دے دی تھی لیکن وہ اس کا بڑا حصہ آباد نہ کر سکے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ نے یہ زمین آپ کو اس لئے نہ دی تھی کہ نہ خود آباد کریں اور نہ دوسرے کو آباد کرنے دیں جتنی آپ آباد کر سکتے ہوں اپنے پاس رکھیں اور بقیہ واپس کچھ حضرت بلالؓ نے کہا کہ میں رسول اللہ کی دی ہوئی زمین کبھی واپس نہ کروں گا آخر حضرت عمرؓ نے آباد شدہ حصہ کو چھوڑ کر بقیہ زمین واپس لے لی۔

اس موقع پر قابل غور بات یہ ہے کہ بلال بن حارثؓ رسول اللہ کے قریب ترین صحابی تھے اور زمین کا حصہ خود رسول اللہ نے دیا تھا جس کے ساتھ لگاؤ ہونا فطری بات تھی مگر خداوندی اعظم نے مفاد عامہ کے پیش نظر نہ حضرت بلالؓ جیسے جلیل القدر صحابی کا خیال کیا اور نہ اس جذبہ کا کہ رسول اللہ کا دیا ہوا حصہ کس طرح واپس لیں۔

یہ واقعہ اس امر کا ثبوت ہے کہ خلیفہ اللہ کے سامنے خلق اللہ کا عام مفاد ہوتا تھا وہ اس کے لئے اپنے بزرگ ساتھیوں کے ساتھ کسی قسم کی جھجکی سلوک کرنے کے لئے تیار تھا اور یہ بھی جذباتی امور سے متاثر ہو کر عام مفاد کو نظر انداز کر سکتا تھا۔

جب رسولؐ کا دیا ہوا حصہ بلالؓ جیسے بزرگ سے واپس لیا جاسکتا ہے تو دیگر اہل لوگوں کے پاس سے بیکار زمین واپس لینے میں کیسے غور و فکر کی کیا تلاش ممکن تھی۔

(۲) رسول اللہؐ نے ایک اور شخص کو زمین دی تھی حضرت عمرؓ نے آپ کے ہوتے ہوئے

لے لیا مصلحت سے وہ امور اہل عرب کی مس



(۴) نو مسلموں کو تابعِ قلوب کے لئے۔ یہاں لوگ اسلام قبول کر کے اپنے آپ کو ہمارے اور محتاج بناتے تھے۔ گذر بسر کی کوئی شکل نہ رہ جاتی تھی۔ ایسی صورت میں خلافت کا علاج دے کر ان کو سب سب کا مال بناتی تھی۔ بلکہ دوسروں کی دست بستی سے محفوظ رہ کر آزادانہ اپنی صلاحیتوں کو نشوونما دے سکیں۔ نو مسلموں کے ساتھ اس حسن سلوک کو دیکھ کر غیر مسلموں کو سوچنے کیجئے کاموقع ملتا اور اسلام قبول کرنے کے لئے راہیں کھلتی تھیں۔

اصل بات یہ ہے کہ خلافت کے سامنے ”کلیع“ کا مقصد خلقِ اللہ کے لئے زیادہ پیداوار حاصل کرنا تھا اس لئے عام طور سے انہیں لوگوں کو دئے جاتے جو زمین کو زیر کاشت لا کر پیداوار دے سکتے تھے اور اسی وقت تک باقی رکھے جاتے جب تک مقصد اجازت دیتا تھا۔

اسی نظام پر قاضی ابویوسف فرماتے ہیں:

ولولا ذلك لم ياتوه ولم يقطعوا حق  
مسلم ولا معاهد  
اگر یہ مقصد نہ ہوتا تو رسول اللہ اور خلفاء کی کو  
کسی مسلمان یا معاہد کا حق نہ دیتے کیونکہ زمین  
میں سب شریک ہیں۔

کتنی مقدار دی جاتی تھی

اس سلسلہ میں تاریخ خلافت کا مطالعہ کرنے سے پہلے بنیادی طور پر چند باتیں پیش نظر ہونی چاہئیں۔

- (۱) غمر و افتادہ آراضی بکثرت تھیں اور آباد کرنے والے کم تھے۔
- (۲) پیداوار آج کے مقابلہ میں نہایت ہی کم تھی خصوصاً عرب کی زمینوں کی۔
- (۳) رسول اللہ اور صدیق اکبر کے زمانہ خلافت میں فوجیوں اور دیگر کارپردازوں کی تنخواہیں مقرر نہ تھیں۔

(۴) فاروق اعظم نے تنخواہوں اور وظیفوں کا باقاعدہ انتظام کیا۔

- (۵) تنخواہ مقرر ہونے کی صورت میں مفادِ عامہ کی خدمت کرنے والے لوگ خدمت چھوڑ کر خود کاشت کرتے یا زمین کاشتکاروں کے حوالہ کر کے پیداوار یا آمدنی میں دونوں شریک ہوتے۔
- (۶) تنخواہوں اور وظیفوں کے مقرر ہو جانے کے بعد فاروق اعظم نے مسلمانوں کی زمینوں کو جائیداد کے بارے میں جو رویہ اختیار کیا قابلِ غور ہے۔

چند خطبات کے لئے چند واقعات یہ ہیں۔

(۱) ابو بکر صدیقؓ نے حضرت طلحہؓ کو قطعہ طار فرمایا اور چند لوگوں کو گولی بنا کر حکم نامہ ان کے محلے کر دیا گاؤں میں حضرت عمرؓ تھے۔ حضرت طلحہؓ جب دستخط کرانے کے لئے عمرؓ کے پاس آئے تو یہ کہہ کر دستخط سے انکار کر دیا۔

اھلنا کلھ لك دون الناس کیا یہ سب جھیں ہی مل جائے اور دوسرے

مخروم رہیں۔

پھر طلحہؓ غصہ میں بھرے ہوئے ابو بکرؓ کے پاس آئے اور کہا

والله ما اوری انت الخليفة ام عمر واللہ میں نہیں جانتا کہ کون خلیفہ ہے آپ

ہیں یا عمر

ابو بکرؓ نے فرمایا بل عمر بلکہ عمر ہیں

انفرض عمرؓ کی مخالفت کی وجہ سے فرمان صدیقی رد ہو گیا۔

(۲) حضرت عیینہؓ کو صدیق اکبرؓ نے ”قطعہ“ دیا جب دستخط کے لئے عمرؓ کے پاس آئے تو انہوں نے دستخط کرنے سے انکار ہی نہیں کیا بلکہ لکھے ہوئے کو بھی مٹا دیا۔ عیینہؓ دوبارہ ابو بکرؓ کے پاس آئے اور دوسرا حکم نامہ لکھنے کی درخواست کی

والله لا اجد و شينارده عمرؓ خدا کی قسم وہ کام دوبارہ نہ کروں گا جس کو عمر

نے رد کر دیا ہو

باقی رہی یہ بات کہ حضرت عمرؓ نے دستخط سے کیوں انکار کیا جب رسول اللہؐ ابو بکرؓ اور خود عمرؓ سے ”قطعہ“ دینا ثابت ہے اس کی وجہ حضرت عمرؓ نے خود ہی ان الفاظ میں بیان کر دی تھی کہ:

اھلنا کلھ لك دون الناس کیا یہ سب تجھے ہی مل جائے اور دوسرے

مخروم رہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ صدیق و فاروق دونوں کا ایک مقصد تھا یعنی ”قتال“ دے کر زمین کو زیر کاشت لانا تاکہ خلق اللہ کو زیادہ سے زیادہ غذا مہیا ہو سکے مگر یہ بات بھی ہر وقت ملحوظ رہتی تھی کہ زمین صرف چند افراد کے ہاتھوں میں پڑ کر ان کے لئے عیش و آرام طلبی کا سامان نہ بن جائے یا بیکار

ہر چہی رہے اس لئے یہ اختیار ضروری تھی کہ صرف ان لوگوں کو زمین دی جائے جو اس ملک میں  
ایسی دی جائے جتنی وہ استعمال کر سکتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ حکومت الہی میں کسی فرد کو نہ کسی ملک پر رہنے دیا جائے اور نہ دوسرے کی ملک  
پر رہنے دیا جائے۔

اگر کسی فرد میں کاشتکاری کی اہلیت اور صلاحیت ہوتی تو آراضی اس کے حوالہ کر کے خلق اللہ  
کے خدمت پر مامور کیا جائے گا اور اگر دیگر مفاد عامہ کے لئے موزوں ہو تو اتنی مقدار زمین دی  
جائی گی کہ دوسرے ملک سے کاشت کر کے خدمت کے فرائض زمینان کے ساتھ انجام دے سکے۔ ایسی  
صورت میں کاشتکاری کی صلاحیت کے مطابق خدمت خلق کرنا تھا اور صاحبہ زمین اپنی صلاحیت  
کے مطابق اس فرض کو انجام دیتا تھا۔

اسی بناء پر بدر الدین عینیؒ کہتے ہیں۔

بموجب الجہد الذی یقطع لہ ان ہو  
فیہ یقطع لہ

اور شاہ ولی اللہؒ کہتے ہیں۔

ولا یقطع الا قدر اہالی العمل علیہ  
ایسی مقدار قلعہ دیا جائے جس پر کام کرنا  
آسان ہو

پھر کہتے ہیں:

لام را باید کہ اقطاع کند بقدر حاجت

قطاع اور سرکاری ٹیکس

زمانہ خلافت میں "قطاع" سرکاری ٹیکس اور قانون سے مستثنیٰ نہ تھے بلکہ خلیفہ کے اختیار  
یہ نسبت دیگر آراضی کے "قطاع" میں زیادہ وسیع ہوتے تھے۔  
جیسا کہ قاضی ابویوسفؒ کہتے ہیں۔

"قطاع" اگر محض زمین سے دیئے گئے ہیں تو عسکر واجب ہوگا، اگر انکی زمین سے دیئے گئے ہیں تو عسکر  
واجب ہوگا۔

کرتے ہیں۔

جس کمی کو خردی زمین سے قلع دے جائیں تو یہ اور کادسواں، پھر ہواں، بیسواں حصہ بارش سے بھی زیادہ یا خراج بہر حال جو مناسب ہو خلیفہ مقرر کرے۔ آگے چل کر کہتے ہیں:

مجھے امید ہے کہ اس بارے میں خلیفہ جو بھی مناسب سمجھ کر کرے گا اس کے لئے وسعت اور گنجائش ہے۔

ہمدردان ارشد کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

مفاہ عامہ کے پیش نظر آپ جو مناسب سمجھیں اس میں آپ کو پورا اختیار ہے۔ حاصل یہ ہے کہ حکومت الہی میں زمین جائیداد نہ ذاتی وقار اور اقتدار بڑھانے کے لئے تھی اور نہ کاشتکاروں کی محنت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر مفت خوروں کا طبقہ پیدا کرنے کے لئے بلکہ یہ ساری چیزیں پیداوار حاصل کر کے مفاہ عامہ کی راہوں میں صرف کرنے کے لئے اور خلق خدا کی خدمت کے لئے تھیں اس لئے قانون اور ٹیکس کے معاملات میں خلیفہ کے اختیارات وسیع تھے مذکورہ تمام تصریحات کے پیش نظر یہ فیصلہ کرنا آسان ہے کہ موجودہ زمینداری اور جاگیرداری کی صورت قلع سے بالکل مختلف ہے۔ جاگیردار اور زمیندار ایک وسیع حصہ زمین کا مالک ہوتا ہے کاشتکار اور مزدور اس پر کام کرتے ہیں اور مالک زمین بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے ان کے منافع سے عیش و آرام کرتا ہے۔

”قلع“ سے اس قسم کی عظیم کے لئے کوئی جواز نہیں نکل سکتا بلکہ متعدد مثالیں ایسی ملتی ہیں کہ ایسے نظام کو ختمی کے ساتھ ختم کیا گیا اور ایسا کرنے میں مفاہ خلق کے سوا کوئی دوسرا جذبہ یا مصلحت کارفرما نہ تھی۔ (جاری ہے)

الخراج ص ۵۹ و ص ۶۰

### یوپی تعلیمی نصاب کی چند اہم کتب

تاریخ ملت ہند اول (بی عربی)	قاضی زین العابدین	غیر مجلد ۲۵ روپے	جلد ۳۵ روپے
تاریخ ملت ہند دوم (خلافت راشدہ)	"	غیر مجلد ۵۰ روپے	جلد ۶۰ روپے
تاریخ ملت ہند سوم (خلافت عباسیہ)	"	غیر مجلد ۵۰ روپے	جلد ۶۰ روپے
تاریخ ملت ہند چہم (خلافت عثمانیہ)	مفتی انعام اللہ شہیدانی	غیر مجلد ۵۰ روپے	

# مغربی فن تعمیر پر

## اسلامی فن تعمیر

### کے اثرات

از مارٹن۔ ایس۔ برمگس

ترجمہ: جناب سید مبارز الدین صاحب رفعت ایم۔ اے

ابھی ایک نسل اور گزرے تب کہیں جا کر کچھ دنوں کے بعد اس بات کا اندازہ لگایا جاسکے گا کہ فن تعمیر پر اسلامی دنیا نے کیا کیا احسان کیے ہیں۔ ہمارے موجودہ علم کا جہاں تک تعلق ہے اسلامی فن تعمیر کے بہت سے اہم پہلوؤں کے بارے میں اتنے شبہات باقی ہیں کہ کسی جو شیلے طرفدار ہی کو اپنی رائے پر پورا پورا اعتماد ہو سکتا ہے۔ بد قسمتی سے حال کا بہت سا تحقیقاتی کام جسے غیر یقینی نقاط پر روشنی ڈالنا چاہیے تھا، ہمارے آگے نزاعی بحثوں کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ بحثیں اسلامی فن تعمیر کی پختگی کے دوروں کی خصوصیت سے کم ہی متعلق ہیں اور ہماری دنیا کے فن تعمیر کے ارتقا پر اس کے اثرات کا ذکر تو ان میں بہت ہی کم ہے۔ بلکہ یہ تحقیقاتی کام زیادہ تر اسلامی فن تعمیر کی اصل اور اس کی ابتدائی عمارتوں کے حال پر مشتمل ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ تحقیقاتی کام اس سوال سے راست تعلق رکھتا ہے کہ اسلامی فن تعمیر نے نئی نوع انسان کو جو وہ میں کیا دیا ہے، کیونکہ ہم اسلام کی میراث کا اس وقت تک ٹھیک ٹھیک اندازہ نہیں کر سکتے جب تک خود



اسلام کے پاس اپنی کسی حقیقی چیز کے ہونے کا کوئی ثبوت ہمیں مد مل جائے۔ یہ الفاظ دیگر کہا جاتا ہے کہ اسلامی فنِ تعمیر میں واقعی بہت سی چیزیں غیر مسلم قوموں سے لی گئی ہیں کہ بعض عالموں نے واقعی یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ مسلمانوں نے تعمیری تکنیکیں مستعار لی ہیں اور ان کا اپنا کوئی فنِ تعمیر نہیں۔ اس بنیادی نقطہ نظر کے بارے میں کوئی قطعی فیصلہ کرنے کے لیے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اسلامی فنِ تعمیر کی ابتدا اور اس کی ماہیت کا ایک عام خاکہ پیش کرنے کی کوشش کی جائے۔

آدمی صدی کے اندر عرب، جاز سے لے کر مغرب میں ہر کولس کے ستونوں (Pillars of Hercules) تک اور مشرق میں ہندوستان کی سرحدوں تک صحرائی بگولے کی سی چیز سے پھیل گئے اور انہوں نے پہلے سے متدن بہت سے ملکوں کو فتح کر لیا۔ ان کی سلطنت اتنے وسیع علاقے پر پھیل گئی تھی کہ اتنا وسیع علاقہ رومی سلطنت کو اپنے انتہائی پھیلاؤ کے زمانے میں بھی نصیب نہ ہوا تھا۔ ان علاقوں میں ایسی بہت سی قومیں آباد تھیں جن کا فنِ تعمیر رومیوں کے فنِ تعمیر سے مختلف اور بعض صورتوں میں اس سے بھی کہیں زیادہ قدیم تھا۔

قرون وسطیٰ کے مغربی فنِ تعمیر کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک گروہ کا کہنا ہے کہ یہ فنِ تعمیر بڑی حد تک رومی ہے۔ اور ایک گروہ کا کہنا ہے کہ اس کی ہر چیز ایران یا آرمینیا سے لی گئی ہے۔ اب چاہے کوئی اس اختلاف خیال میں کسی گروہ کا ساتھ دے، پر اب یہ بات واضح ہوتی جا رہی ہے کہ آخر الذکر مکتب خیال ہماری سنجیدہ توجہ کا طالب ہے۔ آرمینیا، عراق (مسیحیت) اور ترکستان میں جو غیر معمولی دریا فتن ہوئی ہیں اور جو اگرچہ ہمارے سامنے نزاعی صورت میں پیش کی گئی ہیں، ان دریا توں نے ہر چیز کے رومی ہونے کے نقطہ نظر پر ہمارے اعتماد کو متزلزل کر دیا ہے۔ کیسا نے صدیوں تک یہ عقیدہ پھیلایا کہ ہماری رومانسکو (Romanesque) اور گوتھک عمارتیں شہنشاہی روم کے کھنڈروں پر ہی بنی ہیں یا پھر ہمارے اس فریب تخیل کے ذمہ دار نشاۃ ثانیہ کے برخوردار انسانیت دوست 'نظہرائے جاسکتے ہیں۔ چاہے وہ کچھ بھی ہو، یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اب ہمیں مشرق کی طرف جانب دارانہ نظر سے دیکھنا چاہیے اور سب سے پہلے ہمیں مشرقی گوتھک واحد علاقہ سمجھنے کی عادت بھی ترک کر دینی چاہیے۔ ہم پر روم کے جو احسان ہیں، ان میں سے کسی کو سنجیدگی سے کوئی شبہ ہو لیکن اب وقت آ گیا ہے کہ اس بات کا اندازہ لگایا

جائے کہ ہم کس حد تک اس کے ممنون احسان ہیں۔

عرب فاتحوں نے جو علاقے فتح کیے تھے ان میں شام، آرمینیا کا ایک حصہ اور شمالی افریقہ کا آباد علاقہ جس میں مصر بھی شامل تھا یہ سب کے سب علاقے مشرقی رومی مملکت سے حاصل کیے گئے تھے۔ اچمن و سقوطیوں سے چھینا گیا۔ لیکن اس سے پہلے یہ علاقہ رومی صوبہ تھا۔ عراق (موسومیا) سے لے کر کستان اور افغانستان تک کے ملک خسرو دوم کی پچھلی ساسانی مملکت میں شامل تھے۔ اس پورے وسیع و عریض علاقے میں آرمینیا اور شام کی مشرقی سرحد تک نصرانیت کے قدم آچکے تھے۔ اور ہمیں (جنوبی عرب) کے علاقے سنا میں چھٹی صدی عیسوی کا ایک کلیسا تک پایا جاتا تھا۔ اس طرح فاتحوں کو اپنے مفتوحہ علاقے کے ہر صوبے میں آسانی کے ساتھ ماہر تعمیر کار مل گئے اور انہیں اپنے پیش رو قبیلوں اور و سقوطی نصرانیوں کی طرح بہت سی عمارتیں بھی مل گئیں جن کو فاتحوں نے آزادی کے ساتھ پتھر کی کانوں کی طرح استعمال کیا۔ اس ناقابل تردید حقیقت کا بڑا چرچا ہوا ہے، لیکن ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ عربوں کو اپنی مملکت کے مشرقی صوبوں میں ایسے مقامی صنایع بھی ملے جو ایسی طرز میں عمارتیں بناتے تھے جو رومیوں کی طرز سے بالکل مختلف تھی اور اگر ہم بعض ماہروں کی بات مانیں تو ان ہی صنایع نے بازنطینی تعمیر کاروں کو وہ تمام باتیں سکھائیں ہیں جن کی وجہ سے بازنطینی کام رومی کام سے مختلف نظر آتا ہے۔

پہلے عرب فاتحوں میں تعمیری کام کی مہارت پائی جاتی تھی اور نہ وہ اس کا ذوق رکھتے تھے یہی نقطہ نظر عام ہے اور درست بھی ہے۔ اس پر جھگڑنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ اس وقت کے حالات ہی کچھ ایسے تھے کہ ان میں اسی بات کی توقع کرنی چاہئے اس طرح کی فتح سپاہیوں کی ایسی نسل ہی کو نصیب ہو سکتی تھی جن کی ہمتوں کو دینی جوش نے بلند کر دیا تھا اور جن کے وقت کا بڑا حصہ لڑائیوں اور عبادتوں میں بیٹا ہوا تھا اس کے سوا یہ لوگ شہروں میں رہنے والے لوگ نہ تھے بلکہ خانہ بدوش بدوی تھے اور جب انہیں میدان کارزار سے فرصت ملی اور انہوں نے حکومت کا کاروبار سنبھالا تب بھی تعمیری صنعتوں میں انہیں ناگزیر طور پر مقامی صنایعوں ہی سے یا (اور یہ اہم بات ہے) ایسے صنایعوں سے جو ایک مفتوحہ ملک سے دوسرے مفتوحہ ملک میں در آمد کیے گئے تھے، کام لینا پڑا۔ اس طرح یہ معلوم ہے کہ آرمینیا کے سنگ ساز نہ صرف مصر میں بلکہ اچمن میں

میں کام پر لگائے گئے تھے۔ یہی نہیں بلکہ غالباً اسی ملک کے سنگ سازوں سے فرانس میں نویں صدی کے گھساہر بھی دس پرس (Germigny - des Pres) کی تعمیر میں کام لیا گیا تھا جس میں بہت سی اسلامی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔<sup>۱</sup>

عج کے ابتدائی سالوں میں تعمیر کاری سے عربوں کی ممکنہ تاواقیت کے باوجود اسلامی فن تعمیر کے بارے میں یہ حقیقت بہت نمایاں اور ناقابل انکار دکھائی دیتی ہے کہ اس نے تمام ملکوں میں اور تمام صوبوں میں اپنی واضح انفر اویٹ کو برقرار رکھا اگرچہ اس کے ماخذ ایک دوسرے سے بہت مختلف تھے اس میں کچھ ایسی بات پائی جاتی تھی جو صناعی کی مقامی مکاتیب کے کام سے جو فنی طور پر اس کو عالم وجود میں لانے کا باعث ہوتا تھا، اسے امتیاز بخشی تھی۔

اپنی انفر اوی خصوصیت رکھنے والی ایک دوسرے سے مختلف بے شمار طرزوں کی تعمیر کاریوں کو ایک دوسرے میں کھپانے اور انہیں گھلا ملا کر ایک طرز ایجاد کرنے والا عامل غالباً دین اسلام تھا کیونکہ عربوں نے اپنے ابتدائی دنوں میں جو عمارتیں بنائیں وہ بڑی حد تک مسجدیں اور محل تھے اور بعد کی صدیوں کا بہت سا اہم تعمیری کام مسجدوں اور دوسری مذہبی عمارتوں پر مشتمل رہا جیسے مدرسے اور خانقاہیں جن کے ساتھ مسجدیں بھی ہوتی تھیں، عربوں کی مخصوص اور اہم ترین عمارت مسجد تھی۔ مختلف مقامات کے لحاظ سے اس کی شکل و صورت میں تھوڑا بہت اختلاف ضرور پایا جاتا تھا لیکن اس کی اہم خصوصیات ہمیشہ برقرار رہتی تھیں۔ اس میں شک نہیں کہ مکہ میں اسلامی دنیا کے تمام حصوں سے آنے والے حاجیوں کے اجتماع نے مسجد کی شکل کو معیاری بنانے میں بڑا حصہ لیا ہے کیونکہ اپنے طویل صفر میں حاجی جن جن شہروں سے گزر تا وہاں کی مقامی مسجدوں میں نماز ضرور ادا کرتا، اور اگر وہ کوئی تعمیر کار صناع یا معمار ہوتا تو ان کے نقشوں پر ضرور دھیان دیتا۔

۱۳۲۲ء میں محمد بن عبدینہ میں جو اولین مسجد بنوائی وہی بعد کی تمام مسجدوں کے لیے نمونہ بنی۔ یہ عمارت ایک مربع احاطہ تھی اور اسے اینٹ اور پتھر کی دیواروں سے گھیرا گیا تھا۔ اس کا کچھ حصہ غالباً شبلی حصہ تھا، اور جہاں رسول اللہ نماز کی قیادت فرماتے تھے، مسقف تھا یہ جہت غالباً کجور کی شبلیوں کے ہوتے تھے ان پر مٹی ڈالی جاتی تھی اور انہیں کجور کے تنوں سے سہارا دیا جاتا

تھا۔ نمازیوں کی جماعت شمال کی طرف منہ کر کے صلیب المقدس کے حشرک شریکیت میں مسجد رہتی رہتی تھی اور اس قبلہ گاہ کی کسی نہ کسی طرح نظیر ہی کی گئی تھی۔ ۱۳۳۷ء میں نماز کی سمت یہ مسجد المقدس کی جگہ مکہ کی طرف پھیر دی گئی یعنی سمت (مدینہ کی صورت میں) شمال سے جنوب ہو گئی۔ ایسی ابتدائی عمارت کے لیے کہیں اور سے تعمیری خصوصیات کے مستعار لینے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ اس کے لیے کسی قسم کی تعمیری خصوصیات سرے سے درکار ہی نہ تھیں۔

اس کے بعد دوسری مسجد عراق (مسوچیہ) کے علاقے میں بمقام کوثر ۱۳۳۹ء کے لگ بھگ تعمیر ہوئی۔ اس کا چھت مرمر کے ستونوں پر اٹھایا گیا۔ یہ ستون حجرہ میں ایرانی بادشاہوں کے ایک پچھلے محل سے لائے گئے تھے۔ یہ مسجد بھی مربع تھی۔ لیکن اسے دیوار کی جگہ خندق سے گھیرا گیا تھا۔ ایک چھوٹی سی مسجد عمر ابن عامر نے فسطاط (قاہرہ) میں ۱۳۳۲ء کے لگ بھگ تعمیر کرائی تھی۔ اس کا نقشہ بھی مربع تھا اور کہتے ہیں کہ اس میں محسن نہ تھا۔ اس میں ایک نیا عنصر بھی داخل کیا گیا تھا۔ یہ ایک اونچا سا منبر تھا۔ پھر چند سالوں کے بعد امام کو جمع سے محفوظ رکھنے کے لیے مقصورہ بنایا گیا۔ کہتے ہیں بیسویں صدی کے ختم پر نمودار ہوئے۔ اور قبلہ نما محراب اس کے کچھ دنوں بعد نمودار ہوئے، اس طرح نو دس سالوں کے اندر اندر مدینہ کی پہلی مسجد کی عمارت سے جامع مسجد کی تمام لازمی خصوصیات نے ارتقا پایا۔ جزئی اضافے ایوانات (واحد ایوان) تھے یہ ایوانات سایہ دار دالان اور چھتے تھے جو محسن کو گھیرے ہوئے تھے اور لوگوں کو دھوپ سے بچاتے اور وضو کے لیے سہولت بخشتے تھے۔ اس مختصر سی فہرست میں تمام عہدوں کی مسجد کے دینی فرائض کے لوازم آگئے ہیں۔

جن عمارتوں کا اوپر ذکر ہوا ان میں سے اب ایک بھی اپنی اصلی شکل و صورت پر قائم نہیں۔ اب تو مسلسل تبدیلیوں کی وجہ سے ان کے نقشے تک بدل گئے ہیں لیکن نقشہ ہی اصل چیز ہے کیونکہ ابتدائی مسجد مشکل سے عمارت کہلا سکتی تھی اور جن معنی میں ہم تعمیری کام بولتے ہیں اس کا اطلاق تو کسی طرح بھی اس پر نہ ہوتا تھا تاہم ایم۔ فالنگ۔ برچم کا خیال ہے کہ اس ابتدائی مسجد کے نقشے کی اصل بھی ابتدائی نصرانی کلیسا ہی نے سمجھائی تھی اس کا محسن رومی عمارتوں کے وسطی بے چھت محسن سے لیا گیا، مرکزی ایوان کلیسا کی اصل عمارت سے لیا گیا، مقصورہ کلیسا کے مشرقی حصے

ایک لڑکی، جہاں پوری کھڑا ہوتا ہے اور جس کے گرد گھبراہٹ بھی ہوتا ہے اور محراب گر جاتی نیم  
اتنی جتن سے لی گئی ہے اور جہاں کیسا کے جہاں سے لیا گیا ہے لیکن مشکل ہی سے یہ خیال ضروری یا  
دور سے معلوم ہوتا ہے جب تک عربوں نے اس مذہبی احاطے یا پتہ گاہ کو فن تعمیر کا نمونہ نہیں بنایا  
اس وقت تک اس کے ماخذوں کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

سودی سیدھی احتیاج سے لے کر شان و شکوہ کے حصول تک کا عبوری دور بہت گریز پار ہا۔  
دین اسلام کی سخت گیری اور اس کے بہت سے پیرروں کی سخت کوشش مجاہدانہ زندگی کو پیش نظر  
رکھے تو یہ سرعت حیرت انگیز معلوم ہوتی ہے۔ حضرت محمد ﷺ کی وفات کے بیس سال کے  
اندر ہی مدینہ میں خود آپ کی مسجد دیواروں اور گھڑے ہوئے چھروں کے پایوں کے ساتھ نئے  
سرے سے تعمیر کی گئی اور ساتویں صدی کے آخری سالوں میں بیت المقدس میں حضرت عمرؓ کے  
۱۳۳ھ میں شہر کی فتح کے بعد بنوائی ہوئی معمولی سی مسجد کے قریب (قبة الصخراء) کی شاندار  
عمارت تعمیر کی گئی۔ اس عمارت کا حجم اثر آفریں تھا۔ یہ یادگاری قسم کی عمارت تھی اور اسے خوب  
ہی سہلایا گیا تھا بس یہیں سے ہم اس شدید اختلافات کے چکر میں پڑ جاتے ہیں جو اسلامی فن تعمیر  
کے ماخذ کے بارے میں اب تک چلا آ رہا ہے۔ (جاری ہے)



سر سید کی والدہ بہت ہی صابر و شاکر، عبادت گزار اور ہر حال میں راضی بہ رضائے الہی رہنے والی خاتون  
تھیں۔ سر سید نے ان کا ایک لائق تقلید و مثالی واقعہ بیان کیا ہے:

”میرے بڑے بھائی آگرہ میں منصف اور جوان المعمر تھے، ان کے مرض الموت میں والدہ ہر وقت ان  
کے پاس بیٹھی رہتی تھیں۔ ایک مہینے تک یہی حال رہا۔ جب ان کا انتقال ہو گیا تو سب لوگ گریہ و زاری کرنے  
لگے۔ والدہ کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری تھے۔ اتنے میں صبح کی نماز کا وقت ہو گیا۔ انہوں نے وضو کر کے نماز  
پڑھی اور اشراف تک مصلے پڑھی رہیں۔ انہی دنوں ایک رشتہ دار کی بیٹی کی شادی ہونے والی تھی۔ تمام سالان  
شادی کا ہو چکا تھا۔ صرف پانچ دن عہد میں باقی تھے۔ جب یہ حوالہ ہم پر گزرا تو ان لوگوں نے دستور کے مطابق  
شادی ملتوی کرنی چاہی۔ میری والدہ نے جب یہ سنا تو اس واقعے کے تیسرے دن ان کے گھر گئیں اور کہا ”میں  
شادی میں آئی ہوں۔ اُمّ تین دن سے زیادہ نہیں ہوتا۔ اور شادی کے ملتوی کرنے سے تمہارا بڑا نقصان ہوگا۔ جو  
خدا کو منظور تھا وہ ہو چکا۔ تم شادی کو ہرگز ملتوی مت کرو جب کہ میں خود تمہارے گھر آئی ہوں اور شادی کی اجازت

دیتی ہوں، تو اور کیا کر سکتی تھیں۔“

# ادبیات

## غزل

از جناب استاد الشعر المفتی امیر احمد صریر

کیا ہے خیرہ نظر کو اپنی بھال انور دکھا دکھا کر!  
 بتلایا بیخود ہمیں کسی نے شراب وحدت پلا پلا کر  
 وہ اپنی حکمت کو آپ جانے وہ اپنے رازوں کو آپ سمجھے!!  
 فنا کا ساغر پلایا ہم کو مزے بقا کے چکھا چکھا کر  
 یقین کہتا ہے ہم سے اپنا وہ بن گئے ہیں وہ سنور گئے ہیں  
 جو راہ مولیٰ میں مٹ گئے ہیں گھروں کو اپنے لٹا لٹا کر  
 کہیں وہ رنگ چمن بنے ہیں کہیں وہ فنجوں میں بس گئے ہیں  
 کیا ہے عاشق جہاں کو اپنا عجب کرشمے دکھا دکھا کر  
 صبا دینے تو مجھ کو لے چل کہوں گا آقا سے اپنے رو کر!!  
 فلک نے مارا ہے آہ مجھ کو جہانیں در در پھرا پھرا کر  
 انہیں کے عاشق میں عرش والے انہیں کے شیدا میں فرش والے  
 جنہیں سلاتی تھیں روز حوریں جہانیں جمولا جمولا جھلا کر  
 جہانیں آکر صریر ہم نے عجب قدرت کا کھیل دیکھا!  
 ہزاروں پتلے بگاڑ ڈالے ہیں اس نے دم میں بنا بنا کر



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سرپرست اعلیٰ ندوۃ المصنفین دہلی

عالمیہ کتب خانہ عبدالحمد صاحب چائے سڑک جامعہ ہمدردی دہلی و علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

مجلس ادارت اعزازی

سید اقدار حسین  
ڈاکٹر معین الدین بٹالوی  
محمود سعید بلالی  
ڈاکٹر جہر قاضی

برقہان

نگران اعلیٰ

حضرت مولانا حکیم محمد زماں حسینی

شمارہ: ۳

مارچ ۱۹۹۸ء

جلد: ۱۲۲

تفصیل

شمارے

۱

- \* نظرات ..... عمید الرحمن عثمانی ۲
- \* مغربی فن تعمیر پر اسلامی فن تعمیر کے اثرات (دوسری قسط)
- ۶ ..... (ترجمہ: جناب سید مبارز الدین صاحب رفعت ایم۔ اے)
- \* زمینداری اور جاگیر داری کا تاریخی پس منظر (تیسری قسط)
- ۱۳ ..... جناب مولوی تقی الدین صاحب بہاری
- \* میرزا جلال اسیر اصفہانی
- ۱۵ ..... ڈاکٹر وجیبہ الدین بڑودہ، گجرات
- \* اسلامی اداراتی اور مناصب مفتی ..... ایک تحقیقی مطالعہ (چوتھی قسط)
- ۲۵ ..... ڈاکٹر نور احمد شاہباز (کراچی یونیورسٹی)
- \* وفیات ..... ۳۱

جملہ خط و کتابت اور ترسیل زر کا پیسہ

منشیجرباننامہ برقہان

4136 - اردو بازار جامع مسجد دہلی - 110006 \* فون نمبر 3262815

زیر تعاون

فی پرچہ: ۶ روپے

سالانہ: ۷۲ روپے

کمپیوٹر کتابت

CREATIVE VISION

عمید الرحمن عثمانی ایڈیٹر برائے جلد شریعت خواجہ پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر برقہان اردو بازار جامع مسجد دہلی سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# نظرات

۱۹۹۸ء کے پارلیمنٹری انتخابات کے نتائج سامنے آنے کے بعد ہندوستان کی زمام اقتدار بھارتیہ جنتا پارٹی کی قیادت میں ۱۸ جماعتوں کے متحدہ محاذ مورچے نے سنبھال لی ہے اور بھارتیہ جنتا پارٹی کے بانی ممبر جناب اٹل بھاری واہینی ہندوستان کے وزیراعظم منتخب ہو گئے ہیں۔ بھارتیہ جنتا پارٹی سابق جن سنگھ ایک عرصہ سے مرکزی حکومت حاصل کرنے کے لیے کوشاں تھی، اس کے لیے اس نے بہت جوش و تڑپ کیے۔ ۱۹۷۷ء میں اندرا گاندھی کی ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے ملک میں ایمر جنسی کے نفاذ کے بعد کانگریس مخالف جماعتوں کو جن سنگھ نے کمال ہوشیاری کے ساتھ ایک جگہ جمع کر کے کانگریس کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے کا بظاہر نہ سمجھ میں آنے والا پلان تشکیل دیا اور پھر جن سنگھ کو ختم کر کے جنتا پارٹی کے نام سے ایک جماعت قائم کی گئی جس میں تمام مخالف کانگریس جماعتوں کو اپنے عقیدہ وجود کو ختم کر کے اس میں شامل ہونے کی ترغیب و تحریک کی گئی۔ جس میں اسے اس قدر کامیابی ملی کہ کیونسٹ پارٹی تک جنتا پارٹی کی حمایت کرنے پر خوشی خوشی تیار ہو گئی۔ اور ۱۹۷۷ء میں جب اندرا گاندھی نے ایمر جنسی کے دوران میں الیکشن کرانے کا اعلان کیا تو ہندوستان کے عوام کو کانگریس کا اس قدر مخالف بنادیا گیا کہ عوام نے انتخاب میں جنتا پارٹی کو بھاری اکثریت سے کامیاب کر دیا کہ مرکز میں اس کی حکومت قائم ہو گئی۔ اس انتخاب کی یہ خصوصیت تھی کہ اندرا گاندھی وزیراعظم ہوتے ہوئے بھی حزب اختلاف کے ایک بڑے بولے وزیراعظم راجن رائے کے مقابلے شکست سے دوچار ہو گئیں۔ اس وقت ہندوستان ہی میں نہیں پوری دنیا میں ہندوستان کی پارلیمنٹ کے انتخاب کے نتیجہ کو حیرت کی نظر



جس کے بعد ایک ہی چار ماہ تک کے ساتھ جن سنگھ نے جنتا پارٹی میں اپنا دوبارہ قایم رکھا اور مستقبل کے حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے اس نے اپنی قربانی کی اس وقت کی کہ سب سے زیادہ سبب ہونے کے بعد حکومت عملی ہوا اپنے آدمی کو غصانے کے بجائے مراد میں لپائی کو بیٹھنے دیا۔ مگر اس نے اس کے بعد وزارت کے دیگر اہم قلمدان اپنے ہی لوگوں میں تقسیم کرائے۔ اندر ہی اندر کیا ہوتا رہا یہ تو خدا ہی جانتا ہے مگر ظاہر تو یہ سمجھ میں آیا کہ جن سنگھ نے اس وقت کو نظر انداز کر کے مستقبل کے حالات پر اپنے شمار میں مستقبل کی تعمیر کا پلان بنایا ہوا تھا۔ کچھ ہی عرصہ بعد جنتا پارٹی میں اس بنیاد پر بغاوت ہو گئی کہ آر آر ایس حکومت کے کاموں میں قتل ہے چنانچہ چودھری چرن سنگھ اور راج فرائن نے اس وقت اعلان کیا کہ جنتا پارٹی میں دو غلطی مہر شپ یاد دہری و قادیاری نہیں چلے گی۔ ایک طرف آر آر ایس سے وفاداری ہے تو دوسری طرف جنتا پارٹی میں بھی کوئی وفاداری کی بات کرے تو یہ بات برداشت سے باہر ہے۔ چرن سنگھ نے اس وقت کانگریس سے حمایت لے کر جنتا پارٹی کی حکومت گرا کر اپنی قیادت میں حکومت تشکیل کی جو پارلیمنٹ کا سامنا کیے بغیر ہی چار ماہ سے زیادہ مدت بھی پوری نہیں کر پائی اور پارلیمنٹ کے نئے انتخابات کا اعلان کیا گیا۔ چرن سنگھ مگر اس حکومت کے وزیر اعظم رہے۔ جن سنگھ کے جو ممبران وقتی طور پر جنتا پارٹی میں شامل تھے انہوں نے صرف پارٹی کا نام بدلاتا تھا اپنے خیالات اور اپنی تخصیص کا کبھی خاتمہ نہیں کیا تھا۔ لیکن اپنے دل و دماغ پر جبر کر کے اور مستقبل کے حالات کو سمجھنے کے مقصد سے اسی جنتا پارٹی کے تحت الیکشن لڑا جس میں سے چرن سنگھ گروپ بغاوت کر کے الگ ہو چکا تھا۔ مگر الیکشن کے نتائج نے یہ بات عیاں کر دی کہ اب جنتا پارٹی کے ساتھ عوام کی نظروں میں مگر بچی ہے۔ کانگریس دوبارہ برسر اقتدار آگئی اور اندرا گاندھی دوبارہ ملک کی وزیر اعظم بن گئیں۔ جن سنگھ کے ممبران نے اب اپنی الگ پہچان کو دوبارہ بنانے کی کوشش کی، جنتا پارٹی سے اسے جتنا کام لینا تھا وہ اس نے لے لیا۔ اب اس کی کوئی ضرورت نہ تھی جن سنگھ ختم ہو چکی تھی چنانچہ انہوں نے الیکشن کے بعد بھارتیہ جنتا پارٹی کے نام سے ایک علیحدہ جماعت کا اعلان کیا اور اس کے جھنڈے کے نیچے وہ سارے جن سنگھی اکٹھے ہو گئے جو جنتا پارٹی میں موجود تھے۔ بھارتیہ جنتا پارٹی نے ۱۹۸۳ء کا پارلیمنٹری انتخاب لڑا اور اس میں چونکہ اندرا گاندھی کے قتل کی وجہ سے عوام میں کانگریس کے تئیں ہمدردی کی لہر تھی اور پھر نوجوان قائد راہیو گاندھی کی قیادت میں ملک کو آگے بڑھانے کا خواب ان کے دل میں سوچیں مار رہا تھا اس لیے کانگریس کو عوام نے بہت زبردست اکثریت سے ختم کیا اور بھارتیہ جنتا پارٹی کو پورے

ہندوستان میں معروف اور معروف اسی شخصیت تھیں۔ یعنی ۱۹۷۹ء میں جنتا پارٹی کے بسترے جس سنگھ کے ۹۵ ممبر منتخب ہوئے پھر ۱۹۸۰ء کے انتخابات میں پارلیمنٹ کی دس نشستیں نصیب ہوئیں۔ ان کی پیش قدمی نے سابق قتل سنگھ کے کساد مہم کاؤں کو ہمدرد و مستعد نگہ دیا۔ انہوں نے اپنی ان کا میڈل کو چیلنج سمجھا اور پھر وہ معروف ہو گئے۔ ان کانگریس مخالف سیکولر جماعت کے ممبران کو اکٹھا کرنے میں۔ اور پھر وی پی سنگھ کو وزارت عظمیٰ کی کرسی چاہنا پھر ۱۹۸۹ء میں آئندہ کے لیے مرکزی حکومت پر چیلنج کے لیے جگہ بھی تیار کری اور اس کے لیے فضا اور زمین بھی۔ سیکولر نام کی جاپ کرنے کے لیے خواب غفلت میں صرف وقتی کرسی پر بیٹھنے ہی میں اپنی شان دو ہلا کیے بیٹھے رہے۔ اور یہ لوگ مستقبل کے لیے راہ ہموار کرنے میں جتنے رہے۔ ہندوستان کے عوام کے جذبات و خیالات کے پیش نظر کتنے ہی پروگرام ترتیب دیئے اور انہیں بر روئے کار لائے۔ باری مسجد کا اہم نام اور رام مندر کی تعمیر کی تحریک اسی ایک پروگرام کی کڑی تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۹۶ء میں بھارتیہ جنتا پارٹی پارلیمنٹری انتخابات میں سب سے بڑی جماعت بن کر ابھری اور اب ۱۹۹۸ء کے پارلیمنٹری انتخاب میں بھارتیہ جنتا پارٹی اپنے جوڑ توڑ اور ٹھنڈی کے ساتھ اس پوزیشن میں آگئی کہ بڑی شان کے ساتھ مرکزی حکومت پر قابض ہو گئی اور اس کے سب سے بڑے و اہم ستون لیڈر اٹل بھاری و اچئی ہندوستان کے وزیر اعظم منتخب ہو گئے۔ ۱۹۷۷ء میں کانگریس مخالف لیڈروں کو اکٹھا کر کے اس نے مرکزی حکومت کو بنوائی مگر اپنا وزیر اعظم کسی مصلحت سے نہ بنایا۔ مگر ۱۹۹۸ء میں اس نے ایسا جال بٹا کہ اپنے آپ ہی وزارت عظمیٰ کی کرسی اس کے پاس آگئی۔ اسے کہتے ہیں کمال ہوشیاری، چابکدستی اور دور اندیشی۔

سیکولر نام کی مالا چپنے والے سب منہ تاکتے رہ گئے اور اپنی اپنی ذہنی بجائے میں پھر مشغول ہو گئے ہیں۔ آنے والا وقت شاید ان کے لیے ایسا دکھائی دے رہا ہے کہ ہندوستان کے نقشے پر ان کا وجود ہی باقی نہ رہے گا اور بھارتیہ جنتا پارٹی آج کچھ پارٹیوں کو ساتھ لے کر چلنے پر مجبور ہے تو کل وہ کسی بھی پارٹی کے بغیر ہندوستان کی مرکزی حکومت پر اکیلے ہی قابض دکھائی دے گی۔ یہ ہمارا یقین بھرا اندازہ ہے۔

ہندوستان کی سیاست کے ماہرین کا خیال ہے کہ بھارتیہ جنتا پارٹی نے ایک راشٹر ایجنڈا تشکیل دے کر حکومت چلانے کا جو پروگرام بنایا ہے اور جس میں اس نے اپنے بنیادی مقاصد جیسے دفعہ ۷۰ سکاخاتمہ، یکساں سول کوڈ اور باری مسجد کی جگہ رام مندر تعمیر کرنے سے جو پہلو ترقی اختیار کی ہے وہ دور اندیشانہ

حکومت کا نقطہ ہے اسے اپنے مذکورہ بالا پروگرام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے ابھی اور پارٹینے  
 چاہیے کہ اور مگر اس میں انہیں اپنی طرف سے کچھ قربانی بھی دینی پڑے گی تو اس سے وہ دریغ نہ کریں  
 گے۔ مگر سیکورٹام کی مالاچنے والے تو صرف کری نہ ملنے سے مایوس ہو کر بیٹھ جائیں گے۔ ان کے لیے  
 انتخاب آگے کے راستے بند ہی ہو جائیں گے ایسا ہمارا خیال ہے۔

کانگریس اپنے اصولوں سے کس قدر ہٹ چکی ہے اور اس کا سیکورٹام کا حصول یا نعرہ صرف اقتدار کی  
 کرسی جتھیلانے کا زینہ ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے اور اسی لیے کانگریس کی شکست سے کانگریس کے  
 قدیم چاہنے والوں کو کوئی ملال نہیں ہے۔ جو اقتدار کا بھوکا ہوتا ہے یا جو مفاد پرست ہوتا ہے اس کی  
 شکست سے کسی اور کو کیا لینا دینا ہے کوئی دریغ کرے تو کیوں...

اب راجیو گاندھی کی بیوہ شریمتی سونیا گاندھی کانگریس میں نئی جان پھونکنے کے لیے کانگریس کی  
 صدارت کی کرسی پر بیٹھی ہیں تو اس سے اب ہمیں نہ کوئی خوشی ہے اور نہ ہی غم۔ جب کانگریس کے پاس  
 سے اپنے بنیادی اصول ہی رخصت ہو چکے ہیں تو پھر کسی دوسرے کے لیے کانگریس کی کشش ختم ہو گئی  
 ہے۔ اب کانگریس کتنے دن زندہ رہے گی یا وہ پھر ہندوستان کی سیاست کے نقشے پر چھائے گی ایسے کسی  
 سوال وجواب کی اہمیت ان ہی لوگوں کے لیے اہمیت کا باعث ہو سکتی ہے جو اقتدار کے متلاشی ہیں۔  
 جنہیں اصول دل و جان سے عزیز ہیں ان کے لیے بنیادی اصولوں سے مبرا کانگریس سے کوئی دلچسپی باقی  
 نہیں رہی ہے۔ اس لیے ہمارے نزدیک اس بات کی اب کوئی اہمیت نہیں ہے کہ شریمتی سونیا گاندھی  
 انڈین نیشنل کانگریس کی صدر منتخب ہو گئی ہیں۔

خدا کرے جناب اٹل بھاری واچینی کی وزارت عظمیٰ کے زیر سایہ بھارتیہ جنتا پارٹی اور اس کی حلیف  
 پارٹیوں کی مرکزی حکومت ہندوستان سے بیروں گاری بدعنوانیوں اور رشوت خوری کے خاتمہ کے  
 لیے کچھ کر سکے۔ غریبی دور ہو، ہر شخص اطمینان اور سکون کے ساتھ ہندوستان میں جی سکے اسی بات کی  
 دل سے دعا نکل رہی ہے۔ بار بار انتخابات سے عوام پر جو مالی بوجھ پڑ رہا ہے وہ دور ہو۔ یہ حکومت بڑی یا  
 بھلی جیسی بھی ہو پانچ سال تک اپنی پوری مدت طے کرے۔ ایسی ہماری خواہش ہے۔ اسی کے ساتھ ہم  
 ہندوستان کے نئے وزیر اعظم اٹل بھاری واچینی کا خیر مقدم کرتے ہیں اور ان کے لیے نیک خواہشات کا  
 اظہار کرتے ہیں۔

# مغربی فنِ تعمیر

## اسلامی فنِ تعمیر

### کے اثرات

از مارٹن۔ ایس۔ برکس

ترجمہ: جناب سید مہارز الدین صاحب رفعت ایم اے

قبۃ الصخرہ پتھر کی ایک وسیع عمارت تھی درحقیقت یہ ایک مشہد (جائے شہادت) تھا، جس میں زائرین اس چٹان کا طواف کرتے تھے جس کے بارے میں یہ عقیدہ ہے کہ حضرت محمد اسی کے اوپر سے اپنے آسمانی سفر معراج کے لیے روانہ ہوئے تھے۔ علاوہ ازیں یہ عمارت بالکل منفرد رہی اور کم سے کم چار صدیوں تک محن کے ساتھ جامع مسجد کے عام مربع نقشے میں کسی طرح کی کوئی اہم تبدیلی کی کوشش نہیں کی گئی۔ اس لیے یہ فرض کر لیا گیا اور بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ فرض کر لیا گیا کہ قبۃ الصخرہ محض رومی یا بازنطینی قسم کی عمارت ہے، بت پرستوں یا نصرانیوں کی بنائی ہوئی اس سے پہلے کی عمارتوں کی نقل ہے، اسے شروع سے آخر تک نصرانی معماروں نے بنایا ہے، اس لیے یہ ایک دوسرے فن تعمیر کا کارنامہ ہے اور عرب آرٹ کے اصل دھارے سے بالکل الگ کھڑا ہے۔ اس نقطہ نظر میں ایک حد تک صداقت ضرور پائی جاتی ہے اور بظاہر اس میں کچھ معقولیت بھی نظر آتی ہے،

تھیں۔ اسے اپنی حد سے آگے نہیں بڑھانا چاہیے۔

مصلحتاً دونوں والی اس قسم کی مقدور عمارت کے بنانے میں عربوں کے سامنے ایک قطعی مقصد موجود تھا۔ وہ بیت المقدس کی 'مقدس چٹان' (حرا) پر جو یہودیوں اور مسلمانوں دونوں کے نزدیک ایک مقدس چیز تھی، ایک پر شکوہ عمارت بنانا چاہتے تھے اور وہ ایک ایسی عمارت تعمیر کرنا چاہتے تھے جو اس سے قریب ہی بنے ہوئے ضریح مسیح کے مشہور کلیسا کی حریف ہو اور شان و شکوہ میں اس پر سبقت لے جائے۔ یہ نیا مشہد اس وسیع چٹانی سطح مرتفع کے وسطی حصے میں جو 'حرم شریف' کہلاتا تھا، ایک بڑا سا چوترہ یا کرسی دے کر بنایا گیا۔ (اس کی سیدھ میں نقشہ کے مرکزی محور پر اس سے پہلے سے ایک مسجد بنی ہوئی تھی جو مسجد اقصی کہلاتی تھی یہ ایک قدیم عمارت تھی۔ اس کی تاریخ اتنی مبہم اور پیچیدہ ہے کہ اس کا یہاں بیان کرنا لا حاصل ہے اپنی عبادت گاہ کی نمایاں خصوصیت کے طور پر گنبد یا زیادہ صحیح معنوں میں، حلقہ نما مدور ہال کا انتخاب کر کے عربوں نے بڑی دلالتی کا ثبوت دیا۔ یہ صحیح ہے کہ اسی طرح گنبد کو کسی مقبرے یا کسی مقدس مقام کی چھت کے طور پر اس کے سب سے اونچے اور پوری عمارت کو قابو میں رکھنے والے عنصر کی حیثیت سے عربوں سے پہلے رومی اور بازنطینی دونوں استعمال کر چکے تھے لیکن یہی قومیں کراہت پر گنبد بنانے والی ایسی قومیں نہ تھیں۔ اسٹرازون گودسکی، جو ایرانی تصورات کے بڑے مداح ہیں، کہتے ہیں کہ گنبد کی مشرقی طرز کی ابتداء ایشائے کوچک یا مشرق بعید میں ہوئی، یہی طرز آرمینیا کے ذریعہ بازنطینیوں کے ہاتھ آئی، اور پھر ان سے بلقان کے علاقوں اور یونانی کلیسا کی سرپرستی میں روس میں پھیلی۔ اس طرح اگرچہ عربوں نے یہاں پہلی بار گنبد استعمال کیا لیکن وہ ایک ایسی چیز اختیار کر رہے تھے جو نہ تو بالکل یہودیوں کی تھی اور نہ ہی بالکل رومیوں کی تھی۔ غالباً انہوں نے مشہور ریمینہ القیامتہ (Anestasio) کے گنبد کی نقل کی تھی جو اس سے قریب ہی تھا، اور ٹھیک ٹھیک اس کے حجم کا تھا۔ یقیناً شام اور آرمینیا میں گنبد والے کلیسا ساتویں صدی سے بہت پہلے سے موجود تھے اور قبۃ الصخرہ قسم کے کلیسا یعنی ایک مٹھن کے اندر مدور ہال والے کلیسا فلسطین میں پہلے سے موجود تھے۔ باقی چیزوں میں دیواریں ٹھوس پتھر کی ہیں، اندرونی چھتوں اور در پچوں کے موکھوں کی کمانیں نیم قوسی ہیں اور دونوں چھتوں میں جتنے

ستون استعمال ہوئے ہیں ان میں سے صرف دو قدیم زمانے کے ہیں اور بہت پرستوں یا نصرانیوں کی پچھلی عمارتوں سے لیے گئے ہیں۔ ان طرح ان ستونوں کے دھرے اور نہ ہی ان کے سرستون طرز میں ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہیں کمانوں کی جست کے اطراف زبردست چوبی شہتیروں کے جوڑ دیئے گئے ہیں۔ یہ جوڑ غالباً زلزلوں کے جھکوں کا مقابلہ کرنے کے لیے دیئے گئے ہیں جو اس علاقے میں عام ہیں یا پھر اس لیے دیئے گئے ہیں کہ معماروں کو محض کمانوں پر بھروسہ نہ تھا۔ ایسی ہی حفاظتی تدبیریں بازنطینی عمارتوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ خود گنبد دہرا ہے اور پورے کا پورا لکڑی سے بنایا گیا ہے باہر کی طرف اس پر سیسہ اور اندر کی طرف منقوش اور رنگین پلاستر چڑھایا گیا ہے۔ لیکن یہ قدیم اصلی حصہ نہیں ہے۔ چکی کاری کا بیشتر کام اصلی ہے۔ لیکن باقی تزئینی کام کا بیشتر حصہ بعد کے زمانے کا ہے۔ اس طرح ہم قبۃ الصخراء میں یہ دیکھتے ہیں کہ گنبدی نقشہ، نیم قوسی کمانوں کا استعمال، چوبی جوڑ، اور غالباً چکی کاری نئی جدتیں ہیں۔ نیم قوسی کمان قطعی طور پر عربوں کی ایجاد نہ تھی، چوبی جوڑوں کی اصل مشتبہ ہے، اور چکی کاری کا قدیم ترین استعمال اسلام سے پہلے کی چیز ہے۔

قبۃ الصخراء کے بعد تریب زمانی کے لحاظ سے دوسری اہم اسلامی عمارت دمشق کی جامع کبیر ہے جو آٹھویں صدی کے ابتدائی سالوں میں تعمیر ہوئی۔ اس کا صدر ایوان یا حرم ایک شاندار کمرہ سا ہے۔ جس میں اسے صحن سے الگ کرنے والی کمانوں کے اندر دروازے یا جالیاں بنی ہوئی ہیں۔ صحن کی باقی تین ستونوں کو بھی چھتے دار برآمدے گھیرے ہوئے ہیں۔ صدر دالان کے ساتھ تین بغلی دالان ہیں، عرضی حصے کے ختم پر یعنی صدر دالان کی شمالی دیوار کے وسط میں محراب ہے جو قبلہ یا سمت کعبہ کی نشاندہی کر رہی ہے۔ مرکزی صحن کو گھیری ہوئی کچھ کمانیں پایوں پر اور کچھ کمانیں ستونوں پر اٹھائی گئی ہیں۔ یہ کمانیں گھڑنعلی شکل کی ہیں۔ کمانوں کی یہی گھڑنعلی شکل آگے چل کر مغربی اسلامی فن تعمیر کی خصوصیت بننے والی تھی جس کے اسباب کچھ زیادہ واضح نہیں ہیں۔ مگر گھڑنعلی کمان مدوہ یا سرے پر نوکدار ہوتی ہے لیکن بہر صورت اس کا جماؤ جست کے خط کے نیچے ہی ہوتا ہے۔ دمشق میں مدوہ گھڑنعلی کمان استعمال کی گئی ہے صدر چھتے کے اوپر پورے صحن کے اطراف نیم

قوسی سرول ہائے درہے ہر کمان پر دودو کے حساب سے بنائے گئے ہیں جس رومی مسجد کے  
 نامے (TEMENOS) کے چار گوشوں کے اندر یہ مسجد بنائی گئی ہے اس کے ہر گوشے  
 پر ایک برج تھا ہوا تھا ان ہی برجوں کو عربوں نے میناروں کی طرح استعمال کیا۔ اب ان چار  
 برجوں میں سے صرف ایک برج (شمال مغربی گوشے پر) باقی رہ گیا ہے دوسرے مینار بعد  
 کے زمانے کے ہیں۔ عمارت کا اندرونی حصہ مرمر پچی کاری اور رنگین شیشوں کے بڑے  
 بڑے دریچوں سے سجایا گیا تھا۔ مسجد کے عام نقشوں سے اس مسجد کا نقشہ غالباً اس لیے الگ  
 ہے کہ یہ مسجد میں تبدیل کیے ہوئے شامی کلیساؤں سے متاثر ہے۔ کلیسا کی طرح اس میں  
 مرکزی حصے کا داخل کرنا اور حرم کے وسط میں گنبد کا بنانا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس سے  
 مقصود قبلہ کی اہمیت کو واضح کرنا تھا، اور یہ قبلہ نما تیسری ہزار ایک محراب کی صورت میں  
 بنایا گیا ہے۔ محراب ممکن ہے خود عربوں کی اپنی ایجاد ہے۔ دنیا کے ایک ایسے حصے میں جہاں  
 آنکھوں کی بیماریاں بہت عام ہیں، جیسا کہ ایک بوڑھے شیخ نے مجھ سے ایک بار کہا تھا،  
 محراب کو مجوف صورت میں اس لیے بنایا گیا کہ دیواروں کو چھو چھو کر اپنا راستہ ملے کرنے  
 والا اندھا آدمی فوراً اسے پہچان لے۔ یا ممکن ہے محراب نصرانی نیم قوسی طاق (Ajisc) سے  
 لی گئی ہو۔ گزرتی کمان قبل اسلام عمارتوں میں پائی گئی ہے جو پتھر میں تراشی گئی ہے لیکن  
 دمشق میں اس کا ظہور ان اولین مثالوں میں سے ایک ہے جہاں یہ حقیقی تعمیر مقصد کے  
 ساتھ استعمال ہوئی ہے۔ مینار کا مقصد بالکل واضح ہے۔ اس سے مؤذن کے لیے ایک ایسی  
 اونچی جگہ مہیا کرنا تھا جہاں سے وہ مومنوں کو نماز کے لیے بلا سکے۔ یہ صد اعبادت گزاروں  
 کو بلانے کے لیے لوہے کا ٹکڑا پیٹ کر آواز بلند کرنے (گھٹنے بجانے کی رسم شروع ہونے  
 سے پہلے) کی نصرانی رسم اور یہودیوں کے بوق بجانے کے رواج کے مقابل اور ادنا ایجاد کی  
 گئی ہے۔ اس مینار کے استعمال کی پہلی مثال دمشق میں نظر آتی ہے۔

قدیم ترین باقی ماندہ مینار تونس سے قریب قیروان کی جامع کبیر کا مینار ہے اور تاریخوں  
 میں لکھا ہے کہ یہ مینار خلیفہ ہشام (۷۲۴ء - ۷۴۳ء) کے عہد میں بنا ہے۔ یہ ایک  
 لمبر دست اور بھاری بھر کم عمارت ہے اور اوپر کی طرف قدرے گاؤم ہوتی گئی ہے۔ سب  
 سے اوپر گزرتی یا برجیاں بنائی گئی ہیں اس پر دو حنریس ہیں، جن میں سے ایک بعد کے عہد

کی ہے اگر یہ بھی درست ہو کہ دمشق کے چاروں طرف چار پہلے مینار تھے جو اس مقصد کے لیے استعمال ہوئے تب بھی قیروان کے مینار کی بالکل سیدھی سادگی سی عمارت کی دلیل کو شام یا کسی اور خاص مقام سے منسوب کرنے کی کوئی خاص وجہ نظر نہیں آتی یہ ایک مذہبی ضرورت کی ایک مثال ہے جو کسی بناؤ کے بغیر نہایت سیدھے سادے انداز میں پوری کی گئی ہے اس کے سوا قیروان کی مسجد جامع مسجد طرز کی ہے۔ اس میں اکثر رد و بدل ہوئے ہیں لیکن مجموعی حیثیت سے اس کی وہی صورت برقرار رکھی گئی جیسی کہ وہ نویں صدی کے آخر میں بنائی گئی تھی تونس کی جامع الزیتونیہ جو ۱۱۷۲ء میں بنی ہے جامع مسجد طرز کی ایک اور ابتدائی اور دلچسپ مثال ہے۔ یہ مسجد ایسے چھتوں سے بنائی گئی ہے جس کی کمائیں ناخوشگوار قسم کی ہیں اور ان کمائوں کو عہد قدیم کے ستون اٹھائے ہوئے ہیں۔ کمائوں کے سردلوں کے اوپر چوبی کندے یا پرکالے ہیں جو جوڑ دینے والی چوبی شہتروں سے مربوط ہیں۔ اس تدبیر نے بہت سی ابتدائی اسلامی عمارتوں کے حسن و خوبی کو متاثر کر دیا ہے۔ اسپین میں قرطبہ کی جامع مسجد ۱۱۷۲ء میں بنی شروع ہوئی وہ اسی سلسلے کی ایک عمارت ہے۔ اس کا رقبہ دسویں صدی میں پہلے رقبہ سے دُگنے سے بھی زیادہ کر دیا گیا۔ لیکن اس کی اصلی شکل اب بھی اس کی موجودہ عمارت کے بغور مطالعہ سے پہچانی جاسکتی ہے۔ یہ ایک جامع مسجد تھی اس کا حرم بہت گہرا بنایا گیا تھا۔ حرم میں گیارہ بغلی والان تھے جنہیں چھتے دے کر ایک دوسرے سے الگ کیا گیا تھا اور ہر چھتے میں بیس ستون تھے۔ یہ ستون مذکورہ بالا صورتوں کی طرح قدیم رومی عمارتوں سے حاصل کیے گئے تھے۔ حرم کے زبردست حجم کی وجہ سے اس کے لیے متوازن بلندی کی چھت بنانا ضروری ہو گیا تھا۔ حقیقت میں اس کے لیے اس سے بھی اونچی چھت بنانا ضروری ہو گیا تھا جتنی کہ قابل حصول معمولی ستونوں پر بنی ہوئی گھڑعلی کمائیں اٹھا سکتی تھیں۔ اس لیے کمائوں کا ایک اور سلسلہ بلند تر سطح پر بنایا گیا۔ اس کی وجہ سے ایک گنجلک اور مضطرب سا اثر پیدا ہو گیا۔ جو کچھ خوشگوار نہیں۔ اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ پہلے سے بنے ہوئے قدیم ستونوں کے استعمال نے قیروان اور قرطبہ دونوں جگہ چھتے کی صورت گری کو متعین کر دیا۔ اس کے برخلاف اگر یہاں اینٹ یا پتھر کے پائے استعمال کیے جاتے یا عمارت کے لیے خاص طور پر بنائے ہوئے بلند تر ستونوں سے کام لیا جاتا



تعمیر کار کے لیے اس ناخوشگوار صورت سے اپنا دامن بچالینا ممکن ہوتا۔ قریبہ کی پوری مسجد کو ایک اونچی پختہ دیوار سے گھیرا گیا تھا اور پورے مگن کے اطراف چھتے تھے۔

اب ہمیں عراق (موسومیا) کی طرف لوٹ چلنا چاہیے جہاں اینٹ چونے میں کئی صدیوں پہلے بنی گئی ہیں۔ مسجدوں کا یہ سلسلہ اس ملک کی روایتی طرز میں بنا ہے۔ اسی سلسلہ کے ایک سرے پر مدینہ کی اولین مسجد ہے اور آخر میں قاہرہ کی مشہور جامع ابن طولون ان دو مہائی مسجدوں کی مثالوں میں قابل لحاظ اخیر، رقبہ، ابودلف اور سامرہ کی مسجدیں ہیں۔ ان میں سے پہلی دو مسجدوں کے بارے میں اب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ آٹھویں صدی کے آخر کی ہیں اور آخر الذکر مسجدیں نویں صدی کے وسط کی ہیں۔ ان تمام مسجدوں میں ساسانی تعمیر کاری کی روایتیں پائی جاتی ہیں اور ان سب کو جامع مسجد کے نقشہ پر بنایا گیا ہے۔ اخیر کی مسجد جس کا حال بڑے دلکش انداز میں آں جہانی گروڈیل نے اپنی عالمانہ کتاب میں بیان کیا ہے۔ ہمارے لیے بڑی اہمیت رکھتی ہے کیونکہ یہیں کیلی کمان اپنی اولین صورت میں ملتی ہے۔ یہی کیلی کمان آگے چل کر مغربی گوتمک فن تعمیر کی نمایاں ترین خصوصیت بننے والی تھی۔ ساسانیوں کی مخصوص کمان نیم قوسی کمان ہے، لیکن کبھی کبھار کیلی کمانوں کے ابتدائی نمونے بھی نظر آجاتے ہیں۔ گمڑ فعلی کمانیں غالباً اس سے پہلے عراق (موسومیا) میں استعمال ہوئی ہیں۔ ایسی بہت سی کمانیں شامی کلیساؤں میں (مثلاً قصر ابن وردان کے کلیسا میں) موجود ہیں اور اطالیہ کے شہر چیوزی Chiusi میں تو واقعاً یونانی کمانوں کی ایک مثال دکھائی دیتی ہے۔ اخیر کی کمانیں بیضوی کیلی اور قدرے اونچے ستون دسے کر بنا کی گئی ہیں، سامرہ کے قریب ابودلف میں وہ خلیفہ اختیار کر لیا ہے جو بعد کے اسلامی فن تعمیر کی خصوصیت بن گئی اور یہی شکل آٹھویں صدی کے آخر تک عراق (موسومیا) میں کمانوں کی تمام شکلوں کی جگہ لینے لگی اس سے بہت پہلے کی کیلی کمانیں کہیں کہیں ہندوستان میں ٹھوس پتھر میں کئی ہوئی ملتی ہیں لیکن یہ پتھر میں کئی ہوئی ہیں اس لیے حقیقت میں وہ کمانیں بالکل نہیں ہیں۔ (جاری ہے)

تیسویں قسط

# زمینداری اور جاگیرداری کا

## تاریخی پس منظر

از جناب مولوی تقی الدین صاحب بہاری

### زمانہ خلافت کے اہل قطائع

ذیل میں چند ان لوگوں کے نام دیئے جاتے ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین نے قطائع دئے تھے۔

- (۱) رسول اللہ نے ابو بکرؓ کو قطعہ دیا تھا (الخراج لابیوسف)
- (۲) حضرت علقمہؓ کو حضر موت میں ایک زمین دی تھی (ترمذی)
- (۳) حضرت زبیرؓ کو زمین کا ایک بواحصہ دیا تھا (الخراج لابیوسف)
- (۴) حضرت بلال بن حارثؓ کو ”واوی عقیق“ عطا کیا تھا (الاموال)
- (۵) فرات بن حیان عجمیؓ کو ”یمامہ“ میں ایک زمین دی تھی (الاموال)
- (۶) یمامہ کے بعض دوسرے لوگوں کو بھی بنجر زمین دی تھی (الاموال)
- (۷) عبد اللہ بن مسعودؓ کو مدینہ میں مکان دیا تھا۔ (مشکوٰۃ)
- (۸) ابورافع کے خاندان کو بنجر زمین کا ایک بواحصہ دیا تھا (الخراج لابیوسف)
- (۹) انصار میں سے ایک شخص سلیط نامی کو زمین دی تھی (الاموال)

(۱) عبدالرحمن بن عوفؓ کو زمین دی تھی (مسند امام احمد)

عمر زمین کو قائلہ کاشت بنانے کے لئے رسول اللہؐ نے عام اعلان کر دیا تھا کہ زمین اللہ کی ہے اور انسان اللہ کے بندے ہیں جو شخص بھی بنجر زمین کو زیر کاشت لا سکتا ہے لائے وہ زمین اسی کی ملک ہوگی (نصب الراية والخراج لابن یوسف)

رسول اللہؐ کے بعد خلفاء راشدین نے بھی اس سلسلہ کو قائم رکھا اور متعدد صحابہ مثلاً سعد بن وقاصؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، نافع، خبابؓ، زبیرؓ، اسامہ بن زیدؓ، عمار بن یاسرؓ، سعد بن مالکؓ وغیرہ کو قطائع دیئے۔ اور عام اعلان کر دیا کہ جو شخص بھی بنجر زمین کو آباد کرے گا وہ اس کی ہو جائے گی (بخاری والاموال والخراجین)

زمانہ خلافت میں اس طرح بہت سی بنجر زمینیں لوگوں کے استعمال میں آگئی تھیں اس سلسلہ میں مزید سہولتوں کا پتہ حسب ذیل تصریحات سے چلتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے لہرہ کے گورنر ابو موسیٰؓ اشعریؓ کو ”قطائع“ کے بارے میں جو فرمان لکھا تھا اس کی دفعات یہ ہیں۔

(۱) ”قطائع“ دینے میں کسی کا نقصان نہ ہو۔

(۲) خراجی زمین نہ ہو (جو بالعموم کاشتکاروں کی ملکیت ہوتی تھی)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اپنے گورنر کے نام یہ فرمان لکھا تھا۔

”جتنی خالصہ (سرکاری) آراضی ہیں لوگوں میں تقسیم کر دو اور پیداوار کی حیثیت کے مطابق خلافت کو جتنا بھی وہ ٹیکس ادا کر سکیں اس کو منظور کر لو۔ اگر زمین زیادہ خراب ہے تو مفت دے دو۔ اور اگر آباد کاری کے لئے کوئی شخص نہ تیار ہو تو سرکاری خزانے کے اخراجات سے کاشت کرو۔ مگر زمین خالی نہ رہنے دو۔“

تاریخ کے طلباء پر یہ بات واضح ہے کہ جن بزرگوں کے نام قطائع کے سلسلہ میں درج کئے گئے وہ سب خدمت خلق کے لئے وقف تھے۔ ان کے علاوہ اہل قطائع کاشتکار ہوتے جو خود کاشت کر کے خود بھی منفعہ ہوتے اور سرکاری ٹیکس کی ادائیگی کے ذریعہ مفاہد طلبہ کی بھی خدمت کرتے تھے۔

تاریخ خلافت میں ایک نظیر بھی اس کے خلاف نہیں پیش کی جاسکتی کہ قطعات کسی کے پاس عیش و آرام کے سامان بنے ہوں۔ چنانچہ قاضی ابو یوسف زمانہ خلافت کے تمام قطائع کے متعلق یہ کلیہ بیان کرتے ہیں۔

”بہت سی روایتیں اس بات کے ثبوت کے لئے موجود ہیں کہ رسول اللہ اور آپ کے بعد خلفاء نے لوگوں کو قطائع دئے تھے رسول اللہ نے صحیفِ قلوب کے لئے آراضی کو قابل کاشت بنانے کے لئے قطائع دیئے تھے۔ ایسے ہی خلفاء نے جن لوگوں کو قطائع دیئے وہ وہی لوگ تھے جن کا اسلام میں کوئی فائدہ تھا اور وہ قیام امن و امان پر مامور تھے۔ رسول اللہ اور خلفاء نے اسی میں ملک و قوم کی بہتری سمجھی تھی اگر یہ بات نہ ہوتی تو کسی کو کسی کا حق دینے کا سوال ہی نہ تھا۔“

الغرض قطائع ان لوگوں کو اس لئے نہ دیئے گئے تھے کہ اس کے ذریعہ وہ عیش و آرام کر سکیں بلکہ یہ قطعات ان کو معاش کی فکر سے آزاد کر کے خدمتِ خلق کے لئے وقف ہو جانے کا سامان کر دیتے تھے۔ (جاری ہے)

لہ الخراج ص ۶۲ الاموال ص ۲۷۹

## ترجمان السنۃ

چار جلدوں میں

ترجمان السنۃ حدیث شریف کی ایک لاجواب کتاب ہے جس کے ذریعے سے فرمودات نبوی کا نہایت اہم اور مستند و معتبر ذخیرہ نئے عنوانوں اور نئی ترتیب کے ساتھ عام فہم زبان میں منتقل کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں احادیث نبوی کے صاف و سلیس ترجمہ کے ساتھ تمام متعلقہ مباحث کی دلہذا پر تشریح و تفسیر کی گئی ہے اور اس تشریح میں سلف صالح کی پیروی کے ساتھ جدید ذہنوں کی بھی پوری پوری رعایت کی گئی ہے۔

قیمت مکمل چار جلدیں غیر جلد — ۷۰۰ روپے \* جلد — ۸۲۰ روپے

# میرزا جلال اسیر اصفہانی

ڈاکٹر وجیبہ الدین، لیکچرر شعبہ فارسی، دانش گاہ مہاراجہ سیاحی لاہور، بڑودہ گجرات

مرزا محمد جلال الدین المخلص بہ اسیر ستر ہوی صدی کا سایہ ناز شاہی ہے حالانکہ وہ کبھی ہندوستان نہیں آیا لیکن اس نے ہندوستان کے متعدد شعراء کو متاثر کیا مرزا غالب بھی اس سے متاثر معلوم ہوتے ہیں (۱) صاحبان تذکرہ ہمیشہ بہار (۲) تذکرہ حسینی (۳) نے شاعر کا نام مرزا جلال اسیر لکھا ہے کلمات الشعراء (۴) تذکرہ منتخب اللغات (۵) نتائج الافکار (۶) نے شاعر کا نام مرزا جلال اسیر لکھا ہے۔ لیکن انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مطابق شاعر کا نام مرزا جلال الدین محمود ہے (۷) اور گنج سخن کے مصنف نے میرزا سید جلال الدین اسیر اصفہانی لکھا ہے (۸) تذکرہ الشعراء میں اس کا نام میرزا جلال الدین محمود ہے (۹) صاحب اصفہانی نے جو جلال اسیر کا نام مصرعے اس کی شعر گوئی کی پیروی میں یقین رکھتے ہوئے اس کا نام میرزا جلال محمود لکھا ہے

خوش کسی کہ جو صاحب ز صاحبان سخن

تتبع سخن میرزا جلال کند۔ (۱۰)

اسی طرح ابوطالب کلیم نے جو جلال اسیر کا معاصر ہے اس کی استاد کو تسلیم کرتے ہوئے اس کا نام میرزا جلال الدین رقم کیا ہے۔

از سخن سنجان طلب گار سخن

میرزا جلال الدین بس است

کچ نہم برفرق دستار سخن (۱۱)

راستی طبعش استاد من است

اس تا کہ بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ شاعر کا نام میرزا جلال الدین محمد تھا یا ایک سید غافل  
سے تعلق رکھتا تھا۔ اصل میرزا میر زادہ کا مخفف ہے جس کی نسبت سید ولد سے ہے۔ اور میرزا  
تیمور یولہ کے لیے لکھا جاتا تھا۔

عربک اینڈ پرنٹیشن مینسٹریٹ ان دی اوپینٹل پبلک لائبریری بانکی پور کے کیٹلاگ  
کا مؤلف صفی ابراہیم کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ "شاہ صفی کے زمانے میں ۱۲۶۶-۱۲۷۲  
۱۰۳۸-۱۰۵۲ ہجری) جلال اسیر کو کچھ عرصہ کے لئے قید میں رکھا گیا تھا اسی وجہ سے اس نے  
اپنا تخلص اسیر رکھا لیکن یہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ (۱۲) جلال الدین اسیر اپنے تخلص کے  
سلسلہ میں لکھتا ہے۔

من تخلص میکنم چوں دل اسیر

تاگرہ از زلف عنبر ساکشور (۱۳)

جہاں تک جلال اسیر کی تاریخ پیدائش کا تعلق ہے تو عام طور پر مذکورہ نگار اس کے متعلق  
ناموش ہیں اس کی کلیات میں بھی اس کی طرف کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ البتہ کچھ تاریخی کتابوں اور  
مذکورہ میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ ذیح الشرفانے اپنی کتاب گنج سخن میں جلال اسیر کی تاریخ  
پیدائش ۱۰۲۹ ہجری / ۱۶۱۹ عیسوی (۱۴) عربک اینڈ پرنٹیشن مینسٹریٹ ان دی اوپینٹل  
پبلک لائبریری بانکی پور کیٹلاگ کے مصنف نے اس سلسلہ میں دلچسپ بحث کی ہے۔  
"ہمیشہ بہار کا مصنف اور مرآۃ عالم کا مصنف شاعر کی وفات ۱۰۴۰ ہجری / ۱۶۳۰ عیسوی لکھتے  
ہیں۔ لیکن جلال اسیر کے دیوان میں ۱۰۴۲ ہجری اور ۱۰۴۵ ہجری کے تاریخی واقعات کا ذکر  
ملتا ہے۔ لیکن صفی ابراہیم کے مصنف کا خیال ہے کہ اسیر پچاس سال کی عمر میں ۱۰۶۹ ہجری  
۱۶۵۸ عیسوی میں انتقال ہوا اگر صفی ابراہیم کے مصنف کی رائے تسلیم کر لی جائے تو اس کا مطلب  
یہ ہوا کہ جلال اسیر شاہ عباس اول کی وفات کے وقت جو ۱۰۳۸ ہجری / ۱۶۲۸ عیسوی میں

[illegible]

این کتاب در سال ۱۳۱۴ هجری قمری  
 به قلم فرید و شریف از سر و شمس  
 این کتاب در سال ۱۳۱۴ هجری قمری

جان بھیر کے والد کا نام میرزا موسیٰ تھا ان کے بعد سے شاد کو زندگی میں ہو گیا تھے۔  
 ان کے شہر آبادی میں قریب ہے۔

[illegible]

مکتوبہ دار و رسدہ اطلاع ہے کہ ہمیں چاہتا کہ بلال اسیر شاہ عباس کا در بلا شہر  
قندھار میں عزت و شہرت پہنچاتا ہے کہ بلال اسیر شاہ عباس اول کا داماد تھا۔ شاہ عباس نے  
میں سے ایک ملک ایسا کہ بلال اسیر سے کہتی ہیں کہ دولت شاہ عباس کا گزند  
میں سے کہتی ہیں۔ وہ بلال اسیر کا گزند اطلاع میں کہیں کہیں کو شہرت ہے اس وقت

بیکسی اشک بہ تنہائی سن دار داسیر

کہ عالم پدری یا پسری نیست مرا (۱۹)

جلال اسیر مرزا نصیح ہروی کا کثا گرد تھا جن کا قتل ہلت سے تھا جو خواجہ ابوالاسمعیل عبد اللہ  
النصاری الہروی کے خاندان سے تھے مرزا نصیح ہروی کے دو شاگرد تھے جلال اسیر اور  
دریش والد ہروی جلال اسیر اپنے استاد کو اس طرح خراج عقیدت پیش کرتا ہے ۔  
آنانکہ مست فیض بہار اند چون اسیر  
تہ جرعہ زبزم فصیحی چشیدہ اند (۲۰)

نہستی از جن فیض فصیحیست اسیر

کہ زہر زہر منزمہ گلزار مقالی دارد (۲۱)

جہاں کہ جلال اسیر کے اعتقاد کا تعلق ہے وہ اثنا عشری تھا اور حضرت امام رضا  
اس کو خاص عقیدت تھی جس کا ذکر اس نے اپنے اشعار میں کیا ہے اور وہ خود حضرت امام  
رضا کے روضہ کا متولی بھی تھا۔ (۲۲)

تبیح رارشتہ زمار ماکن

ایمان ناقصی کہ نازم بیا بہ ہیں

گفتم اسیر اینہمہ آزار ماکن (۲۳)

ایمان عمد و علی دیا زوہ امام

فزون باد التفات شاہ بر ما آئند یارب

مگر گویندش اسیران صد مبارکباد ہر ساعت (۲۴)

مستی دارم مخوری نمیداندا سیر

ساغر اند میخانہ شاہ فرساں میز نم (۲۵)

جلال اسیر کی تاریخ وفات میں بھی اختلاف رائے ہے۔ گنج سمن کے مصنف ڈاکٹر  
ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا اسیر کی وفات ۱۰۶۹ ہجری / ۱۶۵۸ عیسوی لکھتے ہیں۔ جبکہ قاسم الشاہ  
اور تذکرہ ہمیشہ بہار (۲۸) کے مطابق ۱۰۴۰ ہجری / ۱۶۳۰ عیسوی ہے ۔



(۳۱)

(۳۰)

(۲۹)

تذکرہ الشعراء، ملک میکلو بیڈیا آف اسلام، مذکورہ نتائج الافکار۔

۱۰۳۹ ہجری / ۱۶۳۹ عیسوی بتاتے ہیں: مذکورہ ہمیشہ بہار کی اطلاع کے مطابق جلال اسیر شاہ عباس ثانی کے زمانے میں حیات تھا جو اس عبارت سے واضح ہے۔

میرزا طاہر وحید بخدمت داروغلی اصطلحی شاہ عباس ثانی (۱۰۷۷-۱۰۵۲ ہجری ۱۶۶۷-۱۶۴۲ عیسوی) در اصطلاح آن ولایت میرا خورمی نامند ما مور بود آخر بخدمت والا پائیگی دیوان رسید۔ چنانچہ میرزا جلال اسیر دریں معنی گفتہ:

طاہر ساور سیر و دیوان شد

رفته رفته قشوقلمدان شد (۳۲)

جلال اسیر کی کلیات میں مختلف تاریخی قطعات درج ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ۱۰۳۵ ہجری / ۱۶۳۵ عیسوی تک حیات تھا اس لئے ہم کو اس کا سنہ وفات ۱۰۴۹ ہجری / ۱۶۳۹ عیسوی تسلیم کرنا چاہیے اگر وہ اس کے بعد حیات ہوتا تو ممکن ہے کہ کچھ اور تاریخی قطعات لکھتا۔

تذکرہ ہمیشہ بہار کا مصنف لکھتا ہے کہ جلال اسیر شراب کا دلدادہ تھا (۳۳) اور کیونکہ اس کی وفات کم عمری میں ہوئی ممکن ہے شراب کی زیادتی اس کا سبب ہو۔

ذلالی خوانساری (وفات ۱۰۳۱ ہجری) جو شاہ عباس کا ملک الشعراء تھا۔ جلال اسیر کا کاغذ کرد تھا۔ (۳۴) تمام تذکرہ نگار جلال اسیر کو سبک بنہاری کا شاعر تسلیم کرتے ہیں۔ جلال اسیر نے اپنے کلام میں نئے استعارات نئی نئی تشبیہات اور نئے نئے خیالات اچھوتے انداز میں پیش کئے ہیں۔ شبلی نعمانی اور امیر شیر علی غامیؒ بھی اس کو خیال بندی کا بنیاد گزار بتاتے ہیں جو سبک ہندی کا خاصہ ہے۔ جلال اسیر کے ہم عصر سطر میں فیضی، پور، صائب تبریزی، ابوطالب کلیم، طالب املی، حکیم شغائی، والہ ہروی

اس شخص کی طرف سے اس کے نام مابل کے ساتھ  
 کلیات جلال اسیر ۱۱۱ ہجری میں مطبع منشی قلی کشور لکھنؤ سے شائع ہوئی۔ جس پر  
 تقریباً چھ غزل اور کچھ قصیدے لکھے گئے تھے۔ لیکن اس میں جلال اسیر کے حالات زندگی سے  
 متعلق کسی قسم کی تفصیل نہیں ملتی اور نہ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ کس نسخہ کی مدد سے کلیات  
 چھپی ہے اور وہ کہاں دستیاب ہے۔ اس کلیات میں قصائد، قطعات، شتوی، غزلیات  
 محبت، رباعیات وغیرہ شامل ہیں۔ چالیس سال کی عمر میں جلال اسیر نے اتنی ضخیم کلیات  
 چھوڑی ہے اس سے اس کی پرگوئی اور قادر الکلامی کا پتہ چلتا ہے۔ اسیر اپنی زندگی  
 میں کبھی بھی ہندوستان نہیں آیا لیکن بیرون ایران خاص کر ہندوستان میں اس کی کلیات  
 کے نسخے تقریباً ہر بڑی لائبریری میں موجود ہیں مثلاً مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ، خدائشا  
 اورینٹل پبلک لائبریری بانکھی پور پٹنہ، ملا فیروز لائبریری بمبئی، اصفیہ لائبریری حیدر آباد  
 نیشنل میوزیم نئی دہلی، عربک پرنس انسٹی ٹیوٹ ٹونک راجھان، ہندوستان کے علاوہ پنجاب  
 یونیورسٹی لائبریری لاہور پاکستان، ڈھاکہ یونیورسٹی لائبریری ڈھاکہ بنگلہ دیش وغیرہ  
 میں کلیات جلال اسیر کے نسخے موجود ہیں جس سے اس کی ایران سے باہر شہرت کا پتہ چلتا  
 ہے نمونہ کے طور پر جلال اسیر کی چند غزلیں پیش ہیں۔

(۱)

دوش ساز نالہ با آہنگ بود	بازمین و آسمان در جنگ بود
بادہ نازک کہ بی توہ پر نکرد	شیخہ ماخانہ ڈاوسنگ بود
در گلستاں دیدش نشنا ختم	برتنش میرا بہن گل تنگ بود
این دور نگہماز زشتیہای ماست	نور و ظلمت پیہش ازین یک رنگ بود

باد شود کبیم جوئیها اسیر  
بیشتر شرکان بده فرسنگ بود

(۲)

بسی کرد و میکده عیند کشاید  
رنگین صغیرت، تمنای نگای  
برداشت جلوه سولست غبارم  
گزار محبت چقدر شوخ بهارست  
خار و گل حسرت نشود کام دو عالم  
جائیکه اسیر تو کند باده گساری  
حسرت گره از خاتم جشید کشاید

(۳)

مستم و آن چشم شہلا در نظر  
بستہ آئین گریہ شرکان مہرا  
مشتق باران میکند شرکان من  
بیچ بر پست خون خواب و خلد  
شوخی میر قصد تماشا در نظر  
قطرہ خونست دریا در نظر  
کافدا بریست صمرا در نظر  
حسن رنگ آمیز دیبا در نظر  
جلوہ سر کرده می ریزد اسیر  
برگ گل از خار آن پا در نظر

(۴)

شرق تو خریدار چہر جان نفروشم  
ہستی چہ متاعیست کہ از ان نفروشم

ہر کسے کسے میرے یاد نگاہی  
 جوں سرور میرت بیلیمان نغروشتم  
 بابی پرورد بالان نکتم دعویٰ پرورد  
 خاشاک باین شعلہ سواران نغروشتم  
 رفتیم چه دعا با کار بیاران نغروشتم  
 داغ چه چمنبا بخیا بان نغروشتم  
 غمنامہ دردت بسیجا نغولیسیم  
 بی برگی داغت بگلستان نغروشتم

(۵)

بسویم آمدی شیدای خولشم ساختی رفتی  
 باین روزم نشاندی بیوفانداختی رفتی  
 چه رنگی کشتم از تاراج شوخی فرین بار  
 زدی بستی و کشتی سوختی پرواختی رفتی  
 چه رحمت این چه انصافست ظالم فراق این  
 زدی میدی بکاک رہ فلندی تاختی رفتی  
 مروت اینچنین عاجز نوازی اینچنین باید  
 ز بافتاده دیدی و قد افراختی رفتی

## متابع

- (۱) خورشید الاسلام، غالب، انجمن ترقی اردو ہند دہلی ۱۹۷۵، اشاعت دوم صفحہ ۲۹، ۲۸۔
- (۲) کشن چند اخلاص مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی، انجمن ترقی اردو، پاکستان، صفحہ ۶، ۱۹۷۳ء
- (۳) میر حسین دوست، منشی نو کشور، لکھنؤ، ۱۸۷۵، صفحہ ۳۱
- (۴) محمد افضل سرخوش، تبصیح صادق علی دلاوری، لاہور، ۱۹۴۲ء صفحہ ۳
- (۵) رحیم علی خان امام، تبصیح سید محمد رضا جلالی نائینی و سید امیر حسن عابدی، ایران ۱۳۴۹ شمسی، صفحہ ۶۳۔
- (۶) مولانا محمد قدرت اللہ گوجا موسیٰ، بمبئی، ۱۳۳۶ ہجری، صفحہ ۴۷۔

(۷) Vol. I (A-B) Ne'th-en Land, (New Edition)

۱۹۶۰ء P. 707

- (۸) نزاع المصفا، جلد سوم، تهران، ۳۴۳۵ هجری، صفحه ۱۰۲  
 (۹) مولانا عبد الغنی خان، تبصیح محمد تقی خان شیرانی، علی گڑھ، ۱۹۱۴، صفحه ۱۳  
 (۱۰) مولانا میر غلام علی آزاد بلگرامی، مآثر الکلام (سرو آزاد)، تبصیح عبدالقدیر خان و فضل نوح  
 لاہور، ۱۹۱۳، صفحه ۵۳ -

(۱۱) ایضاً -

Moulavi Abdul Mug Ta dir Khan, vol. III (۱۲)

London, 1912, P. 65

- (۱۳) کلیات میرزا جلال اسیر نسخہ خطی (یونیورسٹی گلشن نمبر ۲۸، فارسیہ نمبر ۱۱۸۱) مولانا  
 آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ -  
 (۱۴) جلد سوم، صفحه ۱۰۲ -

(۱۵) مولوی عبدالمقصد خان، جلد سوم، صفحہ ۶۶ - ۶۵ -

- (۱۶) کلیات مرزا جلال اسیر (مطبوعہ منشی نول کشور) لکھنؤ، ۱۲۹۱ ہجری، صفحہ ۳۳ -  
 (۱۷) محمد طاہر نصر آبادی، تذکرہ نصر آبادی، تبصیح وحید دستگیری (تاریخ طبع  
 ندارد) دہلی یونیورسٹی لائبریری نمبر ۱۲۴۵۰۸۲، ۱۶۶۴، صفحہ ۹۵ -

- (۱۸) نصر اللہ فلسفی، زندگانی شاہ عباس اول، جلد دوم، تهران، ۱۳۴۷ شمسی، صفحہ ۲۰۲ -  
 (۱۹) کلیات مرزا جلال اسیر مطبوعہ نول کشور، صفحہ ۱۵۰ -

(۲۰) کلیات میرزا جلال اسیر نسخہ خطی ذاتی) ورق ۱۵۵ - الف

(۲۱) کلیات مرزا جلال اسیر، مطبوعہ نول کشور، صفحہ ۲۸۱

(۲۲) نصر اللہ فلسفی، ایضاً، صفحہ ۲۰۲ -

(۲۳) کلیات مرزا جلال اسیر، مطبوعہ نول کشور، صفحہ ۳۶۲ - ۳۶۱ -

(۲۴) ایضاً صفحہ ۲۱۸ -

(۲۵) کیمیات میرزا بلال امیر (نسخه خطی) ورق ۲۳۲ - ب

(۲۶) جلد سوم، صفحہ ۱۰۳

(۲۷) مرتبہ نظامی، بلوچی، جلد اول، بلوچی، ۱۹۲، صفحہ ۸۲

(۲۸) کشن چند اخلاص، صفحہ ۷ - ۶

(۲۹) مولانا عبدالغنی خان، صفحہ ۱۳

(۳۰) جلد اول، صفحہ ۷۰

(۳۱) مولانا محمد قدرت اللہ گوبامی، صفحہ ۴

(۳۲) کشن چند اخلاص، صفحہ ۷

(۳۳) کشن چند اخلاص، صفحہ ۷

(۳۴) امیر شیر علی خان لودھی تذکرہ سرائۃ النہال ۱۳۲۲، بھرنی، صفحہ ۷

(۳۵) شعر العجم جلد پنجم اعظم گڑھ ۱۹۵۷، صفحہ ۶۵ و تذکرہ سرائۃ النہال صفحہ ۷

صفحہ ۳۰ کا بقیہ

(۶۹) انواری - المجموع، ج ۱ ص ۴۵ - ابن القیم - الاعلام، ج ۲ ص ۳۱۷ - ۱۸۸

(۷۰) الاعلام - لابن القیم - ج ۱ ص ۱۶۴

(۷۱) ایضاً - ج ۲ ص ۱۹۶ - ۱۹۷

(۷۲) ایضاً - ج ۲ ص ۱۹۷

یوپی تعلیمی نصاب کی چھ اہم کتب

تاریخ ملت جلد اول (نئی عربی)	قاضی زکریا علی	غیر ملکہ محمد علی
تاریخ ملت جلد دوم (خلافت راشدہ)	"	غیر ملکہ محمد علی
تاریخ ملت جلد سوم (خلافت نبویہ)	"	غیر ملکہ محمد علی
تاریخ ملت جلد چہارم (خلافت عباسیہ)	مفتی اعظم پاکستان	غیر ملکہ محمد علی

# اسلامی دارالافتاء اور منصب مفتی

## ایک تحقیقی مطالعہ

ڈاکٹر نور احمد شاہباز ————— (کراچی یونیورسٹی)

مفتی کا نام و میں ضعف کے باعث اسے ترجیح سے منع کیا جائے، مفتی کیلئے ممکن ہے کہ اگر وہ ترجیحاً ترجیح کا اہل نہ ہو تو وہ ان ائمہ کے ذائقہ اوصاف میں غور کر کے یہ نتیجہ نکالے کہ ان میں کس کی رائے قابل ترجیح ہو سکتی ہے۔ پھر ان میں سے بڑے عالم، مفتی اور عمر رسیدہ کی رائے کو ترجیح دے۔ اور اگر تمام ایک دوسرے سے بعض اوصاف کے اعتبار سے ممتاز ہوں تو پھر ترجیح اس کو دے جو زیادہ صائب الرائے ہو، ایسا بڑا عالم مقدم ہوگا جو مفتی بھی زیادہ ہو بہ نسبت اس زیادہ مفتی کے جو عالم ہو۔ ترجیح کا یہ اصول اسی طرح ہے جس طرح احادیث میں راویوں کو ترجیح دینے کے سلسلہ میں اس وقت کیا جاتا ہے جب تضاد روایات پیش آئے۔ (۶۴)

**مفتی مقلد اپنے مذہب کی کن کتب پر اعتماد کرے؟**

مفتی کو چاہیے کہ وہ ایسی کتابوں سے فتویٰ نہ دے جو غیر مشہور و گمنام ہوں یا جن کے مندرجات کی صحت کا کوئی ثبوت نہ ہو۔ اسی طرح ایسی نئی کتابیں جن میں منقول عبارات کا کتب مسترود سے منقول ہونا ثابت نہ ہو یا جن کے مصنفین کی عدالت و ثقاہت کا یقین نہ ہو، اسی طرح اگر نفس حکم ان کتب کے حواشی یا تعلیقات سے ثابت ہو اور وہ بھی نامعلوم

اصل سے منقول ہوں اور اہمات الکتاب میں وہ حکم نہ پایا جائے نہ ان کے حوالہ جات مذکور ہوں نہ وہ واضح خط سے تحریر کردہ ہوں تو ایسی عبارات سے فتاویٰ میں استدلال درست نہیں۔

تاہم ایسی کتب مشہورہ جو علماء کے ہاں معروف ہوں اور جن کے بارے میں علماء کے تصدیق موجود ہو کہ ان میں کوئی تحریف یا رد و بدل نہیں ہوا ہے تو ایسی کتب سے فتویٰ دینا جائز ہے اگرچہ اصول تو یہ ہے کہ فتویٰ ایسی کتب سے دیا جائے جن کو ثقہ اور علول علماء نے روایت کیا ہو اور ان سے اس مجتہد نے اکتساب کیا جس کا یہ مفتی مقلد ہے تاکہ اس کے لئے ان کتب کی صحت ایسی بے غبار ہو جائے جیسے مجتہد کے لئے احادیث کی۔ کیونکہ ہر دو صورتوں میں اللہ کے دین کو نقل کرنا مقصود ہے مگر لوگوں نے اس معاملہ میں وسعت پیدا کر لی ہے اور متقدمین کی ایسی کتب مشہورہ سے اخذ کو جائز قرار دیا ہے جن میں رواۃ کا سلسلہ اگرچہ مذکور نہ ہو، جیسا کہ نحو اور عربی زبان کے کتابوں میں سند اور رواۃ کا سلسلہ متروک ہو چکا حالانکہ عربی کی کتابیں ہی کتاب وسنت کی اساس ہیں۔ اسی طرح فقہ کی کتابوں میں بھی سلسلہ رواۃ کا ذکر اب غیر ضروری سمجھ کر ترک کر دیا گیا ہے کیونکہ یہ اطمینان ہو چکا ہے کہ ان میں کوئی تحریف ہوئی ہے اور نہ رد و بدل (۶۵)

علامہ عز الدین ابن عبد السلام سے مفتی مقلد کے بارے میں پوچھا گیا جو ایسے قول سے فتویٰ دیتا ہو جس کی نسبت اس کے امام مذہب کی طرف ہے اور اس مفتی نے روایت کے اصولوں کے مطابق یہ قول اپنے امام مذہب سے نہیں لیا بلکہ صرف امام مذہب کی کتب کے مطالعہ سے حاصل کیا ہے تو کیا یہ ایسے قول کو فتویٰ میں پیش کر سکتا ہے؟ اس کے جواب میں علامہ نے کہا: فقہ کی صحیح کتب پر اعتماد کرنا جن کی توثیق ہو چکی، علماء عصر کے ہاں متفق علیہ ہے کیونکہ ان کتابوں کو ایسی ہی ثقاہت حاصل ہو چکی ہے جیسی سند



روایت کو حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح لوگوں نے نحو، لغت، طب اور دیگر تمام علوم کی مشہور کتابوں پر اعتماد کیا ہے کیونکہ انہیں بھی ثقافت و اعتماد کی سند مل چکی اور ان میں رد و بدل کا خدشہ بعید از قیاس قرار پا چکا۔ اب جو کوئی یہ سمجھے کہ لوگوں نے ان کتابوں پر اعتماد کر کے غلطی کی ہے تو وہ خود غلطی پر ہے کیونکہ اگر اس اعتماد کا جواز نہ ہو تو بہت سے معاملات جن کا تعلق طب، نحو اور عربی زبان کے حوالہ سے شریعت سے ہے وہ سب مسئلہ ہو کر رہ جائیں۔ شریعت بہت سی صورتوں میں الحبار کے اقوال سے رجوع کرتی ہے جبکہ طب کی زیادہ تر کتابوں کا تعلق قوم کفار سے ہے لیکن جب ان کتابوں میں دفع و تدلیس کا امکان نہیں اور ان پر اعتماد ہو چکا جیسا کہ اشعار میں کہ عرب کے کافر شعراء کے کلام پر اعتماد کیا گیا، اسی طرح ان پر بھی اعتماد کا معاملہ ہے (۶۶)

الزکری نے ابواسحاق اسفرائینی سے نقل کیا ہے (۶۷) کہ انہوں نے مستند کتابوں سے نقل کرنے کے جواز پر اجماع بیان کیا ہے اور اس میں مؤلف تک اقبال سند کی شرط بھی عائد نہیں کی۔ ابن الصلاح نے کہا ہے کہ اگر کسی کتاب کے کسی نسخہ کی صحت کا یقین ہو تو یوں کہنا چاہیے "فلاں نے یوں کہا ہے" ورنہ کسی کے قول کو یونہی لفظ یقین کے ساتھ بیان نہ کرنا چاہیے، امام سیوطی نے اس کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے -

"أبجّل لوگ کتب سے نقل کرتے ہیں اور منقولہ عبارات کی نسبت ان کے مصنفین کی طرف ظاہر کرتے ہیں" (۶۸)

اس طرح کسی بھی فقہی مذہب کی کتب معتدہ سے فتویٰ دینے کے جواز پر اتفاق ہے۔ اگرچہ براہ راست ان کے مصنفین سے روایت نہ بھی لی گئی ہو۔ علامہ عبدالرزاق بن عبد السلام، شہاب الدین القرقانی، برہان الدین ابن فرحون، بدر الدین الزکری جلال الدین السیوطی اور ابواسحاق اسفرائینی نے اس پر اجماع بیان کیا ہے۔

## عامی کا عامی کو فتویٰ دینا :

کیا کسی عالمِ آدمی کے لئے سہا ئز ہے کہ وہ کسی عام آدمی کو ان معلومات کی بنا پر فتویٰ دے دے جو اس نے علماء سے سنی یا حاصل کی ہوں؟ یہ سوال ایک سے زائد علماء اور کبار فقہاء نے چند مسائل کے حل کے سلسلہ میں اٹھایا ہے اور اس کے جواب میں جو اقوال سامنے آئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

پہلا قول :- یہ ممکنِ مخالفت کا قول ہے صاحب "الحادی" کی رائے میں یہی صحیح تر ہے کیونکہ عام آدمی میں استدلال کی صلاحیت نہیں ہوتی اور نہ اسے شرائطِ استدلال کا علم ہوتا ہے اور وہ کسی ایسی بات کو دلیل خیال کرتا ہے جو کہ دراصل دلیل نہیں ہوتی ہے۔

دوسرا قول :- یہ جواز کا قول ہے۔ بشرطیکہ مسئلہ کی دلیل قرآن و سنت سے ہو اور اگر ان دونوں کے علاوہ دلیل ہو تو جائز نہیں کیونکہ کتاب و سنت کے مخاطب تو سبھی لوگ ہیں، تو جس طرح ایک شخص پر لازم ہے کہ اسے کتاب و سنت کا جو پہونچا ہو وہ اس پر عمل کرے اس طرح کسی دوسرے کو قرآن و سنت سے رہنمائی فراہم کرنا اور اس سے آگاہ کرنا بھی اس کے لئے جائز ہے۔

قول ثالث :- یہ جواز مطلق کا ہے۔ کیونکہ عام آدمی کے پاس بھی علم اس واقعہ کی دلیل کے ساتھ اسی طرح پہنچا ہے جس طرح کہ ایک عالم کے پاس۔ اگر کوئی عالم اس وجہ سے ممتاز ہے کہ اس کے پاس علمی مہارت و ملکہ ہے جس کی بنا پر وہ کسی دلیل پر قائم رہتا اور دلیل مخالف کو رد کر سکتا ہے تو عامی آدمی کے پاس بھی تو دلیل اور علم ہے۔ اس کی تائید میں ابن القیم کہتے ہیں: "یہ تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پیغام پہنچانے کا سلسلہ ہے پس جو کوئی بھی یہ کام کرے اسلام کا"۔

بغض اللہ اس کو جملے کے غیر دے۔ اگرچہ ایک کلمہ خیر ہی کی تبلیغ کیوں نہ ہو!! انہوں نے اس مسئلہ میں اپنی تعلیق ان الفاظ پر ختم کی ہے: "کسی عام آدمی کو ایسا شرعی مسئلہ بتانے سے روکنا جو وہ جانتا ہے۔ غلطی محض ہے۔ اللہ توفیق بخشنے" (۶۹)

## مفتی کی ادبی اور مادی ذمہ داریاں!

مفتی کی اخلاقی اور ادبی ذمہ داری سے کسی کو اختلاف نہیں کیونکہ فتویٰ دراصل اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تبلیغ پیغام ہے۔ اس سلسلہ میں مفتی کی ذمہ داری سے انتہائی اہم ہے۔ کیونکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بولتا ہے۔ جب وہ یہ کہتا ہے کہ اللہ نے یوں حکم دیا ہے یا اس طرح منع کیا ہے۔ یا اللہ نے یوں واجب قرار دیا ہے اور یں حرام ٹھہرایا ہے (۷۰) اسی بنیاد پر ابن القیم نے اپنی معروف کتاب فتویٰ وقضائے کا نام "اعلام الموقعین عن رب العالمین" رکھا ہے۔

مفتی کی ادبی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ مادی ذمہ داری بھی مفتی پر عائد ہوتی ہے اور وہ یوں کہ امام یا حاکم مفتی سے کوئی فتویٰ لے کر اس کے مطابق کوئی حکم نافذ کرتا ہے اور اگر بعد میں یہ معلوم ہو کہ مفتی سے فتویٰ میں سہو ہو گیا تو اس صورت میں اس فتویٰ پر عمل کے نتیجہ میں اگر کوئی مالی نقصان ہو تو مفتی اس کا ضامن ہوگا۔ اور اگر فتویٰ حکیم حاکم یا امام کی بنا پر نہ دیا گیا ہو اور اس سے کوئی مالی یا جانی نقصان ہو جائے تو بھرو دیکھا یہ جائے گا کہ فتویٰ دینے والا مفتی، فتویٰ دینے کا مجاز تھا یا نہیں؟ اگر وہ مجاز و اہل تھا تو اس صورت میں ضمان مستفتی (مسائل) پر ہے کہ کوئی اسے اختیار تھا کہ وہ مفتی کے فتویٰ پر عمل کرے یا نہ کرے وہ مفتی کے فتویٰ پر عمل پیرا ہونے کا پابند نہ تھا۔ اور اگر مفتی غیر مجاز اور نااہل تھا تو ضمان اسی پر ہوگی نہ کہ مستفتی پر یہ مسئلہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی روشنی میں ہے کہ "جو کوئی علم طلب نہ

جائے شہید طیب بن بیٹھے تو وہ کسی بھی نقصان کا ذمہ دار (ضامن) ہوگا (۱) یہ  
 حدیث سنن ابوداؤد، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں موجود ہے۔  
 ابراہیم اللقانی کی کتاب اصول فتویٰ میں "ضمان المغنی" کے عنوان سے لکھا ہے:  
 "ہمارے علماء نے کہا ہے کہ اگر مفتی کے فتویٰ سے کسی کا مال تلف ہو گیا اور مفتی مجتہد  
 تھا تو اس پر کوئی غبار نہیں اور اگر مجتہد نہ تھا تو وہ نقصان کا ضامن ہے۔"  
 الما زری نے کہا ہے کہ "مفتی کے فتویٰ سے (جبکہ وہ مجتہد نہ ہو) اگر کوئی نقصان  
 ہو جائے تو حاکم کو چاہیے کہ وہ اس کو تنبیہ کرے اور وہ نقصان کا ضامن بھی ہوگا۔  
 پھر اگر تنبیہ کے بعد وہ اہلیت فتویٰ حاصل کرے تو اسے سزا نہ دی جائے اور اگر وہ  
 پھر بھی اہلیت حاصل نہ کرے تو اسے فتویٰ دینے سے منع کر دیا جائے۔ (۲)  
 علامہ محمد مکی انصاری کی اس تحریر سے یہ بات واضح ہو چکی کہ فتویٰ نویس ہر کیسے و عہد  
 کا کام نہیں بلکہ یہ انتہائی ذمہ دارانہ منصب ہے مگر اس کا کیا کیا جائے کہ ہمارے  
 ملک میں نہ تو مفتی کی اہلیت سے متعلق کوئی جانتا ہے نہ اس منصب کی نزاکت سے  
 کوئی واقف و آگاہ ہے بلکہ جس کا جی چاہے مفتی ہونے کا اعلان کر دے اور  
 راتوں رات مفتی بن بیٹھے۔ علماء کرام کو بالخصوص اہل علم و دانش کو چاہیے کہ وہ کوئی  
 ایسا نظام قائم کریں جس کے تحت مفتی کا منصب صرف قابل اور اہل لوگوں ہی کے لئے  
 مختص ہو سکے اور ملک میں خود ساختہ مفتیوں کی وجہ سے پھیلی ہوئی مسکنی اناڑی  
 کا خاتمہ ممکن ہو۔ (ختم شد)

(۶۴) ابن الصلاح بحوالہ ابن فرحون، البقرہ ج ۱ ص ۵۰، ۵۱

(۶۵) القرانی، الامکام فی تیسر الفتاویٰ عن الامکام، ص ۲۶۱، ۲۶۲

(۶۶) ابن فرحون، البقرہ ج ۱ ص ۵۳، ۵۴، السیوطی، الاشباہ والنظائر ص ۲۴۳

(۶۷) السیوطی، الاشباہ والنظائر، ص ۳۴۶

## حضرت مولانا احمد رضا بجنوری کی وفات حسرت آیات

دینی و مذہبی اور علمی دنیا کا ایک اور چراغ بجھ گیا۔ حضرت مولانا احمد رضا بجنوری ۹۳ سال کی عمر میں  
شعری ملاقات کے بعد انتقال فرما گئے۔ اللہ وانا الیہ راجعون

۲۲ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۲ جنوری ۱۹۹۸ء کو حضرت مولانا احمد رضا بجنوری کا انتقال  
ہوا۔ جیسے ہی یہ خبر دفتر برہان میں پہنچی سب ہی رنج و غم میں ڈوب گئے۔ کیونکہ حضرت مولانا احمد رضا  
بجنوری کا تعلق، واسطہ اور رابطہ ادارہ ندوۃ المصنفین اور رسالہ برہان سے روز اول ہی سے رہا۔ ادارہ کے  
بانی مفکر ملت حضرت مفتی عتیق الرحمن عثمانیؒ سے حضرت مولانا کا بھائیوں سے بھی بڑھ کر قلبی تعلق  
ہوا۔ ایک تو ہم سبق ہونے کی وجہ سے اور دوسرے استاد محترم حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ  
علیہ کے چونکہ مولانا احمد رضا داماد تھے اس لیے استاد کے داماد ظاہر ہے بھائی اور بہنوئی ٹھہرے۔

اسی وجہ سے حضرت مفتی صاحبؒ مولانا احمد رضا کو بہت ہی چاہتے تھے ان سے قلبی محبت اور لگاؤ  
رکھتے تھے۔ اور اسی رشتہ سے حضرت مولانا احمد رضا بھی حضرت مفتی صاحبؒ کو بڑے بھائی کی حیثیت  
سے سمجھتے تھے۔ ہر معاملے میں ان کی رہنمائی کو اپنے لیے ضروری سمجھتے تھے۔

حضرت مولانا احمد رضا بجنوری عربی زبان کے زبردست عالم تھے۔ عربی پر خدا داد عبور حاصل تھا  
اور اسی طرح اردو زبان پر بھی انہیں ملکہ حاصل تھا۔ ان کی عربی زبان اور اردو زبان میں زبردست  
تصانیف ہیں۔ ان کی مشہور و معروف کتاب انوار الہاری (کئی ضخیم جلدوں میں) اعلیٰ درجہ کی علمی کتابوں  
میں شمار ہوتی ہے۔ انہوں نے بلند پایہ تصانیف قلم بند کی ہیں۔ جسے زبردست علمی ذخیروں میں شمار کیا  
جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ آمین۔

ادارہ ندوۃ المصنفین اور رسالہ برہان حضرت مولانا احمد رضا بجنوری کے انتقال پر ملال پر اظہار  
تقریر کرتا ہے اور بارگاہ عالی میں دعا گو ہے کہ حضرت مولانا احمد رضا بجنوری کی مغفرت فرمائے اور  
ہم سب کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین! ثم آمین۔ حضرت مولانا احمد رضا بجنوری کے پانچ  
صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں ہیں جو ماشاء اللہ حیات ہیں اور دین و مذہب اور ملت اسلامیہ کی مختلف  
راہوں سے خدمت میں مصروف عمل ہیں۔

# پانِ ملکیت و تفصیلات

متعلقہ برہان دہلی  
فارم چہارم قاعدہ ۵

## احادیث نبوی کا شاندار ذخیرہ اردو زبان میں ترجمان السنہ

”ترجمان السنہ“ حدیث شریف کی ایک  
لاح اب کتاب ہے جس کے ذریعہ صحیح فرمودات  
نبوی کا نہایت اہم اور مستند و معتبر ذخیرہ  
عنوانوں اور نئی ترتیب کے ساتھ عام فہم زبان  
میں منتقل کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں احادیث  
نبوی کے صاف و سلیس ترجمے کے ساتھ تمام متعلقہ  
مباحث کی دلپذیر تشریح و تفسیر کی گئی ہے اور اس  
تشریح میں سلف صالح کی پیروی کے ساتھ حدیث  
ذہنوں اور دماغوں کی بھی پوری پوری رعایت کی گئی ہے۔  
کتاب کی ترتیب اس طرح قائم کی گئی ہے:

۱۔ متن مع اعراب (۲) سستہ اور عام فہم ترجمہ (۳) ہر حدیث  
پر مختصر تشریحی نوٹ (۴) باب کے خاتمے پر سند مزید  
حدیثوں کے متعلق ایک عام اور سیر حاصل بحث۔ کتاب  
چار جلدوں میں ہے: کال قیصر جلد ۱/۱۰۰، جلد ۲/۱۰۰،  
جلد اول: صفحہ ۵۹۲ قیمت غیر جلد ۱/۵۰، جلد ۲/۵۰،  
جلد دوم: ۱/۵۲ قیمت غیر جلد ۱/۵۰، جلد ۲/۵۰،  
جلد سوم: ۱/۵۶ قیمت غیر جلد ۱/۵۰، جلد ۲/۵۰،  
جلد چہارم: ۱/۵۱ قیمت غیر جلد ۱/۵۰، جلد ۲/۵۰

قلم اشاعت : ۱۳۶۶ اردو بازار جامع مسجد دہلی  
وقفہ اشاعت : ماہانہ  
طابع کا نام : عمید الرحمن عثمانی  
قومیت : ہندوستانی  
ناشر کا نام : عمید الرحمن عثمانی  
سکونت : ۱۳۶۶ اردو بازار جامع مسجد دہلی  
ایڈیٹر کا نام : عمید الرحمن عثمانی  
قومیت : ہندوستانی  
سکونت : ۱۳۶۵ اردو بازار جامع مسجد دہلی  
ملکیت : ندوۃ المصنفین، جامع مسجد دہلی

میں عمید الرحمن عثمانی ذریعہ ہذا اعلان  
کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات  
میرے علم اور یقین کے مطابق درست ہیں  
درست خط طابع و ناشر

عمید الرحمن عثمانی

سرپرست اعلیٰ ندوۃ المصنفین دہلی

عالیشان حکیم عبدالحمید صاحب چانسلر جامعہ ہمدردی دہلی و علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

مجلد ادارت اعزازی

سید افتخار حسین  
ڈاکٹر معین الدین بھائی  
محمد سعید بلالی  
ڈاکٹر جوہر قاضی



نگران اعلیٰ

معرفت سوانا حکیم محمد زماں حسینی

شماره: ۵-۴

اپریل - مئی ۱۹۹۸ء

جلد: ۱۲۳۰

نور شاہد

شمارے

۱۲۳۰

\* نظرات ..... عمید الرحمن عثمانی — ۲

\* مغربی فن تعمیر پر اسلامی فن تعمیر کے اثرات (تیسری قسط)

(ترجمہ: جناب سید مبارز الدین صاحب رفعت ایم۔ اے) — ۶

\* زمینداری اور جاگیرداری کا تاریخی پس منظر (آخری قسط)

جناب مولوی تقی الدین صاحب بہاری — ۱۲

\* وحدت ادیان

ڈاکٹر نور احمد شاہتاز، کراچی یونیورسٹی پاکستان — ۲۴

جملہ خط و کتابت اور ترسیل زر کا پیہ

منیجر ماہنامہ نربان

4136 - اردو بازار جامع مسجد دہلی-110006 ☎ فون نمبر 3262815

زیر تعاون

۶ روپے

۲ روپے

کمپیوٹر کتابت

CREATIVE VISION

پیشانی ایڈیٹر پرنٹر پبلشر نے خواجہ پریس ریلی میں چھپوا کر دفتر برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی سے شائع کیا۔

## بیان ملکیت و تفصیلات

متعلقہ بربان دہلی  
فادر چہارم قاعدہ ۵

مقام اشاعت : ۱۳۶۶ء بازار براج مسجد دہلی  
وقفہ اشاعت : ماہانہ  
طالب کا نام : عید الرحمن عثمانی  
قومیت : ہندوستانی  
تشریک کا نام : عید الرحمن عثمانی  
سکونت : ۱۳۶۶ء بازار براج مسجد دہلی  
ایڈیٹر کا نام : عید الرحمن عثمانی  
قومیت : ہندوستانی  
سکونت : ۱۳۶۵ء بازار براج مسجد دہلی  
ملکیت : تدوۃ المصنفین، جامع مسجد دہلی

میں عید الرحمن عثمانی ذریعہ ہذا اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم اور یقین کے مطابق درست ہیں (دستخط طالب و ناشر)

عید الرحمن عثمانی

احادیث نبوی کا شاندار ذخیرہ  
اردو زبان میں  
ترجمان السنۃ

”ترجمان السنۃ“ حدیث شریف کی ایک لاجواب کتاب ہے جس کے ذریعہ سفر مودایت نبوی کا نہایت اہم اور مستند و معتبر ذخیرہ ہے عنوانوں اور نئی ترتیب کے ساتھ عام فہم زبان میں منتقل کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں احادیث نبوی کے صاف و سلیس ترجمے کے ساتھ تمام متعلقہ مباحث کی دلپذیر تشریح و تفسیر کی گئی ہے اور اس تشریح میں سلف صالح کی پیروی کے ساتھ جدید ذہنوں اور دعاغلوں کی بھی پوری پوری رعایت کی گئی ہے۔ کتاب کی ترتیب اس طرح قائم کی گئی ہے:

دائمتن مع اعراب (۲) سستہ اور عام فہم ترجمہ (۲) ہر حدیث پر مختصر تشریحی نوٹ (۲) باب کے خاتمے پر مندرجہ ذیل حدیثوں کے متعلق ایک عام اور سیر حاصل بحث، کتاب چار جلدوں میں ہے، کل قیمت غیر مغلدہ ۵۰/- مغلدہ ۸۲/- جلد اول: صفحہ ۵۹۲ قیمت غیر مغلدہ ۱۵/- مغلدہ ۲۰/- جلد دوم: ” ۵۱۲ قیمت غیر مغلدہ ۱۵/- مغلدہ ۲۰/- جلد سوم: ” ۵۶۰ ” غیر مغلدہ ۱۵/- مغلدہ ۲۰/- جلد چہارم: ” ۵۱۲ ” غیر مغلدہ ۱۵/- مغلدہ ۲۰/-

تدوۃ المصنفین، ماہنامہ بربان اردو بازار دہلی



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سرپرست اعلیٰ ندوۃ المصنفین دہلی

عالمیجات حکیم عبدالحمید صاحب پائسلر جامعہ ہمدانی، اہل و علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

مجلس ادارت اعزازی

سید اقدار حسین  
ڈاکٹر معین الدین بٹانی  
عماد سعید بلالی  
ڈاکٹر جوبہر قاضی

برہان

نگران اعلیٰ  
حضرت مولانا عظیم محمد زماں حبیبی

شمارہ: ۵-۴

اپریل - مئی ۱۹۹۸ء

جلد: ۱۲۲

اسلامی

شمارے

۱۵۱

\* نظرات ..... عمید الرحمن عثمانی --- ۲

\* مغربی فن تعمیر پر اسلامی فن تعمیر کے اثرات (تیسری قسط)

(ترجمہ: جناب سید مبارز الدین صاحب رفعت ایم۔ اے) --- ۶

\* زمینداری اور جاگیرداری کا تاریخی پس منظر (آخری قسط)

جناب مولوی تقی الدین صاحب بہاری --- ۱۳

\* وحدت ادیان

ڈاکٹر نور احمد شاہتاز، کراچی یونیورسٹی، پاکستان --- ۲۴

جملہ خط و کتابت اور ترسیل زر کا پیسہ

منیجر ماہنامہ برہان

4136 - اردو بازار جامع مسجد دہلی- 110006 \* فون نمبر 3262815

زیر تعاون

نی پرچہ .....  
سالانہ ۷۲ روپے  
کمپیوٹر کتابت

CREATIVE VISION

عمید الرحمن عثمانی ایڈیٹر پرنٹر پبلشر نے خواجہ پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## نظرات

۱۱ مئی ۱۹۹۸ء کی تاریخ اور پیر کا دن ہندوستان اور ہندوستانی عوام کے لیے قابل فخر و انبساط اور یادگار بن گیا ہے اس لیے کہ نیوکلیائی پروگرام کو ترک کرنے کے لیے ڈالے جا رہے مغربی دباؤ کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے راجستھان کے ریگستانی علاقہ پوکھران ریجن میں زیر زمین نیوکلیائی تجربات کر کے پوری دنیا میں اپنی نیوکلیائی طاقت و قوت کی دھماک بھادی۔ اور پھر اس کے دو دن بعد ہی دواو۔ نیوکلیائی تجربات کیے گئے تو ساری دنیا ہائیں! ہائیں! کرتی رہ گئی اور بھارتی سائنسدانوں و انجینئروں کی صلاحیتوں کا لوہا ماننے پر مجبور ہو گئی۔ اس سے پہلے مئی ۱۹۷۴ء میں جب ہندوستان کی وزیراعظم اندرا گاندھی تھیں تو اس وقت بھی راجستھان کے اس مقام پوکھران پر ایک ایٹمی تجربہ کیا گیا تھا مگر اس کی گونج اتنی نہیں تھی جتنی اس بار کے پانچ دھماکوں پر مچی ہے۔

ان نیوکلیائی تجربات کے بعد بھارت بھی نیوکلیائی کلب میں داخل ہو گیا ہے اور اس کا شمار دنیا کی پانچ ایٹمی طاقتوں میں ہو گیا ہے۔ اور یہ بات ہندوستان کے ہر باشندہ کے لیے فخر و مسرت کی بات ہے۔ پرمانو بم کی طاقت اور اس کے اثرات کے بارے میں مقامی معاصر نے بڑی تفصیل سے کچھ دلچسپ معلومات شائع کی ہیں جس میں سے کچھ حصہ یہاں شائع کر کے ہم اپنے ناظرین کی معلومات میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔

۱۹۵۴ء میں ہیر و شیمہ اور ناگاساکی پر بم گرنے کے جو تباہ کن نتائج ہوئے وہ دیکھنے کو نہیں ملتے۔ اس لیے لوگوں کی دلچسپی ان معاملات میں کافی ہے عام لوگ یہ جانا چاہتے ہیں کہ یہ بم اتنی

خونناک تباہی کیسے کر سکتا ہے۔ عام لوگوں کو پرمانو بم کی پراسرار طاقت کا اندازہ نہیں ہے۔ کسی وقت سمجھا جاتا تھا کہ ایٹم بم دنیا کا سب سے چھوٹا ذرہ ہے لیکن بعد میں سائنسدانوں نے یہ کہا کہ اس ذرے کو بھی توڑا جاسکتا ہے۔ اور اس کے ٹوٹنے پر جراثیمی نکلتی ہے اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ سائنسدانوں نے پتہ کیا کہ کئی ایسے ذرے ہیں جن میں ناقابل تصور توانائی ہوتی ہے اور جب انہیں توڑا جاتا ہے تو اس میں سے جو حرارت نکلتی ہے وہ صرف سائنسدان ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اب پتہ چلا ہے کہ ان ذروں سے بھی چھوٹے چھوٹے ذرات ہیں جو اس وقت نظر آتے ہیں جب آپ کمرے کا دروازہ بند کریں اور اس کمرے میں سورج کی شعاع کسی چھید سے گذر کر آئے تو یہ ذرات اس میں نظر آتے ہیں لیکن سائنسدان ان کے وجود کی گہرائی میں جاتے ہوئے یہ جانتا چاہتے ہیں کہ آخر یہ ہیں کیا اور کہ ان میں ایسی بے پناہ طاقت کہاں سے آجاتی ہے۔ ایٹم بم نے یہ بتادیا ہے کہ یورینیم نام کی دھات کے ایٹم میں دوسرے دھاتوں کے ایٹموں کے مقابلے سب سے زیادہ قوت ہے اور جو ایٹم بم بنائے جارہے ہیں وہ سینکڑوں ایٹموں کو جمع کر کے رکھ دیا جاتا ہے اور پھر خاص آلات سے ان کو توڑا جاتا ہے جب ایک ایٹم ٹوٹتا ہے تو اس سے جو توانائی خارج ہوتی ہے وہ دوسروں کو توڑتی ہے اور اس طرح دیکھتے دیکھتے سارے ایٹم ٹوٹ جاتے ہیں اور ان سے یہ بے پناہ حرارت جاری ہوتی ہے جو پھیلتے ہوئے اپنی راہ میں آنے والی ہر شے کو تباہ کر دیتی ہے۔ کوئی وقت تھا جب یورینیم کے ایٹم کو سب سے زیادہ طاقتور سمجھا جاتا تھا پھر ہائیڈروجن بم کے بعد پلاٹینیم بم کا ذکر ہوا جو ہائیڈروجن بم سے زیادہ زوردار سمجھا جاتا ہے اس کے بعد بھی کوئی بم آنے لگا یہ ابھی دیکھنے کی بات ہے حق تو یہ ہے کہ قدرت نے جو کچھ بنایا ہے اس کا ہم لوگوں کو ابھی بہت کم علم ہے۔ آخر خلا میں جو کچھ ہے کسے کل تک اس کا پتہ تھا ہم لوگ یہی سمجھتے تھے کہ زمین آسمان چاند اور سورج ایک ہی ہیں لیکن ماہرین کا کہنا ہے کہ دنیا ایک ہی نہیں بلکہ کئی دنیائیں ہیں۔ کیا ہم سوچ بھی سکتے تھے کہ فضاء میں بھی کوئی دنیا الگ سکتی ہے۔ آخر چاند بھی تو سینکڑوں ہیں۔ یہ اشارہ بھی ہو رہا ہے کہ سورج تو (۹) ہیں۔ معمولی دماغ تو یہ سمجھ بھی نہیں سکتے۔ کائنات لامحدود ہے پچھلے دنوں یہ خبر آئی کہ چودہ ارب نوری سال (لائٹ اینرز) سے سنگل آرہے ہیں۔ جب میں نے یہ سنا تو کاغذ پھینسل لے کر یہ جاننے کی کوشش شروع کی کہ یہ فاصلہ کتنا ہے۔ نوری سال سے مراد سورج کی روشنی کی رفتار ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ سورج کی کرنیں ایک سیکنڈ میں دو

لاکھ کے قریب میل طے کر سکتی ہیں۔ اس پر اندازہ کیجئے کہ مذکورہ سنگل کتنی دور سے آیا ہے۔ اگر ایک سینکڑ میں سورج کی روشنی نے دو لاکھ میل طے کرنے میں تو اس کے بعد اسے ۶۰ سے ضرب دینے پر ایک گھنٹہ بنے گا اسے چوبیس سے ضرب دیں تو ایک دن بنے گا۔ اسے ۳۶۵ سے ضرب دیں تو ایک سال بنے گا اس سب کو چودہ ارب سے ضرب دیجیے تو پھر کہیں جا کر آپ کو پتہ چلے گا کہ یہ سنگل کہاں سے آتے ہیں۔ اور پھر کوئی یہ نہ سمجھے کہ ان چودہ ارب سے آگے اور کچھ نہیں ہے۔ ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ سائنسدان جب ان مسائل پر غور کرتے ہیں تو وہ اس دنیا کے نہیں رہتے کیونکہ معمولی انسان کا دماغ یہ سب کچھ سوچ نہیں سکتا اور اس لیے کہا جاتا ہے کہ سائنسدان نیم پاگل ہوتے ہیں۔ سچ تو یہ ہیں کہ ان کی دنیا ہماری دنیا نہیں ہے وہ اپنی دنیا میں رہتے ہیں اور اپنی ہی طرح سوچتے ہیں۔ ایٹم بم سے متعلق ان دلچسپ معلومات کے بعد اتنا اور سن لیجئے کہ بھارت کے ایٹمی تجربہ سے امریکہ، روس، برطانیہ، فرانس، جرمنی، جاپان اور یہاں تک کہ کوریا بھی سب بھارت کی مذمت کرنے میں پیش پیش دکھائی دیتے ہیں۔ عالمی بینک ۹۸ء کے سال کے لیے ہندوستان کو جو تین ارب ڈالر کا قرض دینے والا تھا شاید وہ روک دے ۶۰ لاکھ کڑور ڈالر کی مدد دینی تھی وہ بھی رک جائے گی اور دیگر ممالک نے بھی بھارت کو امداد دینی منارکھنے کی بات کہی ہے اس کے باوجود بھارت نے ایٹمی تجربہ کر کے غیر معمولی ہمت و جرات کا جو مظاہرہ کیا ہے وہ قابل تعریف و لائق صد تحسین و مبارکباد ہے۔ اور اس کے لیے وزیراعظم ہندوستان جناب اٹل بھاری واکھی کے لیے تمام ہندوستانیوں کی طرف سے آفریں صد آفریں!

ہندوستان کے آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی طرف سے ہندوستانیوں کے نام تیسرا اعلان بریلی میں شائع ہوا تھا۔ اس میں انہوں نے کہا تھا ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں! اٹھو بھائیوں! خدا نے جتنی برکتیں انسان کو عطا کی ہیں ان میں سب سے قیمتی برکت آزادی ہے۔ ہمیں بہر صورت اپنی آزادی عزیز ہے امریکہ، برطانیہ، روس یا کسی دیگر ملک کی ناراضگی کی ہمیں کوئی پرواہ نہیں ہے!

لف! یہ مہنگائی.... جس نے ہر ہندوستانی کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے! آٹا دال تھی چاول تیل

سب ہی کی قیمتیں آسمان کو چھو رہی ہیں۔ کوئی وقت تھا جب غریب دال روٹی اپنی تقدیر سمجھتا تھا آج اوسط درجہ کے لوگوں کے لیے دال روٹی کی فراہمی بھی ایک مشکل مرحلہ بن گیا ہے۔ غریب و مزدور کے بس میں دال روٹی نہیں۔ درمیانہ طبقہ کے لوگوں کے لیے جب دال روٹی ملنا محال ہوتا جا رہا ہے پھر یہ مہنگائی کی بار اس سائنسی دور کے انسان کو کہاں لے جا کر پٹھے گی یہ ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ ارباب حل و عقد کے لیے ضروری ہے کہ مہنگائی کے مسئلے کو ہر زاویہ نگاہ سے اولیت دیں اور اسے حل کریں۔ مہنگائی کو ختم کرنا تو مشکل ہے مگر مہنگائی کی تیز رفتاری پر تو کام دیا ہی جاسکتا ہے اور ہم ان صفحات میں مہنگائی کی رفتار پر نگاہ دینے کے لیے حکومت ہند سے سوڈانہ گزارش کریں گے۔

احادیث نبوی کا شاندار ذخیرہ

## ترجمان السنہ

چار جلدوں میں

ترجمان السنہ حدیث شریف کی ایک لاجواب کتاب ہے جس کے ذریعے سے فرمودات نبوی کا نہایت اہم اور مستند و معتبر ذخیرہ نئے عنوانوں اور نئی ترتیب کے ساتھ عام فہم زبان میں منتقل کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں احادیث نبوی کے صاف و سلیس ترجمہ کے ساتھ تمام متعلقہ مباحث کی دلپذیر تشریح و تفسیر کی گئی ہے اور اس تشریح میں سلف صالح کی پیروی کے ساتھ جدید ذہنوں کی بھی پوری پوری رعایت کی گئی ہے۔

قیمت مکمل چار جلدیں غیر جلد — ۷۰۰ روپے \* مجلد — ۸۲۰ روپے

منگوانے کا پتہ

ندوة المصنفين 4136 • اردو بازار دہلی ۶

تیسری قسط

# مغربی فن تعمیر پر

اسلامی فن تعمیر

## کے اثرات

از مارٹن۔ ایس۔ برکس

ترجمہ: جناب سید مبارز الدین صاحب رفعت ایم اے

سامرہ کی جامع کبیر بہت وسیع و عریض عمارت ہے اور کافی تاریخی اہمیت کی حامل ہے اس میں ایک صحن ہے مکہ کی سمت میں ایک وسیع حرم ہے اور سخن کی مالقی سمتوں میں کافی وسیع برآمدے ہیں۔ احاطہ کی زبردست دیوار میں چاروں گوشوں پر ایک مدور برج اور ان برجوں کے درمیان نیم مدور برج ہیں۔ حرم کی شمالی دیوار میں چھوٹے درپچوں کی ایک قطار ہے ان درپچوں کے سرے نعل داریا کثیر برگی ہیں۔ یہ نمایاں خصوصیت قرطبہ میں بھی دکھائی دیتی ہے اس کے بارے میں ہاول کا خیال ہے کہ اس کی اصل شکل نے بدھ متی عہد کے ہندوستان میں جنم لیا تھا۔<sup>۱</sup>

<sup>۱</sup> ای بی ہاول، ہندوستانی فن تعمیر، (دوسرا ایڈیشن۔ لندن ۱۹۲۷ء) ص ۸۵، ۸۶۔

کمان کو دیکھ کر ظاہر کیا تھا لیکن اھنڈ کی اس کمان کے بارے میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اصل میں یہ بانس کی بنی ہوئی جھونپڑی کی شکل ہے اور اس کی نقل یہاں پتھر میں بنائی گئی۔ اس طرح ایسی اور نہ کسی اور

اگر ہاول کا خیال غلط ہے تو پھر مغربی فن تعمیر میں ایسی کمان اور اس کے تمام تعلقات مسلمانوں کا عطیہ ٹھہرتے ہیں۔ اس سے زیادہ اہم چیز قدیم عمارتوں کے ستونوں کے استعمال کا ترک کرنا ہے جیسے کہ یہ ستون چھتوں کو اٹھانے کے لیے قرطبہ اور دوسری جگہ استعمال ہوئے ہیں۔ ان قدیم ستونوں کی جگہ اینٹ کے پایوں نے لے لی ہے۔ یہ پائے ایک مربع بنیاد دے کر بشت پہل بنائے گئے ہیں اور ہر پائے میں چار مدور یا بشت پہل سنگ مرمر کے دہرے لگائے گئے ہیں۔ یہ ایک اور چیز ہے جو مغربی فن تعمیر میں داخل ہو گئی ہے سامرہ اور اس کے بعد جامع ابن طولون میں جو عجیب و غریب چکر کھاتا مینار بنایا گیا ہے وہاں مینار پھر آئے نہیں بنایا گیا۔

قاہرہ کی جامع ابن طولون ۱۱۷۱ء میں بنی شروع ہوئی بہت سے مصنفوں نے اس مسجد کا حال تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ لیکن اسلامی فن تعمیر کی تاریخ میں اس کی اہمیت کچھ گھٹ سی گئی ہے جب سے کہ ہمیں اس کی بعض نمایاں ترین خصوصیتیں عراق (موسلمینیا) میں اس سے بھی قدیم تر عمارتوں میں مل گئی ہیں۔ یہ ایک وسیع جامع مسجد ہے۔ اس کا نقشہ تقریباً مربع ہے اور اس کا صحن تمام سمتوں سے چھتے دار برآمدوں سے گھرا ہوا ہے، حرم کا ایوان دوسرے ایوانوں کی بہ نسبت زیادہ عمیق ہے۔ مسجد کی اصل دیواروں کے باہر چار دیواری سے گھرا ہوا ایک احاطہ (زیادہ) ہے۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جو اس سے پہلے کی مسجدوں میں کہیں نہیں ملتی۔ بیرونی دیواریں بہت دبیز ہیں۔ اور ان کے اوپر تزئینی گھڑ گج لگائے گئے ہیں۔ یہی گھڑ گج، جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے گو تھک فن تعمیر کے جالی دار اور چونیوں والی منڈیروں کے لیے نمونہ بنے (ہر قسم کے گھڑ گج آشوریہ ہیں آٹھویں صدی قبل مسیح میں اور مصر میں اس سے بھی پہلے مستعمل تھے) گھڑ گج کے نیچے کنیلے درپچوں کے موکھوں کی قطار ہے جن کے اندر پلاستر میں کئی ہوئی جالیاں بٹھائی گئی ہیں اور پھر ان کے بیچ بیچ کیے بعد دیگرے کیلی محرابیں ہیں جن کے سرے کثیر برگی یا نعل دار ہیں،

قسم کی کمان کے ہندوستان میں پیدا ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مدت ہوئی ہاول کا خیال غلط

ثابت ہو چکا۔ لے دیکھیے میری کتاب (اسلامی فن تعمیر، آکسفورڈ ۱۹۲۲ء) کا تیسرا باب (ترجم)

چھتے اینٹ کے زبردست پایوں پر مشتمل ہیں اور گوشوں میں دیوار سے لگے ہوئے خشتی دھرے دیئے گئے ہیں ان کے اوپر کھلی کمانیں ہیں اور سطح جست کے پاس ان کا گھڑ فعلی خماؤ بس یوں ہی محسوس ہوتا ہے۔ اس طرح عمارت کا پورا ڈھانچہ چوبی چھت کی سطح تک خشتی ہے اور اس پر سادہ یا تزئینی سنگسٹر لگایا گیا ہے بلا مبالغہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ مسجد ہر لحاظ سے عراقی (مسوٹھمیائی) طرز کی مسجد ہے اور سامرہ اور بغداد کی مسجدوں کے نمونوں پر بنائی گئی ہے جن سے اس مسجد کا بانی ابن طولون اپنے عہد جوانی میں خوب واقف تھا، مذکورہ خصوصیات کے سوا دوسری جدتوں میں لکڑی میں کندہ کیے ہوئے کوئی کتبے بھی ہیں (تزئینی اغراض کے لیے حروف تہجی کا یہ استعمال نہایت درجہ ماہرانہ ہے) ان کے سوارنگ میں عملاً تمام نمایاں سطحوں پر تزئین کاری ہے جو زیادہ تر سفید سنگسٹر سے بنائی گئی ہے اور چھت کی چوبی شہتیروں پر بھی یہ کام کیا گیا ہے۔ قبلہ نما محراب کا نقشہ بہت واضح بنایا گیا تھا، جو اب بدل دیا گیا ہے اس کے صحن کے وسط میں ایک فوارہ بھی ہے (یہ وہ اصلی عمارت نہیں جس کے اوپر ایک گنبد بھی تھا) نئی چیزوں میں چھت سے لٹکتے ہوئے شاندار جھاڑ فانوس بھی ہیں۔

نویں صدی کے آخر سے لے کر بارہویں صدی کے ختم تک کی باقی ماندہ اسلامی عبادت گاہوں یعنی مسجدوں کی گنتی زیادہ نہیں ہے اس عرصے میں کافی فوجی عمارتیں بنتی رہیں۔ اور یہ بات تو اب تسلیم کر لی گئی ہے کہ صلیبی لڑائیاں لڑنے والوں نے شام اور مصر کے قلعوں سے بہت سی چیزیں حاصل کی تھیں۔ کیونکہ شام اور آرمینیا میں صدیوں پہلے سے سنگی تعمیر بہت اونچے درجے پر پہنچ چکی تھی۔ مثال کے طور پر اہل یورپ نے مشربیات<sup>۱</sup> (Machiolation فسیل میں روزن) کا استعمال اسی واسطے سے سیکھا ہے۔

<sup>۱</sup> Machiolation بڑے بڑے چھجوں یا توڑوں کی ایسی ترتیب جس میں چھجے یا توڑے نزدیک نزدیک اور منڈیر کی دیوار کے ساتھ بنائے جاتے ہیں۔ چھجے کے ہر جوڑے کے درمیان ایک موکھا (اس کے لیے فرانسیسی زبان میں Machioulos کا لفظ آتا ہے) ہوتا ہے اس موکھے میں فرشی دروازہ لگا ہوتا ہے۔ اس سے کھولتا ہوا تیل یا پانی اور دوسری ناخوشگوار چیزیں نیچے دیواروں میں سرنگ لگانے کی کوشش کرنے والے محاصرین کے سروں پر پھینکی جاسکتی ہیں۔ ایسے روزنوں والے چوبی چھجے جو



قاہرہ کے قلعہ پر مسٹر کے۔ اے۔ سی۔ کرسول نے جو مضمون لکھا ہے اس کے ایک ضمیمہ میں انھوں نے مشربیات کا جائزہ لیا ہے۔ انہوں نے بتایا ہے کہ شام میں اس کی جو ابتدائی چھ سات مثالیں گنتائی جاتی ہیں وہ حقیقت میں باہر کو نکلے ہوئے اسی طرز کے چھوٹے سے پاخانے ہیں جن کا رواج حالیہ زمانے تک عام تھا جزیرہ جرسی (Jersey) کے شہر جوری (Gorey) میں ایک پائے پر بنا ہوا ایسا ہی ایک پاخانہ اب بھی زیر استعمال ہے۔ باقی تین مثالوں میں سب سے قدیم مثال چھٹی صدی عیسوی کے وسط کی ہے اور یہ مشربیات بلندی سے پتھر وغیرہ پھینکنے کے لیے استعمال ہوئی ہیں۔ چھٹی صدی عیسوی کے یہ معنی ہوئے کہ یہ مثالیں اسلام کے آغاز سے پہلے کی ہیں۔ ان مثالوں پر مسٹر کرسول کے مضمون لکھنے کے بعد شام کے علاقے میں رصافہ کے مقام پر قعر الحیر میں ایک اسلامی مثال دریافت ہوئی ہے۔ جو ۲۰۷ء کی ہے ایسی ہی دو مثالیں قاہرہ کے ایک دروازے باب النصر (۱۰۸۷ء) کے اوپر بنی ہوئی ہیں اس دروازے کو آرمینی سنگ راجوں نے بنایا تھا۔ یہ صاف طور پر مشربیات ہیں اور انہیں دروازے کی حفاظت کے لیے بنایا گیا تھا۔ یہ مثالیں یورپ کی ایسی اولین مثالوں سے کوئی ایک سو سال پہلے کی ہیں جو چیا تو گلارڈ (۱۱۸۴ء)، شالون (۱۸۸۶ء)، تاروج (۱۱۸۷ء) اور ونچسٹر (۱۱۹۳ء) دکھائی دیتی ہیں۔ اس طرح یہ بات واضح ہے کہ صلیبی محاربوں نے مسلمانوں سے اس کا خیال لیا ہے نہ کہ مسلمانوں نے صلیبی محاربوں سے۔ فرانس اور انگلستان کے چودھویں صدی کے قلعوں میں یہی مشربیات توڑوں کی قطاروں میں بنائے گئے اور اسی طریقے کو ان ملکوں میں بہت ترقی دی گئی۔

Howrds (Hoardding) یا Breteches (Brattice) کہلاتے ہیں اسی مقصد کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔

Mr. K.A.C. Creswell, In Bulletin De Wnstiteit Francaïn D Archeolo-

gie, Orientale. Vol. 23 (cairo 1924)

Chateau Gaillard ۲

Chatillon ۳

Norwich ۴

Winchester ۵

فوجی تعمیر کاری کی ایک اور چیز جو مصر اور شام سے اہل یورپ نے لی ہے وہ قلعہ کی تفصیل میں زاویہ قائمہ والا یا بل کھایا ہوا دروازہ ہے۔ اس کے ذریعہ سے دشمن کو جسے قلعہ کے دروازے تک پہنچنے میں کامیابی حاصل ہو گئی ہو قلعہ کے اندر کا حال دیکھنے یا گولہ باری کرنے سے روکا جاسکتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے دروازے سے رومی یا بازنطینی فن حرب بے بہرہ تھا۔ رومی اور بازنطینی فن حرب میں تو یکے بعد دیگرے مدافعتی دروازے ایک ہی محور پر بنائے جاتے تھے اور ان کا درمیانی فصل 'پروپگناکولم' (Propugnaculum) کہا جاتا تھا۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے ایسے بل کھائے ہوئے دروازے بغداد کے مدور شہر (آٹھویں صدی) میں استعمال کیے گئے تھے۔ قاہرہ میں سلطان صلاح الدین کے بنائے ہوئے قلعہ (تعمیر کی ابتداء ۱۱۷۱ء) میں یہ پھر دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی سب سے بہترین مثال حلب کے قلعہ میں دکھائی دیتی ہے۔ ایسے دروازے شاذ و نادر ہی انگلستان میں دکھائی دیتے ہیں، اگرچہ اس کی ایک عمدہ مثال بیومارس (Beaumaris) میں دکھائی دیتی ہے فرانس میں یہ زیادہ مقبول رہے اور سرکاسونے (Carcassonne) میں یہ بہت نظر آتے ہیں لیکن ان دونوں ملکوں میں مستحکم قلعوں کی فصیلوں کے لیے محرف دروازے زیادہ پسند کیے جاتے تھے۔ پیری فانڈس (Pierrefonds) اور کانوے (Conway) کے قلعے اسی کی مثالیں ہیں۔

ہندوستان میں پرانی دہلی کی عمارتوں سے پہلے کی کوئی اہم اسلامی عمارت موجود نہیں۔ پرانی دہلی کی عمارتیں تیرہویں صدی کے ابتدائی سالوں کی ہیں۔ ایشیائی ترکی میں بھی کوئی قابل ذکر چیز نہیں، یہاں بھی اسی زمانے کے لگ بھگ قونیہ کے مقام پر سلجوقی بادشاہوں کی بنائی ہوئی عمارتوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ اسپین اور شمالی افریقہ میں فوجی تعمیر کاری سے قطع نظر اہم آثار میں قرطبہ کی جامع مسجد میں بعد کے زمانے کا کام ہے یہاں دسویں صدی کے نصف دوم میں کافی توسیعی کام ہوا ہے۔ ایسے ہی اشبیلیہ (۱۱۷۲ء - ۱۱۹۵ء) اور رباط (۱۱۷۸ء - ۱۱۸۴ء) کے نفیس مینار ہیں۔<sup>۱</sup>

<sup>۱</sup> اشبیلیہ کا مینار اب جیرالڈ ٹاور (Giralda Tower) کہلاتا ہے۔

یہ دونوں مینار نعل دار چھتوں سے مزین ہیں جو بعد کے کھڑکیوں کے اوپر کے آرائشی  
گو تھک کام سے مشابہ اور اس طرز کے پیش رو ہیں۔ اپنی خصوصیات کے لحاظ سے یہ کام  
بہت دلچسپ ہے۔ اس میں گنبد سازی کا کمال بھی شامل ہے لیکن خود اسپین سے باہر اس کام  
نے تعمیر کاری کے ارتقا پر کوئی خاص اثر نہیں ڈالا۔ صقلیہ میں پلاٹینا کا کلیسا (Coppella  
Pilatina) ۱۱۳۲ء میں بنا، مار تورانا کا گر جا (Martorana) ۱۱۳۶ء میں بنا، لازری زا کا  
قصر ۱۱۵۴ء میں، اور لا کو با کا قصر (Lacuba) ۱۱۸۰ء میں بنا۔ یہ تمام مسلمہ ستین ہیں اور یہ  
سب کے سب اس جزیرے پر مسلم اقتدار کی حد کے باہر پڑتے ہیں۔ اس جزیرے کے صدر  
مقام بلرم (Pabrm) سے مسلم اقتدار ۱۰۶۰ء میں اور بحیثیت مجبومی پورے جزیرے  
صقلیہ سے ۱۰۹۰ء میں اٹھ گیا۔ لیکن اگر یہ عمارتیں نارمنوں کی بھی بنائی ہوئی ہیں تب بھی  
ان میں خالص اسلامی خصوصیات کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ ایسی ہی اسلامی خصوصیات خود  
اطالیہ میں یعنی امانی (Amalfi) اور سیارنو (Salerno) کے شہروں میں بھی دکھائی  
دیتی ہیں ایران میں اس عہد کی اہم عمارتوں میں اصفہان کی مسجد، مسجد جمعہ، اور مومصل کی  
جامع مسجد (۱۱۴۵ء-۱۱۵۱ء) ہے یہ دونوں مسجدیں بڑی جامع مسجدیں ہیں۔ اول الذکر مسجد  
میں کافی تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ ایرانی مسجدیں اینٹ سے بنتی تھیں۔ اس لیے انہیں سنگستر کی  
منبت کاری اور روغنی ٹائیلوں سے سجایا جاتا تھا۔ روغنی ٹائیلیں لگانے کا شوق تو اتنا بڑھا کہ  
آگے چل کر شام اور مصر جیسے ملکوں میں اب تک جہاں پتھر استعمال ہوتا تھا، ان ٹائیلوں کو  
استعمال کیا جانے لگا۔ ایرانی مسجدوں میں مینار عام طور پر جوڑی میں بنائے جاتے تھے۔ یہ مینار  
استوانی شکل کے ہوتے تھے اور اوپر کو قدرے گاؤم ہوتے جاتے تھے اور رنگین روغنی  
ٹائیلوں سے پٹے ہوتے تھے۔

دنیا میں ہمیشہ غلط کار لوگوں کا یہ خاصہ رہا ہے کہ غلط کاروں کی پوری تاریخ ان کے سامنے  
ہوتی ہے مگر وہ اس سے سبق نہیں لیتے، حتیٰ کہ اپنے پیش رو غلط کاروں کا جو انجام خود ان کے اپنے  
ہاتھوں سے ہو چکا ہو تا ہے اس سے بھی انہیں عبرت حاصل نہیں ہوتی، وہ سمجھتے ہیں کہ خدا کا قانون  
مکافات دوسروں ہی کے لیے تھا، ان کے لیے اس قانون میں ترمیم کر دی گئی ہے۔

چوتھی اور آخری قسط

# زمینداری اور جاگیر داری کا تاریخی پس منظر

از جناب مولوی تقی الدین صاحب بہاری

خلیفہ کے اختیارات

حکومت الہی میں زمین و جائیداد ذاتی و قار اور اقتدار بڑھانے کے لئے نہ ہوتی تھی بلکہ عام مفاد اور خدمتِ خلق کا ذریعہ سمجھی جاتی تھی جب تک مفادِ خلق کی خدمت ہوتی رہتی خلافت کو کوئی دخل دینے کی ضرورت نہ تھی اگر اس کی خلاف ورزی ہوتی تو خلافت ہر قانون اور ہر تصرف کی مجاز تھی۔

قوم حیلہ سے ”قطاع“ واپس لے لینا اور بلال بن حارثؓ مرنی کے قبضہ سے غیر آباد آراضی نکال لینا اور اس قسم کے جتنے واقعات اوپر مذکور ہو چکے ہیں اسی حقیقت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

اور اسی بناء پر حضرت عمرؓ نے ایک موقع پر فرمایا تھا۔

لنا رقاب الارض لہ زمینیں دراصل ہماری (خلافت کی) ہیں

لہ الاموال ص ۲۷۹

اور حضرت علیؑ نے ایک شخص کے اسلام قبول کرنے کے بعد فرمایا تھا۔

ان ارضك فلنا<sup>۱</sup> بے شک تیری زمین ہماری (خلافت کی) ہے

انہی تصریحات کے پیش نظر ابو بکر حبصاً<sup>۲</sup> کہتے ہیں۔

ہر وہ زمین جس کی آباد کاری سے لوگ عاجز رہیں اور حقوق عامہ پائمال ہوں تو اس کے انتظام کے بارے میں خلافت کو پورا اختیار ہے۔<sup>۳</sup>

اور قاضی ابو یوسف کہتے ہیں۔

ولا يخرج من يده من ذلك اهل قطائع کو خلیفہ (بلاوجہ) بے دخل

شیں الا بحق يجب له عليه فيا نہ کرے، ہاں اگر حقوق واجبہ کی

خذه بذلك الذی وجب له<sup>۴</sup> ادائیگی نہ ہو رہی ہو تو بے دخل

کرنے کا پورا اختیار ہے۔

قاضی صاحب کا یہ جملہ ”الابحق يجب له عليه“ قابل غور ہے اپنے عموم مفہوم کی

بناء پر حقوق عامہ ہر جائز حق اور خلیفہ کے ہر جائز تصرف کو شامل ہے۔

امام ابو حنیفہ کے مندرجہ ذیل الفاظ سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے۔

ان نواحی دار الاسلام تحت دار الاسلام کے جملہ اطراف خلیفہ

یدامام المسلمین<sup>۵</sup> المسلمین کے زیر اقتدار ہوتے ہیں

علامہ یعنی ایک موقع پر کہتے ہیں

ان حکم الاراضی الی الامام<sup>۶</sup> دراصل زمین کا معاملہ خلیفہ کے

سپردہ ہے

اسی لئے خلیفہ کو مفاد عامہ کے پیش نظر موقوفہ آراضی میں بھی واقف کی مقرر کردہ

شرطوں کی مخالفت جائز ہے۔ چنانچہ آراضی موقوفہ کی بحث میں فقہ کی یہ تصریح ہے:

<sup>۱</sup> الاحکام القرآن (ج ۳) ص ۵۳۳

<sup>۲</sup> حوالہ بالا<sup>۳</sup> الخراج ص ۶۰

<sup>۴</sup> مبسوط (ج ۱) ص ۱۹۳ از اسلام کے معاشی نظریے<sup>۵</sup> یعنی (ج ۶) ص ۲۹

لان اصلہا لیت المال ۱ اس لئے کہ زمینیں حقیقتاً بیت المال  
(حکومت) کی ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ حکومت الہی میں زمین جائیداد پر کسی کے قبضہ ہونے کا صرف یہ مطلب تھا کہ قابض کو بحیثیت امین اس کے استعمال کا حق حاصل ہو۔ یہ امانت اس کے قبضہ میں اسی وقت تک باقی رکھی جاتی جب تک وہ خلق اللہ کے مفاد میں خلافت کا ہاتھ بٹا سکتا اور ایسی فضاء پیدا کرنے میں مددگار بنتا جو مخلوق کی خوشحالی اور ترقی کی ضامن ہو۔ جب اس کی خلاف ورزی ہوتی اور امانت میں خیانت کا اندیشہ ہوتا تو خلیفہ بلا پس و پیش اسے آراخی سے بے دخل کر دیتا جو بہتر صورت مناسب ہوتی عمل میں لاتا تھا۔

خلیفہ کے اس اقدام میں نہ حقوق ملکیت کا ”گورکھ دھندا“ حائل ہوتا اور نہ جذباتی چیزیں رکاوٹ بن سکتی تھیں چونکہ خلافت کے لئے ہر شخص کے ذاتی مفاد کا خیال رکھنا بھی ناگزیر تھا اس لئے ہر تصرف اور ہر فیصلہ میں اس کا بھی لحاظ رکھا جاتا تھا۔

### صاحب زمین کے اختیارات

زمانہ خلافت میں صاحب زمین کو مندرجہ ذیل اختیارات حاصل تھے :

**وقف :** وقف کار دستور قرن اول میں بکثرت پایا جاتا ہے اسلام میں سب سے پہلے واقف حضرت عمرؓ نے اپنا خیر کا حصہ جو فوجیوں میں تقسیم کے وقت آپ کو ملا تھا فی سبیل اللہ وقف کر دیا تھا۔ ۲

حضرت طلحہؓ نے اپنا محبوب ترین باغ اللہ کی راہ میں وقف کر دیا تھا۔ ۳

حضرت علیؓ نے مصر میں زمین اور مکان وقف کیا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے مکہ اور مدینہ کے مکانات وقف کیے حضرت سعدؓ نے ایک مکان مدینہ میں اور ایک مکان مصر میں وقف کیا۔ حضرت ارقمؓ نے اپنا وہ مکان وقف کر دیا جس میں رسول اللہؐ نے قیام فرمایا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت زبیرؓ بن العوام نے اپنے مکہ کے مکان وقف کیے۔ فاروق اعظمؓ نے مکہ میں مردہ کے پاس کا مکان وقف کیا ان کے علاوہ بکثرت واقف متعدد احادیث سے

۱۔ در المختار (ج ۱) ۲۔ بخاری و مسلم ۳۔ بخاری کتاب البصر

ثابت ہیں۔<sup>۱</sup>

ایک شخص نے اپنی ماں کے انتقال کے بعد ایک باغ صدقہ کر دیا تھا۔<sup>۲</sup>  
یعنی شارح بخاری کہتے ہیں۔

وقف اور صدقہ دونوں قریب المعنی اور دونوں کا ایک حکم ہے۔<sup>۳</sup>  
وقف کی صحت کے بعد واقف کو مالکانہ تصرف کا حق نہ رہتا بلکہ اس کا پورا انتظام  
خلافت کے ذمہ ہو جاتا تھا۔

رسول اللہ نے موقوفہ زمین کے متعلق فرمایا

لاتباع ولا توہب ولا نورث<sup>۴</sup> نہ بیچی جائے نہ ہبہ کی جائے نہ وراثت  
جاری ہو

چونکہ آراضی کا اصل تعلق خلیفہ اور بیت المال سے ہوتا تھا اس لئے خلافت کو عام  
مفاد کے پیش نظر واقف کی مقرر کردہ شرطوں کی مخالفت کا بھی حق حاصل تھا۔  
اس بارے میں فقہ کی یہ تصریح ہے۔

ان السلطان یجوز له مخالفة	جب وقف کی اکثر جہات گاؤں اور
الشرط اذا كان غالب جهات	مزرعوہ زمین ہو تو خلیفہ کا حکم نافذ
الوقف قری ومزارع فیعمل	العمل ہوگا اگرچہ واقف کی شرائط کے
بامره وان غایر شرط الواقف	خلاف ہو کیونکہ گاؤں اور زمینیں
لان اصلها لبیت المال <sup>۵</sup>	در اصل بیت المال کی ہیں۔

ہشتم : جائیداد وغیرہ منقولہ زمین، مکانات، باغات کا ہبہ قانوناً صحیح مانا جاتا تھا کلام عرب میں  
اس کے ہبہ کے لئے کئی لفظ مستعمل تھے، مثلاً  
عمری : قرآن کریم میں اس کا مادہ یہ ہے

واستعمرکم فیہا پ<sup>۶</sup> اللہ نے تم کو زمین میں بسایا

محدثین و فقہاء کے اقوال اور اہل زبان کے محاورہ سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے

۱۔ نصب الراية ۲۔ یعنی (ج ۶) ص ۵۱۴ ۳۔ حوالہ بالا ۴۔ بخاری و مسلم ۵۔ در المختار (ج ۱)

کہ عمری کے معنی ”زمین، باغ، مکان کسی کو پوری زندگی کے لئے دے دینا“ کے ہوتے تھے۔<sup>۱</sup>

زمانہ خلافت میں اس قسم کے عطیات عموماً تین طرح دیئے جاتے تھے۔

(۱) زمین یا مکان رہنے اور کاشتکاری کے لئے کسی کو دے دیا اور یہ بات بھی صاف کر دی کہ تو اس کا مالک ہے اور تیرے بعد تیرے ورثہ مالک ہوں گے۔

(۲) صرف اتنا کہا کہ یہ تجھ کو دیتا ہوں مرنے کے بعد کا کچھ ذکر نہ کیا۔

(۳) دیتے وقت یہ شرط کر لی کہ تیرے مرنے کے بعد میری طرف یا میرے ورثہ کی طرف منتقل ہو جائے گا۔

ان تین صورتوں میں موہوب لہ (جس کو دی گئی ہے) موہوبہ شے کا مالک ہو جاتا اور اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثہ کی طرف منتقل ہو جاتی، دینے والے کا کوئی حق نہ رہ جاتا تھا۔ چنانچہ اس بارے میں رسول اللہ کا فرمان یہ ہے۔

”عمری اس شخص کی ملک ہے جس کو دیا گیا پھر اس کے بعد اس کے ورثہ پر منتقل ہو جائے گا۔“<sup>۲</sup>

عام طور پر لوگ دیتے وقت واپسی کی شرط کر لیا کرتے رسول اللہ نے شرط کو باطل قرار دیا اور اصل ہیہ کو جائز رکھا تھا۔<sup>۳</sup>

بعض حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ معاملات میں شرطوں کے مطابق فیصلہ ہونا چاہئے اور عمری میں شرط باطل قرار دی جاتی تھی اس کی وجہ یہ ہے کہ ان حدیثوں میں وہی شرطیں مراد تھیں جن کے جواز میں نص صریح ہو یا کم از کم شارع کے اقوال و افعال سے اس کی تردید نہ ہوتی ہو رہ گئیں وہ شرطیں جو اصولاً لغو اور باطل ہوتیں یا باہمی نزاع اور فساد پر مبنی ہوتیں تو ان کے جواز کی یا باقی رکھنے کی کوئی گنجائش نہ تھی جیسا کہ بعض روایتوں میں اس کی تصریح بھی موجود ہے۔<sup>۴</sup>

جن بعض حدیثوں میں اس قسم کے عطایا سے ممانعت آتی ہے اس کی دو وجہ ہیں۔

۱۔ احکام القرآن (ج ۳) ص ۲۰۳۔ بخاری و مسلم وغیرہ۔<sup>۲</sup> مسلم (ج ۲) باب العمری نیز بیہقی (ج ۶)

ص ۳۱۰ احکام القرآن (ج ۳) ص ۲۰۳۔ شرح معانی الآثار اور نووی شرح مسلم (ج ۲) ص ۳۸



(۱) عام طور سے انہیں شرائط کے ساتھ عطیہ دئے جاتے جو جاہلیت میں رائج تھے۔<sup>۱</sup> اور وہ عموماً باہمی نزاع اور فساد پر مبنی ہوتیں۔

(۲) رسول اللہ بحیثیت خلیفہ اس قسم کے تصرفات سے محض اس بناء پر روک دیتے کہ آپ کو لوگوں کی ضرورتوں کا علم تھا ابتداء کسی شے کا دے دینا آسان ہوتا ہے بعد میں اس کا خمیازہ بھگتنا مشکل ہوتا ہے۔

چنانچہ یحییٰ کہتے ہیں۔

رسول اللہ کو اصل مالکوں کی ضرورت اور صبر نہ کر سکنے کا علم تھا اس بناء پر آپ نے منع فرما دیا تھا۔

اور علامہ نووی کہتے ہیں۔

اس ممانعت سے رسول اللہ کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو صحیح حقیقت حال سے آگاہ کر دیں کہ اس قسم کے عطایا اسلامی اصول کے مطابق تمہاری ملکیت سے نکل جائیں گے اس لئے جو کچھ کرو سوچ سمجھ کر کرو اب ایسا نہ ہو گا کہ دینے کے بعد پھر واپس لے لے جیسے پہلے کیا کرتے تھے۔<sup>۲</sup>

حاصل یہ ہے کہ زمانہ خلافت میں عمر کی اسی وقت قابل تسلیم تھا جب کہ دینے والے کے حالات اس کی اجازت دیتے ہوں ورنہ خلافت کو روک دینے کا حق حاصل تھا۔

رقبی

رقبی کی ایک یہ صورت منقول ہے کہ

کوئی شخص کسی سے کہتا کہ میں نے اپنا گھریا زمین تجھ کو دے دیا اگر میں پہلے مردوں کا تو تیرے پاس رہے گا اور تو مرے گا تو میرا ہو جائے گا۔<sup>۳</sup>

اس صورت میں تملیک مرنے کے بعد معلق رہتی تھی۔

رقبی کی ایک صورت یہ بیان کی جاتی ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے کہ

میں نے تجھ کو مالک بنا دیا اس شرط پر کہ اگر تو پہلے مرے تو میری طرف واپس آئے گا۔

<sup>۱</sup> یعنی (ج) ۶ ص ۳۰۹ حوالہ بالا۔<sup>۲</sup> نووی (ج) ۲ ص ۳۸۴۔<sup>۳</sup> یعنی (ج) ۶ ص ۳۰۹

اور میں پہلے مردوں تو ترے ہی پاس رہے گا۔<sup>۱</sup>  
اس صورت میں انتظار رجوع اور عدم رجوع کے متعلق ہوتا تھا اور تملیک فی الحال ہو جاتی تھی، رقبی کے حکم کے بارے میں امام نسائی نے ابن عباس سے موقوفایہ روایت نقل کی ہے۔

العمری والرقبی سواء<sup>۲</sup> عمری اور رقبی دونوں برابر ہیں

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ کے زمانہ میں رقبی کی جو صورت رائج تھی وہ عمری سے زیادہ مختلف نہ تھی اسی لئے دونوں کا یکساں حکم بیان کیا گیا۔ اگر ایک میں فی الحال تملیک پائی جاتی اور دوسرے میں معلق رہتی تو یکسانیت کا کوئی مطلب نہیں رہ جاتا۔ کیونکہ لغوی اعتبار سے عمری کے معنی آباد کرنا اور رقبی کے معنی انتظار کرنے کے ہیں اسی لئے محققین کے نزدیک رقبی کی دوسری تعریف صحیح سمجھی جاتی ہے اور زمانہ خلافت میں رقبی کی جو صورت رائج تھی اس کا حکم عمری جیسا بیان کیا جاتا ہے۔

اس باب میں ممانعت کی حدیثوں کا وہی جواب ہے جو عمری میں مذکور ہو چکا ہے اور ائمہ قانون کے اختلاف کی شکل حکمی اور حقیقی نہیں ہے بلکہ عرف اور رواج کی بناء پر ہے۔

یعنی جس صورت میں فی الحال تملیک نہ پائی جائے بالاتفاق ناجائز ہے اور جس میں فی الحال تملیک پائی جاتی ہو اس کو سب ائمہ جائز کہتے ہیں۔<sup>۳</sup>

**منحۃ:** رسول اللہ نے فرمایا

من کانت له ارض فلیزرعها جس کے پاس زمین ہو خود کاشت  
اولیٰ منہا اخاه (مسلم ابو داؤد) کرے یا اپنے بھائی کو مفت دے  
دے۔

ابن بطال کہتے ہیں۔

”منحۃ“ جس میں منافع کا مالک بنایا جائے ذات کا نہیں۔<sup>۴</sup>

۱۔ المعصر از فیض الباری للعلامة انورؒ عمدة القاری (ج ۶) ص ۳۰۸ حاشیہ شرح وقایہ و کنز الدقائق

و تقریر ترمذی للشیخ الہند و فیض الباری (ج ۳) و عمدة القاری (ج ۶) ص ۳۰۸

نودی کہتے ہیں۔

”منحة“ عاریۃ ہے۔<sup>۱</sup>

انور شاہ کہتے ہیں۔

کسی کو انتفاع کے لئے زمین مفت دے دینا۔<sup>۲</sup>

منجد میں ہے۔

”المنحة العطية“

ان تمام تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام عرب میں ایسے موقع پر منحة کے معنی کسی کو کاشت کے لئے سب زمین دے دینے کے ہوتے تھے۔

زمانہ خلافت میں امدادِ باہمی کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ کاشت کے لئے مفت زمین دے دی جاتی۔ کاشتکار اپنے اخراجات سے کاشت کرتا اور پوری پیداوار اسی کی ہوتی۔

اس قسم کی زمین کا حکم یہ تھا کہ کاشتکار جب اس سے مستغنی ہو جاتا یا جتنی مدت کے لئے زمین دی گئی ہے وہ مدت ختم ہو جاتی تو زمین اصل مالکوں کے حوالہ کی جاتی تھی۔

رسول اللہ نے کھجور کا پھل اور درخت اس سے مستغنی ہو جانے کے بعد ام انس کو واپس کر دیا تھا اور مہاجرین نے انصار کے بہت سے عطایا واپس کر دیئے تھے۔<sup>۳</sup>

**حق شفیعہ :** شفیعہ دراصل ایک حق ہے جو جائداد غیر منقولہ کی بیع کے وقت شریک کو اگر وہ نہ ہو تا تو پڑوسی کو پہنچتا تھا۔

اس بارے میں رسول اللہ کا یہ فرمان ہے۔

”شریک بہ نسبت پڑوسی کے زیادہ حقدار ہے اور پڑوسی بہ نسبت غیر کے زیادہ مستحق

ہے۔<sup>۴</sup>

دوسرے موقع پر آپ نے فرمایا۔

”شریک زیادہ حقدار ہے اگر شریک نہ ہو تو پھر پڑوسی۔<sup>۵</sup>

حکومتِ الہی میں اس حق کا یہاں تک لحاظ کیا گیا تھا کہ شریک کی موجودگی میں بغیر اس کو

۱۔ یعنی (۶ج) ص ۳۱۶ ۲۔ نووی (۲ج) ص ۱۲ ۳۔ فیض الباری (۳ج) ص ۳۰۲ ۴۔ یعنی (۶ج) ص ۳۱۶

۵۔ مصنف عبدالرزاق از نصب الراية و یعنی ۱۔ مصنف ابن ابی شیبہ از نصب الراية

اطلاع دیئے اور اگر شریک نہ ہو تو پڑوسی کو اطلاع دیئے بغیر بیچنا جائز نہ تھا۔  
چنانچہ رسول اللہ نے فرمایا۔

”بغیر شریک کی اطلاع دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا حلال نہیں شریک چاہے تو لے لے ورنہ چھوڑ دے اگر اطلاع دیئے بغیر فروخت کر دیا تو شریک کو اختیار ہے کہ بیع فسخ کر کے خود خریدے۔“

پڑوسی کے متعلق آپ نے فرمایا۔

”پڑوسی زیادہ مقدار ہے اگر موجود نہ ہو تو اس کا انتظار کیا جائے۔“

**حق وراثت :** صاحب زمین کے انتقال کے بعد اس کی جائیداد منقولہ وغیرہ منقولہ حسب دستور شریعت اس کے ورثہ میں تقسیم کر دی جاتی تھی۔ اس قانون وراثت کے ذریعہ ایک شخص کے پاس اتنی زیادہ زمین نہ رہنے پاتی جو دوسرے کی حق تلفی کی باعث بن یا دوسروں کی محنت سے خود عیشی کے سامان پیدا ہو سکیں کیونکہ اسلامی قانون کے مطابق جائیداد صرف بڑے بیٹے ہی کو نہیں ملتی بلکہ سب بیٹوں اور بیٹیوں اور بیویوں میں تقسیم ہوتی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔

لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ ۴۰ ۳۲

مردوں کے لئے حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ جائیں عورتوں کے لئے بھی حصہ ہے جو ماں باپ اور دوسرے رشتہ دار چھوڑ جائیں خواہ

ترکہ چھوٹا ہو یا بڑا۔

چونکہ ایسی صورت میں اس بات کا امکان تھا کہ ترکہ میں زمین تقسیم ہوتے ہوتے گزروں اور انچوں تک نوبت پہنچ جائے اور بہت سی وہ چیزیں تقسیم کرنی پڑیں جن کے تقسیم ہونے کے بعد پھر ان سے انتفاع کی شکل باقی نہ رہے مثلاً گھر وغیرہ تو اس کے لئے وقف علی الاولاد کی شکل نکالی گئی تھی جس سے صرف اس کا منافع تقسیم ہوتا اور شے اپنی جگہ پر

۱۔ مسلم و دار قطنی فی القضاء ۲۔ نصب الراية ص ۱۲

بدستور قائم رہتی تھی اور قانون شفعہ مقرر کیا گیا تھا جس کے ذریعہ پڑوسی اور شریک کو دوسروں کے مقابلہ میں ترجیح حاصل ہوتی تھی۔

**بیع و شراء :** زمانہ خلافت میں متعدد صحابہ سے زمین کی خرید و فروخت ثابت ہے۔ ابو رافعؓ صحابی نے رسول اللہ کے دیئے ہوئے قطائع فروخت کر دئے تھے۔<sup>۱</sup> عبد اللہ بن مسعود، عتبہ بن فرقہ، حسنؓ، حسینؓ، خباب بن ارت وغیرہ نے خراجی زمینیں خریدی تھیں۔<sup>۲</sup>

اسی بنا پر صاحب ہدایہ کہتے ہیں

وقد صح ان الصحابة اشتروا      یہ بات صحت کو پہنچ چکی ہے کہ صحابہ  
اراضی الخواج<sup>۳</sup>      کرام نے خراجی زمینیں خریدی  
تھیں۔

رہ گئے وہ اقوال و آثار جن سے بظاہر خراجی زمین خریدنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ عموماً فاتح قوم میں مفتوحین کے ساتھ ہر معاملہ میں ظلم و زیادتی کیا کرتی ہیں، اسلام نے اس معاملہ میں یہاں تک احتیاط برتی کہ محض احتمال کی بناء پر اس جائز حق کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا اور اعلان کر دیا کہ خراجی زمینیں خریدنا مناسب نہیں ہے البتہ جہاں اس کا اندیشہ نہیں تھا مفتوحین کی آزادی رائے کو برقرار رکھنے کے لئے خرید و فروخت کی اجازت تھی جیسا کہ متعدد صحابیوں کا خریدنا مذکور ہو چکا ہے۔

الغرض زمانہ خلافت میں صاحب زمین کو اپنی زمین پر پورے اختیارات حاصل تھے تاکہ ہر شخص آزادانہ روزی کما کر اپنے ضمیر کا استقلال باقی رکھ سکے۔

**ایک شبہ کا دفعیہ :** ممکن ہے بعض حضرات کو ان اقوال سے شبہ ہو جن سے بظاہر صاحب زمین کے اختیارات نہیں ثابت ہوتے ہیں مثلاً یہ روایت ہے کہ

”عتبہ بن فرقہ نے فرات کے کنارے کچھ زمین خریدی حضرت عمرؓ کو جب اس کا پتہ چلا تو ”عتبہ“ سے پوچھا کہ یہ زمین تم نے کس سے خریدی ہے ”کہا، زمین والوں سے“ عمرؓ نے مہاجرین اور انصار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ زمین والے تو یہ لوگ ہیں

۱۔ الخراج لابن یوسف ص ۶۱ ۲۔ الخراج للبخاری ص ۵۷ و ۵۸ ۳۔ ہدایہ (ج ۱)

کیا ان سے خریدی ہے عرض کیا ”نہیں“ فرمایا جس سے خریدی ہے واپس کر کے اس کی قیمت لے لو۔ ۱

اور جیسا کہ حضرت علیؑ نے عراق کے ایک پرانے باشندے سے اسلام قبول کرنے کے بعد فرمایا تھا کہ تری زمین خراجی ہی رہے گی کیونکہ ہماری ہے ”ان ارضک فلنا“ ۲  
حقیقت یہ ہے کہ عتبہ بن فرقہ کا واقعہ زیادہ صحیح سند کے ساتھ اس کے خلاف منقول ہے چنانچہ ”زیلعی“ نے بیہقی کے حوالہ سے یہ روایت نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔  
قال لعمرانی استرمت ارضمن ارض عتبہؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ میں نے  
السواد فقال عمرانت فیہا مثل سواد میں ایک زمین خریدی ہے آپ نے  
صاحبہا فرمایا کہ خراج کے معاملہ میں تم سابق  
صاحب زمین جیسے ہو (وہ ادا کرتا تھا تم بھی  
ادا کرو)

ان دونوں روایتوں میں عتبہؓ سے روایت کرنے والے شعبی ہیں جن کا نام عامر ہے اور شعبی سے روایت کرنے والے پہلی روایت میں ”بکیر“ ہیں جو شعبی کے صاحبزادہ ہیں اور جن کی کنیت ابواسامعیل ہے۔ دوسری روایت میں شعبی سے روایت کرنے والے مجالد بن سعید ہیں اصول روایت کے لحاظ سے بکیر ضعیف اور مجالد قوی ہے ۳ اس لئے پہلی روایت دوسری کے مقابلہ میں قابل اعتبار نہ ہوگی۔

رہ گئی حضرت علیؑ کی مذکورہ روایت تو اس کی تشریح و توضیح ذیل کی روایت سے ہوتی ہے۔

ایک دہقان (زمیندار) نے اسلام قبول کیا حضرت علیؑ نے اس سے فرمایا کہ اگر تم اپنی زمین پر قائم رہو گے تو حفاظت کا معاوضہ (جزیہ) ہٹا دیں گے اور اس کا بدل زمین سے وصول کریں گے اور اگر زمین چھوڑ دو گے تو اس کے ہم زیادہ حقدار ہیں۔  
بعینہ امیرؑ کے الفاظ یہ ہیں۔

وان تحولت عنہا فحق احق بہا ۴  
اگر تو نے زمین چھوڑ دی تو اس کے ہم زیادہ حقدار  
ہیں

۱۔ الاموال ص ۷۷ ۷۸ حوالہ بالا ۲۔ حاشیہ کتاب الخراج للہی ص ۵۷ ۳۔ احکام القرآن (ج ۳)

ابو بکر جصاصؓ ان الفاظ کی یہ تشریح کرتے ہیں کہ  
اگر تم زمین کی آبادی سے عاجز رہو گے تو ہم آباد کرائیں گے تاکہ حقوق عامہ جو زمین  
سے متعلق ہیں پائمال نہ ہوں۔ پھر آگے چل کر کہتے ہیں

یہ قانون مفتوحین ہی کی زمین کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ وہ تمام زمینیں جن کی  
آبادی سے لوگ عاجز ہیں ان کا انتظام و بندوبست خلیفہ کے ذمہ ہے۔<sup>۱</sup>

حاصل یہ ہے کہ مذکورہ اقوال سے یہ بات نہیں ثابت ہوتی کہ آراضی مفتوحہ میں  
اصل باشندوں کو اور اہل قلعہ کو تصرفات میں آزادی حاصل نہ تھی بشرطیکہ وہ تصرفات  
اجتماعی مفاد کے خلاف نہ ہوتے، ورنہ خلافت کو روک دینے کا حق حاصل تھا۔

نیز اسلامی جنگوں میں مفتوحہ زمین کے باشندے غلام نہ قرار دیئے جاتے تھے کیونکہ  
اسلام تو غلامی کا طوق گردن سے اتار پھینکنے کے لئے آیا ہے نہ کہ اس کو قائم رکھنے اور رواج  
دینے کے لئے، یہ دوسری بات ہے کہ بعض سیاسی و معاشی حالات کی مجبوری کی وجہ سے  
ابتداءً ممانعت کا قانون نہ نافذ کر سکا اور بتدریج اس کے ختم کرنے کی راہیں نکالیں۔<sup>۲</sup>

جب اسلامی قبضہ کے بعد مفتوحین اپنی فطری حریت پر باقی رہتے تو آراضی اور ان کی  
تمام اشیاء پر فطری آزادی برقرار رہنی لازمی تھی تاکہ ہر لحاظ سے مصون و مامون ہو کر  
خوشحالی و فارغ البالی کی زندگی بسر کر سکیں اور اسلام ہر طرح سے ان کے لئے رحمت ثابت  
ہو۔

اصل بات یہ ہے کہ ساری زمینیں حقیقتاً اللہ کی ملک ہوتیں اور خلافت کے انتظام و  
نگرانی میں رہتی تھیں کاشتکار و صاحب زمین کی حیثیت محض امین کی ہوتی تھی۔

جب تک مقصد (خلق اللہ کا عام مفاد) پورا ہوتا رہتا نہ خلافت کو بے دخل کرنے کی  
ضرورت پڑتی اور نہ تصرفات کو محدود کرنے کی حاجت ہوتی اور جب یہ مقصد پائمال ہونے  
لگتا یا حقوق عامہ جو زمین سے متعلق ہیں ان کے فوت ہونے کا اندیشہ ہوتا تو بلا تخصیص  
و ترجیح فاتح و مفتوح مسلم و غیر مسلم صاحب زمین کو بے دخل کر دینے یا اس کے تصرفات کو  
محدود کرنے کا پورا اختیار ہوتا تھا۔

قسط ۱

## وحدت ادیان

ڈاکٹر نور احمد شاہتاز، کراچی یونیورسٹی، پاکستان

”وحدت ادیان“ ایک ایسا پرفریب نعرہ ہے جس کا شکار وہ لوگ تیز رفتاری سے ہو رہے ہیں جنہیں ہمارے ہاں اونی سوسائٹی کے لوگ یا مراعات یافتہ طبقہ کہا جاتا ہے۔ اور صرف ہمارے ہاں یعنی پاکستان میں نہیں بلکہ دنیا کے تمام ترقی پذیر اور خصوصاً اسلامی ممالک میں یہ اصطلاح تیزی سے اس طبقے میں پھیلائی جا رہی ہے جہاں پہلے مالی، کاروباری، سیاسی یا بیوروکریٹک (Diplomatic) سفارتی، اسٹاف اور فائنل مشن (Foreign Missions) میں کام کرنے والے لوگوں میں بھی اس کا پرچا عام ہے بعض ممالک میں بعض تنظیموں نے چند قدم اگے بڑھ کر اس حوالہ سے کانفرنسوں اور سیمینارز کا اہتمام بھی کیا ہے اس اصطلاح کے موجود اور اس کے ترویج و اشاعت کے ذمہ داروں کا اگلا ہدف یونیورسٹیاں اور اعلیٰ تعلیم کے ادارے ہیں۔ جہاں تعلیمی کیدر سے تعلق رکھنے والے آزاد خیال لوگوں کو بطور پوزیشن استعمال کرنے اور اس مکروہ نعرہ کو مقبول عام بنانے کے لئے کام شروع کر دیا گیا ہے اور بعض ملکوں میں بشمول پاکستان کے بعض شہر، اندر ہی اندر یہ کام شروع ہو چکا ہے۔ اب سائنڈہ اور پڑھ لوگ پبلک مقامات (Public Places) اور انٹرنیوٹیوٹا (اندرون جامعات) ہونے والی تعاریب میں مل بیٹھنے اور چائے ویفر شمنٹ کے وقفوں میں اس پر گفتگو کرنے لگے ہیں یوں تو وحدت ادیان پر گزشتہ نصف صدی سے وقتاً فوقتاً مختلف



مالک میں شوشہ چھوڑے جا رہے ہیں مگر نئے انداز سے توحیدت ادیان کا تصور اس نیورلڈ میں پیش کر رہے ہیں جسے اس مدی کا بدنام زمانہ منصوبہ کہا جانا چاہیے۔ اس تصور کو عام کرنے کے لئے دو باتوں کو بطور خاص پیش کیا جا رہا ہے اور وہ دو باتیں بظاہر بڑی سادہ ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ مسیحیوں کے ساتھ ساتھ یہودیوں کا ایک طوفان ہے جو بہت جلد اہل اسلام کو اپنی پیٹھ پر لپیٹ کر لے جاتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس موضوع پر آئے دن مضامین و مقالات شائع ہو رہے ہیں جن سے ہر ایک عام مسلمان یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ کیا ایک سوئس ماری ایک نئے مذہب بن رہی ہے جو اسلام، یہودیت اور نصرانیت کا مغویہ ہوگا؟ وہ دو باتیں جن کی طرف لوگوں کی نگاہیں متکثر رہی کے ساتھ توجہ کیا جا رہا ہے وہ ہیں۔

مشترکہ عبادت گاہوں کی تعمیر (۲) مشترکہ کتاب مقدس کی اشاعت۔

جہلی اسکیم یا منصوبہ یہ ہے کہ تمام ممالک میں اور خصوصاً اسلامی ممالک میں اب بڑی بڑی مساجد کی بجائے ایسے ہال تعمیر کئے جائیں جن کا ایک حصہ مسلمانوں کے لئے ایک یہودیوں کے لئے اور ایک عیسائیوں کے لئے مخصوص کر دیا جائے جہاں وہ اپنے اپنے مذاہب کے مطابق عبادت کر سکیں اور اس ہال یا عمارت کو مشترکہ عبادت گاہ کا نام دیا جائے جو وحدت ادیان کی علامت بن کر ابھرے۔ آگے چل کر اس ہال کے تین حصوں کو ایک ہی بنانے اور اس میں ہر تین مذاہب کے لوگوں کو آزادانہ شانہ بشانہ اپنے مذہب کے مطابق عبادت کرنے کا حق دینا ہے۔ ابتدائی طور پر جہاں ایسے مشترکہ ہال تعمیر کرنے میں دشواری ہو وہاں مستقبل کی رہائشی اسکیموں میں عبادت گاہوں کے نام سے پلاٹ اس طرح مخصوص کئے جائیں کہ جب ان پلاٹوں پر مسجد تعمیر ہو تو اسی کے ساتھ ایک طرف چرچ اور دوسری طرف ٹمپل (یہودی عبادت گاہ) بھی تعمیر کی جائے۔

قسط ۱

## وحدت ادیان

ڈاکٹر نور احمد شاہتاز، کراچی یونیورسٹی، پاکستان

"وحدت ادیان" ایک ایسا پرفریب نعرہ ہے جس کا شکار وہ لوگ تیزی سے ہو رہے ہیں جنہیں ہمارے ہاں اوپن سوسائٹی کے لوگ یا مراعات یافتہ طبقہ کہا جاتا ہے۔ اور صرف ہمارے ہاں یعنی پاکستان میں نہیں بلکہ دنیا کے تمام ترقی پذیر اور خصوصاً اسلامی ممالک میں یہ اصطلاح تیزی سے اس طبقے میں پھیلائی جا رہی ہے جو اپنے مالی، کاروباری، سیاسی یا بیوروکریٹک ساتھ ساتھ ڈپلومیٹک (Diplomatic) (سفارتی) اسٹاف اور فارن مینز (Foreign Missions) میں کام کرنے والے لوگوں میں بھی اس کا پرجوا عام ہے بعض ممالک میں بعض تنظیموں نے چند قدم آگے بڑھ کر اس حوالہ سے کانفرنسوں اور سمینارز کا اہتمام بھی کیا ہے اس اصطلاح کے موجدوں اور اس کے ترویج و اشاعت کے ذمہ داروں کا اگلا ہدف یونیورسٹیاں اور اعلیٰ تعلیم کے ادارے ہیں۔ جہاں تعلیمی کیڈر سے تعلق رکھنے والے آزاد خیال لوگوں کو بطور پینٹ استعمال کرنے اور اس مکروہ نعرہ کو مقبول عام بنانے کے لئے کام شروع کر دیا گیا ہے اور بعض ملکوں میں (بشمول پاکستان کے بعض شہر) اندر ہی اندر یہ کام شروع ہو چکا ہے۔ اب اساتذہ اور بڑھے لوگ پبلک مقامات (Public Places) اور انٹریونیوٹیٹی (اندرون جامعات) ہونے والی تقاریب میں مل بیٹھنے اور چائے ویفر شمنٹ کے وقفوں میں اس پر گفتگو کرنے لگے ہیں یوں تو وحدت ادیان پر گزشتہ نصف صدی سے وقتاً فوقتاً مختلف

ممالک میں شوشے چھوڑے جا رہے ہیں مگر نئے انداز سے "وحدتِ ادیان" کا تصور اس نیورلڈ آرڈر کا پیش کردہ ہے جسے اس صدی کا بدنام زمانہ منصوبہ کہا جانا چاہیے۔ اس تصور کو عام کرنے کے لئے دو باتوں کو بطور خاص پیش کیا جا رہا ہے اور وہ دو باتیں بظاہر بڑی سادہ ہیں مگر ان کے پیچھے موجود کفر و ضلالت کا ایک طوفان ہے جو بہت جلد اہل اسلام کو اپنی پلیسٹ میں لے کر ملیا میٹ کرنا چاہتا ہے۔

بین الاقوامی پریس میں اس موضوع پر آئے دن مضامین و مقالات شائع ہو رہے ہیں جنہیں پڑھ کر ایک عالمِ مسلمان یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ کیا اکیسویں صدی ایک نئے مذہب کی صدی ہوگی جو اسلام، یہودیت اور نصرانیت کا مغویہ ہوگا؟ وہ دو باتیں جن کی طرف لوگوں کو انتہائی مکاری کے ساتھ متوجہ کیا جا رہا ہے وہ ہیں۔

۱۔ مشترکہ عبادت گاہوں کی تعمیر (۲) مشترکہ کتاب مقدس کی اشاعت۔ پہلی اسکیم یا منصوبہ یہ ہے کہ تمام ممالک میں اور خصوصاً اسلامی ممالک میں اب بڑی بڑی مساجد کی بجائے ایسے ہال تعمیر کئے جائیں جن کا ایک حصہ مسلمانوں کے لئے ایک یہودیوں کے لئے اور ایک عیسائیوں کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔ وہاں اپنے اپنے مذاہب کے مطابق عبادت کر سکیں اور اس ہال یا عمارت کو مشترکہ عبادت گاہ کا نام دیا جائے جو وحدتِ ادیان کی علامت بن کر ابھرے۔ آگے چل کر اس ہال کے تین حصوں کو ایک ہی بنانے اور اس میں ہر تین مذاہب کے لوگوں کو آزادانہ شانہ بشانہ اپنے مذہب کے مطابق عبادت کرنے کا حق دینا ہے۔ ابتدائی طور پر جہاں ایسے مشترکہ ہال تعمیر کرنے میں دشواری ہو وہاں مستقبل کی رہائشی اسکیموں میں عبادت گاہوں کے نام سے پلاٹ اس طرح مخصوص کئے جائیں کہ جب ان پلاٹوں پر مسجد تعمیر ہو تو اسی کے ساتھ ایک طرف چرچ اور دوسری طرف ٹمپل (یہودی عبادت گاہ) بھی تعمیر کی جائے۔

اس طرح کی مشترکہ عبادت گاہیں، فوری طور پر بین الاقوامی ہوائی اڈوں، جامعات اور عوامی مقامات پر تعمیر کرنے کا پروگرام ہے۔

دوسری اسکیم یا منصوبہ ”مشترکہ کتاب مقدس“ کی اشاعت ہے یعنی قرآن اور بائبل (تورات و انجیل) اس طرح اکٹھے شائع کئے جائیں کہ وہ ایک ہی جلد میں جلد ہوں اور تینوں مذاہب (اسلام، یہودیت و نصاریت) کی مشترکہ عبادت گاہوں میں رکھے جائیں۔

ایسے ممالک جہاں ان دو منصوبوں پر کام شروع ہو چکا ہے وہاں آباد مسلمانوں میں سخت غم و غصہ و تشویش پائی جاتی ہے اور وہ علماء اسلام سے اس سلسلہ میں رجوع کر رہے ہیں۔

مفتی اعظم سعودی عرب شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز اور جامعہ الازہر (مصر) کے رئیس و شیخ الجامعہ کو اس سلسلہ میں روزانہ خطوط موصول ہو رہے ہیں، سعودی عرب کی گریڈ علماء

کونسل کے سامنے بھی یہ مسئلہ پیش ہو چکا ہے اور اللجنة الدائمة للبحوث العلمیہ والافتاء (یعنی سعودی عرب کی علمی مسائل و معاملات اور فتاویٰ کے سلسلہ میں قائم مستقل کمیٹی) نے اس پر اپنی تفصیلی رائے اخبارات و جرائد کو جاری کی ہے۔

(دیکھئے: جلد الدعوة الریاض)

**اسلام تمام ادیان کا ناسخ ہے؛**

اسلام کے ان اعتقادی اصولوں کے مطابق جن پر اہل اسلام کا اجماع ہے، اس وقت روئے زمین پر اسلام کے سوا کوئی سچا مذہب نہیں پایا جاتا اور اسلام سابقہ تمام ادیان کا ناسخ اور خاتم ہے۔ چنانچہ کرہ ارض پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کا کمال تو سن اور جامع ترین طریقہ سوائے اسلام کے اب اور کوئی نہیں اس سلسلہ میں اس ارشادِ باری سے بھی رہنمائی ملتی ہے جس میں کہا گیا ہے: ”وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْكَلَامِ دِينَ فُلَنْ يَاقِبِلْ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ“ (۱)

(یعنی جو کوئی اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو چاہے یا پسند کرے تو اس سے وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ قیامت میں زیاں کاروں میں سے ہوگا۔)  
 بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اسلام وہ ہے جو آپؐ نے کرائے اس کے سوا سب غیر اسلام ہے۔

### قرآن سابقہ کتابوں کا نسخہ ہے!

قرآن کریم کے بارے میں ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ آخری کتاب ہے اور یہ اس سے پہلے نازل ہونے والی کتابوں کی نسخہ ہے خواہ وہ زبور ہو، تورات ہو یا انجیل۔ چنانچہ آپ قرآن کریم کے سوا کسی اور کتاب کے مطابق اللہ کی عبادت نہیں کی جائے گی۔ اس سلسلہ میں ارشاد خداوندی ہے۔

”وَاَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنْ الْكُتُبِ وَمُهَيِّئًا عَلَيْهِ فَاحِكُم بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ“ (۲)

(یعنی دے نئی) اتاری ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب سچائی کے ساتھ تصدیق کرنے والی ہے اس کی جو اس سے پہلے (کتاب) ہے اور یہ محافظ ہے اس پر تو آپ فیصلہ فرمادیں ان کے درمیان اس سے جو نازل فرمایا اللہ نے اور آپ نہ پیروی کریں ان کی خواہشات کے اس حق کو چھوڑ کر جو آپ کے پاس آیا ہے،

### تورات و انجیل کے موجودہ نسخے محرف ہیں!

اس نظر پر پراہمان لانا ضروری ہے کہ تورات و انجیل قرآن سے منسوخ ہو چکیں، پھر ان میں بہت سی تحریف و تبدیلیاں اور کسی بیشی ہو چکی جیسا کہ اس کا ذکر قرآنی آیات میں بھی ہے مثلاً ایک آیت اس سلسلہ میں یوں ہے:

”فبما نقضهم ميثاقهم لعناهم وجعلنا قلوبهم قاسية يحرفون الكلم عن مواضعه ونسوا حظا مما ذكروا به ولا تنال نطلع على خائنة منهم الا قليلا منهم“ (۳)

(یعنی بوجہ ان کی عہد شکنی کے ہم نے اپنی رحمت سے انہیں دور کر دیا اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ وہ اللہ کے کلام کو اپنی اصل جگہ سے بدل دیتے ہیں اور انہوں نے بھلا دیا بڑا حصہ جس کے ساتھ انہیں نصیحت کی گئی تھی اور آپ ان کی خیانت پر ہمیشہ آگاہ ہوتے رہیں گے۔ بخزان کے چند آدمیوں کے)۔

ایک اور آیت طیبہ میں ہے ”فویل للذين يكتبون الكتاب بأيديهم ثم يقولون هذا من عند الله ليشتروا به ثمنا قليلا فويل لهم مما كتبت ايديهم وويل لهم مما يكسبون“ (۴)

(پس ہلاکت ہو ان کے لئے جو خود اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں یہ تو اللہ کی طرف سے ہے، تاکہ اس کے بدلے معمولی قیمت وصول کر لیں، پس ہلاکت ہو ان کے لئے ان کے ہاتھوں سے لکھنے کی وجہ سے اور ہلاکت ان کے لئے اس مال کی وجہ سے جو وہ اس طرح کماتے ہیں)

انہی کے بارے میں اللہ رب العزت نے مزید فرمایا: ”وان منهم فریقاً یلوون السننہم بالکتاب لتحسبوا من الکتاب وما هو من الکتاب ویقولون هو من عند اللہ وما هو من عند اللہ ویقولون علی اللہ الکذب وہم یعلمون“ (۵)

(بے شک ان میں سے ایک گروہ ایسا ہے جو اپنی زبانوں کو کتاب کے ساتھ مڑاتے ہیں تاکہ تم خیال کرنے لگو کہ یہ بھی اصل کتاب ہی سے ہے حالانکہ وہ کتاب سے نہیں

اور وہ کہتے ہیں کہ یہ بھی اللہ کی طرف سے اترا ہے حالانکہ وہ اللہ کے پاس سے نہیں اترا اور وہ جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں۔

ان آیات طیبات سے واضح ہوا کہ اہل کتاب نے اپنی کتابوں میں کس قدر من گھڑت باتیں شامل کر کے طرح طرح کی تبدیلیاں پیدا کیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کی اس دھاندلی کا پردہ چاک کر دیا اور وضاحت فرمادی کہ ان کتابوں میں بہت کچھ رطب و یابس یہ کہہ کر شامل کر دیا گیا کہ یہ اللہ ہی کا نازل کردہ ہے حالانکہ پروردگار نے اسے نازل نہیں کیا۔ اس وضاحت کے بعد یہ بات از خود ثابت ہو گئی کہ اب ان کتابوں میں اگر کچھ باتیں اصل باقی بھی ہوں تو وہ نزول قرآن سے منسوخ ٹھہریں اور جو اصل نہیں بعد کی شامل کردہ ہیں وہ از خود باطل و مردود ہیں۔

**تورات و انجیل اب قابل استفادہ نہیں!**

نزول قرآن کے بعد تورات و انجیل سے استفادہ کرنا یا انہیں قابل استفادہ سمجھنا ہی بنیادی طور پر غلط ہے۔ مسند احمد بن حنبل اور سنن دارمی وغیرہ کی روایت ہے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تورات کا نسخہ دیکھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اور فرمایا اے عمر کیا تم کسی شک میں مبتلا ہو؟ کیا میں تمہارے پاس ایک روشن اور صاف اللہ کی کتاب نہیں لایا؟ اس وقت اگر میرے بھائی موسیٰ (علیہ السلام) زندہ ہوتے تو انہیں بھی ان کتاب کے سوا چارہ نہ تھا۔ (۵)

**نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام اقوام و ملل کا ایمان لانا ضروری ہے:**

۱۔ اہل کفر و کفران کے اعتقادی اصولوں میں یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ ہمارے نبی و رسول سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خاتم الانبیاء و المرسلین ہیں جیسا کہ خود رب العزت نے صراحت سے فرمایا۔  
 ۲۔ ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ﴾ (فاتحہ)۔  
 ۳۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوا النَّبِيَّ الَّتِي خَلَقَ إِلَيْنَا مِنْ نَفْسِهِ﴾ (آل عمران)۔  
 ۴۔ ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفْرَ وَالنَّفْسَ الدَّيْمِيَّةَ وَالْجَاهِلِيَّةَ﴾ (الحج)۔  
 ۵۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ (آل عمران)۔  
 ۶۔ ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِلَّهِ الْمُلْكُ الْكَافِرُونَ﴾ (الحج)۔  
 ۷۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ (آل عمران)۔

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ وہ تو اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔ چنانچہ نبی آخر الزماں علیہ السلام کی تشریف آوری کے بعد اور کوئی نبی و رسول قابل اتباع نہیں رہا اور اگر انبیائے سابقین میں سے کوئی زندہ ہوتا تو اسے بھی حضور ہی کی اتباع کرنا لازم ہوتی۔ اس سلسلہ میں ارشاد باری ملاحظہ فرمائیے، ارشاد ہے:

وَإِذَا خَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الْبَنِيَيْنِ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتَقُولَنَّ لَهُ وَهَذَا صِرَافُهُ قَالَ أَتُحَرِّقُونَ عَلَىٰ ذِكْمِهِ أَصْرِي قَالُوا أَتُحَرِّقُونَ قَالُوا فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ (۷)

ز اور یاد کرو جب اللہ نے انبیاء سے پختہ وعدہ لیا کہ قسم ہے تمہیں اس کی جو میں تمہیں کتاب و حکمت سے دوں۔ پھر تمہارے پاس وہ رسول تشریف لائے جو تصدیق کرنے والا ہوا ان کتابوں کی جو تمہارے پاس ہیں تو تم ضرور ایمان لانا اس پر اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا اسکے بعد فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور اس پر تم نے میرا بھاری ذمہ اٹھایا، سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا (اللہ نے فرمایا) تو گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں)۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مطلع کیا ہے کہ جب وہ قیامت کے قریب دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو وہ نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہوں گے اور حضور ہی کی شریعت کے احکامات کا نفاذ کریں گے۔ اللہ رب العزت کا یہ ارشاد بھی اتباع محمد اور پیروی نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی تاکید میں نازل ہوا فرمایا:

"الَّذِينَ يَسْتَفْتُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْإِلَهِيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُ

فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ" (۸)

کہ وہ لوگ جو اس نبی الہی و رسول کی اتباع کرتے ہیں جس کا ذکر وہ لکھا ہوا پاتے ہیں



اپنے پاس تورات و انجیل میں)۔

اسلام کے اعتقادی اصولوں میں یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تمام لوگوں کے لئے عام ہے ارشاد باری ہے۔

وما أرسلناك الا كافة للناس بشيرا و نذيرا و لکن اکثر الناس لا

يعلمون (۹۰)

(مجھے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام لوگوں کے لئے خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے بنا کر) مگر اکثر لوگ (یہ بات) نہیں جانتے۔ ایک اور جگہ اسی سلسلہ میں فرمایا قل یا ایہا الذین امنوا رسول اللہ الیکم جمیعاً (۹۱) (اے نبی آپ فرمادیجئے اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں) اس طرح اور بھی بہت سی ایسی آیات طیبات ہیں جن سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قیامت تک کے لئے نبی بنا کر بھیجا جانا اور آپ ہی کی اتباع واجب ہونا ثابت ہے۔

**حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے کافر نہیں؛**

اسلام کے اعتقادی اصولوں میں یہ بات بھی طے ہے کہ ان تمام لوگوں پر کفر کا حکم لگایا جائے گا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد آپ پر ایمان نہ لائیں خواہ وہ مشرک ہو یا اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) اور انہیں کافر ہی کہا جائے گا۔ اور انہیں اللہ کے دشمن اللہ کے رسول کے دشمن اور مومنین کے دشمن کہا جائے گا۔ اووہ جہنمی ہیں۔ اس سلسلہ میں ارشادات خداوندی بڑے واضح ہیں دیکھئے:

لم یکن الذین کفروا من اهل الکتاب والمشرکین منفکین حقنا تیمم  
الینہ (۱۱) (کفر کرنے والے اہل کتاب اور مشرکین اپنے دین کو چھوڑنے والے نہ تھے  
یہاں تک کہ ان کے پاس روشن دلیل آجائے) اسی سورت میں دوسری جگہ اہل کتاب  
فروں میں شمار کرتے ہوئے کہا: ان الذین کفروا من اهل الکتاب

والمشركين في نار جهنم خالدين فيها اولئك هم شر البرية (۱۲)  
 (بے شک وہ لوگ جنہوں نے اہل کتاب میں سے کفر کیا اور شرک کرنے والے سب  
 جہنم کی آگ میں ہوں گے اس میں ہمیشہ رہیں گے وہی ساری مخلوق میں بدتر ہیں)۔  
 صحیح مسلم کی ایک روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات پاک کی قسم  
 جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اس امت کے لوگوں میں سے جس کسی نے مجھے  
 میرے بارے میں سنا ہو خواہ وہ یہودی ہو یا نصرانی۔ پھر وہ مجھ پر ایمان لائے بغیر مر جائے۔  
 تو وہ جہنمی ہی ہو کر مرے گا۔ (۱۳)

### حواشی و حوالہ جات

۱، سورہ آل عمران آیت: ۸۵ ۲، سورہ مائدہ آیت: ۴۵

۳، سورہ المائدہ آیت: ۱۳ ۴، سورہ البقرہ آیت: ۷۹

۵، سورہ آل عمران آیت: ۷۸ ۶، سنن دارمی، مسند احمد بن حنبل

۷، سورہ آل عمران آیت: ۸۱ ۸، سورہ الاعراف: ۱۵۷

۹، سورہ سبا: ۲۸ ۱۰، سورہ الاعراف: ۱۵۸

۱۱، البینہ ۱ ۱۲، البینہ ۶ (۱۳) صحیح مسلم

### یوپی تعلیمی نصاب کی چند اہم کتب

تاریخ ملت جلد اول (نبی عربی)	قاضی زین العابدین	غیر مجلد ۲۵ روپے	مجلد ۳۵ روپے
تاریخ ملت جلد دوم (خلافت راشدہ)	"	غیر مجلد ۵۰ روپے	مجلد ۶۰ روپے
تاریخ ملت جلد سوم (خلافت بنی امیہ)	"	غیر مجلد ۵۰ روپے	مجلد ۶۰ روپے
تاریخ ملت جلد ہشتم (خلافت عثمانیہ)	مفتی انتظام اللہ شہبائی	غیر مجلد ۵۰ روپے	

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سرپرست اعلیٰ ندوۃ المصنفین دہلی

عالیجناب حلیم عبد الحمید صاحب چانسلر جامعہ ہمدرد نئی دہلی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

مجلس ادارت اعزازی

سید اقتدار حسین  
ڈاکٹر معین الدین بقائی  
محمود سعید بلالی  
ڈاکٹر جوہر قاضی

برہان

نگران اعلیٰ  
سعدت مولانا حلیم محمد زماں حسینی

شمارہ ۱۰۶

جون، جولائی ۱۹۹۸ء

جلد: ۱۳۲، ۱۳۳

تعلیمی

شمارے

اقتصادی

- نظرات ..... عید الرحمن عثمانی ۲
- مغربی فن تعمیر پر اسلامی فن تعمیر کے اثرات (قسط ۴)
- ۶ (ترجمہ: جناب سید مبارز الدین صاحب رفعت ایم۔ اے)
- وحدت ادیان ..... ڈاکٹر نواز احمد شامہاز، کراچی یونیورسٹی پاکستان ۱۳
- میرزا جلال ابیر اصفہانی کے غیر مطبوعہ قطعات
- ۱۹ ڈاکٹر وجیہ الدین ایم۔ ایس۔ یونیورسٹی برودہ (گجرات)
- ۲۷ تبصرہ .....
- ۲۹ آفرین! اسلامیہ جمہوریہ ایران

جملہ خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

منیجر ماہنامہ بُرہان

4136 - اردو بازار جامع مسجد دہلی- 110006 \* فون نمبر 3262815

زیر تعاون

فی پرچہ: ۶ روپے

سالانہ: ۷۲ روپے

کمپیوٹر کتابت

CREATIVE VISION

عید الرحمن عثمانی ایڈیٹر پرنٹر پبلشر نے خواجہ پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی سے شائع کیا۔

## نظرات

گھر گھر میں ٹیلی ویژن اور اس پر مار دھاڑ پر مبنی فلموں نے معاشرہ کا اس قدر بُرا حال کر دیا ہے کہ تشدد اور جھوڑی، ڈکے زنی، زنا کاری کے واقعات کی بھمار نے بیسویں صدی کے انسان کا جینا دو بھر کر دیا ہے۔ اور اب اکیسویں صدی آ رہی ہے اس میں ایک سائنسی اندازہ کے مطابق انسانیت سوز حرکات اس قدر عام ہو جائیں گی کہ دنیا میں عام آدمی کو زندگی آرام و چین سے بسر کرنے کے لئے صرف خواب و خیال کی دنیا ہی میں گھومنا پڑے گا۔ زندگی اس پر تنگ ہو جائے گی اور اسے دنیا میں ایسی گھٹن محسوس ہوگی کہ جس سے وہ جینے کے بجائے اپنی موت کو ہی ترجیح دینا اپنے لئے بہتر سمجھے گا۔ چنانچہ ترقی یافتہ مائڈن ممالک میں ابھی سے آسان موت کے لئے دوائیاں اور انجکشن بنانے کی تیاری شروع ہو گئی ہیں۔ آئے دن اخبارات میں یہ بات معلوم کر کے کوئی حیرت نہیں ہوتی کہ اچھے فاسے انسان نے بیٹھے بٹھائے اپنے آپ کو گولی مار کر ختم کر دیا۔ یا پنکھے سے لٹک کر خودکشی کر لی اور یا پھر کسی بلند و بالا عمارت سے چھلانگ لگا کر گود کر اپنے آپ کو موت کی دہلیز پر پہنچا دیا۔ یہ واقعات اٹکاؤ کا سال دو سال میں پہلے بھی سننے کو ملتے تھے لیکن آج حال یہ ہے کہ کسی بھی شہر یا ملک کے روزانہ اخبار میں ایسی ہی خبریں زیادہ ملیں گی جیسے خودکشی کے واقعات ہوں۔

جب دنیا میں سائنس دانوں نے ہوائی جہاز ٹی وی ریڈیو ایجاد کئے تو مائڈن انسان ایسا اترا یا کہ جیسے اس نے اپنی فلاح کا راستہ من لیا۔ مگر کچھ ہی عرصہ بعد مائڈن انسان کو محسوس

ہو کر یہ سب ایبادات انسانوں کے لئے جہاں باعث راحت ہیں وہاں انکی وجہ سے برائیاں اور خرابیاں بھی ایسی ہیں کہ انسان کے لئے ان ایبادات کی پھر کوئی اہمیت ہی باقی نہیں رہتی ہے بلکہ اس کے مضر اثرات سامنے آنیکے بعد تو انسان اس سے پناہ مانگنے ہی پر مجبور ہے۔

خدا شناسی، خدا پرستی سے ماڈرن انسان جب دور ہوا تو اس نے اپنے آپ کو خود ہی تباہی و بربادی کے غار میں دھکیل دیا۔ اور سائنسی ایبادات پر ایسا اگر طرک کہ وہ نظام قدرت کو بھول کر اس پر سوالیہ نشان لگانے لگا لیکن جب ان ایبادات نے اپنی پہلی کھولدی تو اب انسان جاگا اور اسے حقیقت کا احساس ہوا۔ آج کا 'ماڈرن انسان' اب اپنے سکون کے لئے جگہ کا متلاشی بن گیا ہے جنگلوں میں فام ہاؤس کی شکل میں جگہ بنا کر رہنے پر مجبور ہے جہاں دُور دُور تک کسی دوسرے انسان کی صورت نظر نہ آئے اور بولی سننے کو نہ ملے۔ یہ ہے خدا سے دور ہونیکے ماڈرن انسان کی بد نصیبی۔ اب خدا کو ڈھونڈھ رہا ہے جسے اس نے پہلے اپنے سے دور کر دیا تھا اب خدایک پناہ میں آنا چاہتا ہے۔

دن دھاڑے بھیڑ بھاڑ علاقوں میں خون خرابہ پھلتے پھرتے آدمیوں کا قتل، نذرانہ بچوں کا اغوا، ان کو ان کی ماؤں کی گود سے چھین کر لیجانا یہ عام بات ہوتی جا رہی ہے۔ اگر اس پر عملد قابو نہ پایا تو پھر ہماری یہ سائنسی ترقیاں کس کام کی رہ جائیں گی جس سائنسی ترقی میں انسان کو چین و سکون میسر نہ ہو اسے حاصل کر کے اگر ہم نے اپنا وقت ضائع نہ کیا ہے تو اور کیا کیا ہے؟ خداوند تعالیٰ نے انسان کو الگ الگ فطرت سے نوازا، ہر انسان کو الگ دماغ اور الگ الگ دل دیا۔ لیکن سائنسی ایبادات نے ان سب باتوں سے بے پرواہ ہو کر ہر انسان کو ایک ہی جامہ میں رکھنے کا بیڑہ اٹھایا تو اس کا نتیجہ یہ ہونا ہی تھا جو ہم دیکھ رہے ہیں اور آئے دن روزانہ اخبارات میں پڑھ رہے ہیں۔

آخر میں ہم یہ کہہ بغیر نہ رہیں گے اور جسے اب ماڈرن انسانوں نے بھی اچھی طرح سمجھنا

شروع کر دیا ہے کہ انسان کی فلاح و بقا قانون قدرت کی عمل داری ہی میں ہے۔ خداوند تعالیٰ کی بارگاہ عالی میں بندہ کو اپنے کو کمالِ بجز و انکساری کے ساتھ حاضر کر کے اسکی چاہت میں اپنی چاہت کو فنا کر کے پھر وہ دیکھے کہ قدرت کی طرف سے اس پر کس قدر رحمت و کرم کی اور انسان کے لئے امن و راحت کے سامان حقیقی کی فراوانی ہوتی ہے۔ انسان کی فلاح و بہبودگی کا انحصار قانون قدرت کی عمل داری میں ہی ہے نہ کہ اس سے بغاوت یا لاپرواہی میں۔

جناب اٹل بھاری باجپئی کی قیادت میں حکومت کو تشکیل پائے ہوئے ۱۰۰ روز سے زائد ہو چکے ہیں اس عرصہ میں حکومت کی طرف سے اقلیتوں کے لئے کوئی ایسا خطرہ نہیں پیدا ہوا جس کا اظہار و اندیشہ کیا جا رہا تھا۔ اور مندر کے معاملے میں جناب باجپئی کا یہ واضح اعلان اخبارات میں آ ہی چکا ہے کہ بابری مسجد کی جگہ مندر نہ رہا بلکہ عدالتی فیصلہ کے بغیر ہرگز نہیں ہونے دیا جائے گا۔ حالانکہ بھونگ اور دشوہندو پریشد جیسی انتہا پسند تنظیمیں لگاتار اس کو شش میں ہیں کہ مندر نہ رہا بلکہ ایتھلر ہو جائے۔ اگر ایس ایس کے سربراہ رتو بھتیا بھی پہلے اعلان کر چکے تھے کہ مندر نہ صورت میں بنے گا لیکن جب جناب باجپئی نے یہ اعلان کیا کہ عدالتی فیصلہ سے پہلے مندر بننے کی حکومت ہند کسی کو بھی اجازت نہیں دیگی۔

وزیر اعظم جناب باجپئی کا یہ اعلان اقلیتوں کے لئے کافی اطمینان بخش ہے اور اس سے جہاں ہندوستان کے سیکولر آئین کی حفاظت ہوگی بلکہ دنیا میں بھی ہندوستان ہندوستان کے کلنک سے محفوظ رہے گا۔ جہاں باجپئی حکومت اس لحاظ سے اطمینان بخش ہے وہاں اس لحاظ سے ابھی اسے سخت امتحانات سے گزرنا ہے جو عوام کی روزمرہ کے ضروریات سے تعلق رکھتی ہیں۔ آج عام آدمی کے لئے ضروریات زندگی گراں سے گراں ہوتی جا رہی ہیں اشیائے خورد و نوش مہنگی سے مہنگی ہوتی جا رہی ہیں انکی قیمتیں

آسمان کو چھو رہی ہیں۔ پانی بجلی سے لوگ ترستے جا رہے ہیں۔ گرمی کے موسم میں پورے  
 ملک میں گرمی کا موسم چل رہا ہے۔ گرمی کی وجہ سے لوگ بیمار ہو رہے ہیں۔ گرمی کی وجہ سے  
 مکانوں کی قلت میں لوگوں کے مکان اب کبوتر خانوں کی طرح بنے ہوئے ہیں اور انہی  
 عمارتوں میں روشنی اور ہوا کا کہیں گزر بسر نہیں ہے اب یہ اشیاء یعنی روشنی اور ہوا  
 صرف مصنوعی طریقہ بجلی کے ذریعہ سے حاصل کیجا سکتی ہیں۔ اور جب یہ بھی ناپید ہو جائے  
 تو ان کبوتر خانہ نما مکانوں اور بلند و بالا عمارتوں میں انسانوں کا دم نہیں گھٹے گا تو اور  
 کیا ہوگا۔ ہنگامی پر قابو اور اشیائے ضروریہ کی فراہمی جیسے مسائل بھی اگر باجپئی سرکار  
 کے ذریعہ حل ہو جائے تو پھر ہم وزیراعظم باجپئی کو ان کی سرکار کی اعلیٰ کارکردگی پر مبارکباد  
 کے الفاظ ضرور ادا کرنا اپنا صاف فرائض سمجھتے۔ اس وقت ملک میں کاروبار کا سخت  
 سندھ ہے شیر بازار کبھی گرتے ہیں اور کبھی تھوڑا بہت چڑھتے بھی ہیں لیکن گراؤ اس  
 قدر ہوتا ہے کہ جب تھوڑا بہت شیر بازار اٹھتا ہے تو اس سے کاروباری لوگوں کو کوئی  
 فائدہ ہوتا نظر نہیں آتا ڈالر کے مقابلے روپیہ روز بہ روز گرتا جا رہا ہے ضرورت  
 ہے ان سب پر قابو پانے کی۔ اگر باجپئی حکومت نے ان سب پر قابو پا لیا ہنگامی  
 افراتفر ختم ہو جائے تو اس ہندوستان کی عوام کو صحیح معنوں میں امن و چین میسر  
 ہو جائے گا اور باجپئی حکومت ان کے دلوں میں گھر کر جائے گی۔ اور جو نیتا اور جماعتیں  
 باجپئی سرکار کو گرانے میں ایک جٹ ہو کر لگی ہیں انہیں یقیناً منہ کی کھانی پڑے  
 گا۔ انشاء اللہ!

قسط ۲

# مغربی فن تعمیر پر اسلامی فن تعمیر کے اثرات

اس  
(مارٹن ایس گرگس)

مترجمہ: جناب سید مبارز الدین صاحب رفعت ایم۔ اے

ایم صلاح الدین نے انھیں کارخانوں کے دو کشوں سے تشبیہ دے کر ان کے ساتھ کچھ زیادہ انصاف نہیں کیا ہے ہاں اس میں شک نہیں کہ یہ مینار قاہرہ کے میناروں کے حسن اور ان کی نزاکت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ایران نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ اس عجیب و غریب قلمی آرٹسٹ (Stalacite) کی ترمیم کا استقبال کیا جس کا حال ہم نے آگے بیان کیا ہے۔

شامی مصری، مکتب تعمیر کی اہم عمارتیں سب کی سب قاہرہ میں پائی جاتی ہیں یہ جامع مسجدیں ہیں۔ ان میں جامع ازہر (۱۰۹۲ء)، جامع الحاکم (۱۰۹۹ء)، چھوٹی سی جامع الاقمر (۱۲۵۰ء) اور مقبرہ الجیش کی چھوٹی سی لیکن اہم مسجد (۱۸۵۰ء) شامل ہے۔ جامع ازہر اور جامع الاقمر میں چھتے قدیم زمانے کے ستونوں پر اٹھائے گئے ہیں۔ اور جامع الحاکم کے چھتے اینٹ کے پایوں پر بنائے گئے ہیں۔ جامع الحاکم میں پتھر استعمال کیا گیا ہے اور قاہرہ کی اسلامی عمارتوں میں پتھر کے استعمال کی

۱۔ پہاڑی سلسلوں کے اندر کہیں کہیں قدرتی غاروں میں کاربونیٹ آف لائم کا تہ نشین مادہ عموماً قلموں کی شکل میں غار کی چھت وغیرہ سے لٹکتا رہتا ہے اور پانی کے رستے سے بنتا ہے عمارتوں کے کمرے میں جہاں ایسی ہی شکلیں بنائی جاتی رہیں قلمی آرٹسٹ کہا جاتا ہے۔ (مترجم)



یہ پہلی مثال ہے حالانکہ اس کے قریب ہی مقطم کی پیٹریوں میں چونے کا نہایت نفیس پتھر دستیاب ہوتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اب تک قاہرہ نے عراقی (مسوٹیمیائی) روایتوں کی پوری پوری پیروی کی تھی۔ جامع الجیوشی، مقبرہ کے ساتھ مسجد کی پہلی مثال ہے۔ آگے چل کر اسی طرز کو بہت زیادہ ترقی دی گئی اور اس میں نئی نئی چیزیں بڑھائی گئیں۔ اس مسجد میں مقبرہ اور مسجد کے بانی کی قبر پر ایک گنبد بنایا گیا ہے اور مقبرہ کی جنوبی دیوار میں ایک خراب نکالی گئی ہے اس کا صحن چھوٹا ہے اور مسجد اور مقبرہ کے درمیان ایک چھتے دار عرصی حصہ ہے۔ مسجد سے لگا ہوا ایک مربع میسار ہے جو تین درجوں میں بنایا گیا ہے جیسے گنبد عقیلہ کے کھمبوں کے اوپر نظر آتے ہیں۔ اسلامی فن تعمیر کی تاریخ میں گنبد کا ارتقاء حد درجہ اہمیت رکھتا ہے۔ لیکن مغربی تعمیر کاری پر اسلامی تعمیر کاری کی اس خصوصیت نے کچھ زیادہ اثر نہیں ڈالا ہے۔ اس لئے ہم اس مختصر سے جائزے میں اسے نظر انداز کرتے ہیں۔ کچھ ایسے ہی درجہ کی بنا پر ہم یہاں اس لاجواب خصوصیت پر بحث نہیں کریں گے جو قلمی آرائش کہلاتی ہے مسلمان جہاں کہیں بھی گئے ہیں، قلمی آرائش ان کے ساتھ ساتھ ہر جگہ پہنچی ہے اور ہندوستان سے لیکر اسپین تک یہ ان کی تعمیر کاری کا امتیازی نشان بن گئی ہے غالباً یہ قلمی آرائش عراقی (مسوٹیمیائی) پیداوار ہے اور مستند طور پر پہلی بار یہ صحن الجیوشی کے میسار پر نمودار ہوئی ہے۔ پھر یہ جامع الاقمر کے پیش رشا پر نظر آتی ہے۔ یہ تزیین کے لئے استعمال کی گئی ہے۔ یہاں ایسی محرابیں بھی ہیں جنہیں گھونگے کے خول سے بنا کر تراشا گیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہی محراب یقیناً نشاۃ ثانیہ کی جانی پہچانی مدفن خزانہ کی پیش رو ہے پیش رخ کے سرے پر اس کے اطراف کو فی خط میں ایک تزیینی کتبہ چلا گیا ہے۔ اس کی قاہرہ کی مسجدوں میں جو اور تفصیلات ملتی ہیں ان میں آرے کے دانٹوں جیسے گھڑ گج بھی ہیں یہ چیز بھی غالباً عراق (مسوٹیمیائی) ہی سے لی گئی ہے اس حد بندی نے بھی دینس کے کون اور دوسرے لوگوں کے محلوں کے معماروں کو کافی متاثر کیا ہوگا۔

تیرہویں صدی کے بعد سے ہیں تمام علاقوں میں اسلامی فن تعمیر کے آثار بہت ملتے ہیں، ان علاقوں کی فہرست میں ہندوستان اور ترکی کو شامل اور صقلیہ کو اس سے خارج کرنا چاہیے، اسپین میں اہم عمارتیں جو الحمراء اور القصر کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ قصر اپنے چتے چتے کی نازک تزئین کے لحاظ سے بہت اہم ہیں اسپین میں بعد کے اسلامی دور میں جو عمارتیں بنی ہیں وہ درجہ اول کی نہیں ہیں قاہرہ میں ۱۵۱۷ء تک نفیس ترین مسجدوں اور مقبروں کا ایک سلسلہ ملتا ہے۔ ۱۵۱۷ء میں ترکوں نے اس شہر پر قبضہ کر لیا اور اس کے بعد سے جو چند مسجدیں بنیں ان کے لئے عثمانی ترکوں کی طرز اختیار کر لی گئی۔ اناطولیہ کے علاقے میں قرینہ اور بروسہ کے مقاموں پر تقریباً ۱۶۰۰ء سے لیکر ۱۷۵۳ء تک نہایت دلچسپ مثالوں کا ایک سلسلہ ملتا ہے ۱۷۵۳ء میں قسطنطنیہ ترکی کا دار الحکومت بن گیا۔ اس تاریخ کے بعد سے عثمانی تعمیر کار قاہرہ اور دمشق جیسے دور دست علاقوں میں تک عمارتیں بناتے وقت بازنطینی عمارتوں سے بہت سی چیزیں نہایت آزادی کے ساتھ مستعار لینے لگے۔ ایران ترکستان اور ہندوستان میں بعد کے دوروں کی اسلامی عمارتوں کا ایک نہ ختم ہونے والا خزانہ موجود ہے اور ہندوستان میں حالیہ زمانوں میں تک بھی ان ہی تعمیری روایتوں کو اپنے پیش نظر رکھا گیا ہے، اسلامی تعمیر کاری کے بعد کے پانچ اہم مکاتیب میں واضح مقامی خصوصیات ایک دوسرے میں امتیاز پیدا کرتے ہیں۔ یہ پانچ مکاتیب حسب ذیل ہیں: شامی مصری مکتب، اندلس کا اسلامی مکتب، ایرانی مکتب، عثمانی ترکوں کا مکتب اور ہندوستانی مکتب۔ ان مکتبوں کے یہ باہمی اختلافات ایک حد تک قابل حصول تعمیری سلسلے کا نتیجہ ہیں۔ لیکن بڑی حد تک ان اختلافات کی بنیاد تعمیری روایتوں پر رکھی ہے۔

قرون وسطیٰ میں مسجد کے نقشے کے ارتقاء میں بڑا تنوع نظر آتا ہے بعض ملکوں میں اب بھی جامع مسجدیں بنتی رہیں۔ مقبرہ کے ساتھ مسجد بنانے کا شوق بہت مقبول ہوا۔ اس فہرست

میں مدرسہ یعنی صلیبِ نمادِ صیہ اور مسجد بھی آجاتی ہے جس کا نقش بارہویں صدی میں ایجاد ہوا۔ گنبدِ اسلامی تعمیر کاری کا ایک محبوب نشان بن گیا۔ قاہرہ میں اس کی شکل اونچی سی ہوتی تھی ایران اور ترکستان میں پھولے ہوئے یا بیضوی گنبد زیادہ پسند کئے جاتے تھے اور مصرِ قسطنطنیہ کے مسجدوں میں دئے ہوئے بازِ نبطی گنبد بنائے جاتے تھے۔ مصر کے سنگی گنبدوں کو باہر کی طرف مندرہویں صدی میں لیس نامونوں سے بچایا جاتا تھا۔ ایران میں گنبدِ تاشک کاشی کاری سے مزین کئے جاتے تھے۔ ان گنبدوں کو قلعی آرائش میں بنے ہوئے گنبد کے کردی حصے ہمارے تھے۔ بے شبہ قلعی آرائش ہر جگہ استعمال ہوتی تھی۔ اکثر تو یہ آرائش ضرورت سے زیادہ ہوتی تھی۔ کبھی تو یہ قلعی آرائش چھت سے اسی طرح آویزاں کی جاتی تھی جس طرح کہ ہماری پنکھا نما انگریزی لارڈ چھتوں میں آویزے ہوتے ہیں۔ ایک طرف اگر اسلامی گنبدوں نے مغرب کے نشاۃ ثانیہ کے گنبدوں کو بہت کم متاثر کیا ہے تو دوسری طرف یہ بہت ممکن نظر آتا ہے کہ دلکش طرز کے اسلامی میناروں نے اور خاص کر چودہویں اور پندرہویں صدی کی قاہرہ کی عمارتوں میں پائے جانے والے میناروں نے نشاۃ ثانیہ میں اطالیہ کے گھنٹہ گھر (Campanile) اور ایسے ہی شہر تعمیر کار کرسٹوفرین (C. Loren) کے بنائے ہوئے شہر کے بعض نفیس نیکیے میناروں کو متاثر کیا ہوگا۔ بے شبہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد تک اسلامی تعمیر کاروں نے گنبد اور مینار کو الیک دوسرے کے مقابل بنانے کے امکانات محسوس کر لئے تھے، بالکل ایسے ہی جیسے کرسٹوفرین نے آگے چل کر سینٹ پال کے کلیسا میں گنبد اور میناروں کو نہایت مؤثر انداز میں ایک دوسرے کے مقابل استعمال کیا۔ لہٰذا ان کے قدرے بے ڈول سے استوانہ میناروں اور عثمانی ترکوں کے محبوب پنسل نما طرز کے میناروں کو اپنے وطنوں کے باہر لے کر بھی حسن قبول حاصل نہیں ہوا۔

جیسے جیسے اسلامی تعمیر کاری آگے بڑھتی گئی مدور گھڑنعلی کمانوں اور نیکی گھڑنعلی کمانوں کی

حسن قبول برقرار رہا۔ نیم مدور یا معمولی نیکیلی یاد و مرکڑوں والی کان جس کی سطح جست کا خاؤ سیدھے خطوط میں تبدیل ہو جاتا ہے، زیادہ تر اپنے وطن میں اور باہر کہیں کہیں استعمال ہوتی رہی۔ یہ کان کسی قدر بھاری ڈیوڈز (جھلکے) کان سے ملتی جلتی ہے۔ کثیرہ رنگ یا کثیر لعلی کانیں عام ہو گئیں اور خستی ڈاٹ کے چھتوں اور خستی ڈاٹوں کی شکل میں سطح کی تزئین کے لئے استعمال کی جانے لگیں۔ گھر گم میں کئی شاخیں نکالی جانے لگیں یا انھیں دندانہ بنایا جانے لگا۔ گھر کیوں کے موگوں میں پتھر کا کٹاؤ کام کیا جاتا رہا یا ان میں جالیاں لگائی جاتی رہیں یہ کام یا تو پتھر میں ہوتا یا سنگستر میں۔ ان میں بھرے رنگ کے شیشے لگائے جاتے تھے اور غالباً اس سے پہلے لگائے جاتے تھے جبکہ مغربی ملکوں میں رنگین شیشوں کا رواج ہوا۔ سطح کی زیبائش کے لئے تزئینی کتبے لگائے جاتے تھے جو یا تو سنگستر میں ڈھالے جاتے تھے یا لکڑی کے اندر کندہ ہوتے تھے اور انکے بیچ بیچ میں ہندسی شکلیں دی جاتی تھیں کیونکہ اسلامی دینیات کی رو سے جانداروں کی شکلیں بنانے کی اجازت نہ تھی۔ کندہ کاری میں نمایاں اھرواں کام مصر کی اسلامی عمارتوں میں کہیں کہیں دکھائی دیتا ہے حالانکہ ہندوستان میں ایسا کام بہت دکھائی دیتا ہے، نہایت نازک ہندسی سطحی نمونوں کے آزادانہ استعمال سے اس کو موثر بنایا جاتا ہے۔ یہ ہندسی نمونے پتھر سنگستر میں کندہ ہونے کی بہ نسبت گودے ہوئے سے ہوتے ہیں۔ اور آگے مشرق میں خاص کوہستان اور ترکستان میں جہاں ایڑٹ عام تعمیری مصالحہ ہے، روغنی ٹائیلوں سے بہت زیادہ کام لیا گیا ہے۔ ایک عرصے تک ان ٹائیلوں کے لئے ہندسی اور بے جان چیزوں کی شکلوں کے نمونے ہی زیادہ پسند کئے جاتے رہے پھر زیادہ فطری انداز اختیار کیا گیا اور گل بوٹوں کے بنانے کا رواج ہوا۔ انگریزی زبان میں (Arabesque) (گل بوٹے) کی اصطلاح جو انگلستان میں کم اھرواں کام کے لئے ملکہ الزبتھ کے زمانے سے اب تک استعمال ہوتی چلی آرہی ہے، اس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ اس بارے میں ہم کسی نہ کسی طرح قرون وسطیٰ کے عربوں کے ضرور احسان

نہیں۔ تزیین کی ایک اور صورت جو قاہرہ میں عام ہے لیکن اور دوسرے مقاموں پر اتنی عام نہیں، ہلکے اور گہرے رنگ کے پتھروں کا چنائی کے افق دوروں میں یکے بعد دیگرے استعمال کرنا ہے اس رواج کی اصل رو مایا باز نطینہ سے منسوب کی جاسکتی ہے جہاں پتھر کی دیواروں میں خشتی جھار نا چنائی کے دور وقفے وقفے سے استعمال کئے گئے ہیں۔ لیکن یہ بات ابھی مشتبہ ہی ہے اسی طرح پیسا (Pisa) جینوا، سینا (Siena) فلورنس اور اطالیہ کے دوسرے شہروں میں سنگ مرمر کی عمارتوں کے دھاری دار روکار غالباً قاہرہ ہی سے لئے گئے ہیں، کیونکہ قرون وسطیٰ کے دوران میں قاہرہ سے ان شہروں کے گہرے تبادلی تعلقات قائم تھے ایسے ہی اور گئے (Auzoume) کے قصرے پیو (Sepeha) اور ہمارے وطن کے شہر نارتھ ہامپٹن (Northampton) کے سینٹ پیٹر کلیسا میں مختلف رنگوں کے پتھروں کی تعمیر کاری نظر آتی ہے۔ (جاری)

۱۔ ان تمام محنتوں کے لئے میری کتاب مصر اور فلسطین میں اسلامی فن تعمیر کا دسواں باب اسلامی ترمیم کاری کی ماہیت ملاحظہ ہو۔

## جامعہ عربیہ اعزاز العلوم کے سالانہ اجلاس کا انعقاد

جامعہ عربیہ اعزاز العلوم قصبہ ویٹ ضلع غازی آباد (یوپی) ۱۸ مئی ۱۹۸۸ء کو سالانہ جلسے کا انعقاد کیا گیا تمام ملک کے محدثین اور عالم دین نے شرکت فرمائی خاص طور پر حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے والد مولانا عبدالعلیم فاروقی ندوی نے اپنی بصیرت افروز دو گھنٹے کی تقریر میں مطالب کیا مفتی قاری شوکت علی صاحب مہتمم جامعہ عربیہ اعزاز العلوم نے اعلیٰ انعام کر کے اس کو باغ و بہار بنا دیا خوشی کا بتا ہے کہ قبلہ والد حضرت مفتی عتیق الرحمن عثمانیؒ کی جگہ مجھے ہر پروگرام میں شرکت کے لئے دعوت دیتے ہیں مجھے مدرسہ کی ترقیات دیکھ کر خوشی ہوتی ہے قاری شوکت علی صاحب قابل مبارکباد ہیں۔

قصہ نمبر ۲

# وحدت ادیان

ڈاکٹر نور احمد شاہتاز، کراچی یونیورسٹی، پاکستان

## وحدت ادیان کی دعوت ایک مکروہ چال ہے !

ان مذکورہ بالا اعتقادی اصولوں اور شرعی حقائق کے پیش نظر "وحدت ادیان" کی دعوت اور ان ادیان میں قرب پیدا کرنے اور پھر انہیں ایک دین بنانے کی دعوت دراصل ایک فعل خبیث ہے اور دشمنان اسلام کی ایک مکروہ چال ہے اس دعوت و فکر کا مقصد حق و باطل کے امتیاز کو ختم کر کے انہیں خلط ملط کرنا ہے اور اس طرح اسلام جو ایک سماجی اور بلشت مصطفیٰ (علیہ السلام) کے بعد سے واحد سماجی مذہب اور واحد قابل اتباع و واجب تعظیم مذہب قرار پایا ہے اس کو نقصان پہنچانے کی یہ ایک گہری سازش ہے۔ یہ ایک طرح کی کفر کی ہم ہی نہیں بلکہ اندر ہی اندر اسلام کے خلاف (گوریلا) جنگ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس چال سے مسلمانوں کو خبردار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَلَیْسَ الذِّنُّونَ

یَقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ یَرُدَّوْكُمْ عَنْ دِیْنِكُمْ اِنْ اَسْتَطَاعُوا (۱۲)

اور وہ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ وہ تمہیں تمہارے دین سے لوٹا دیں گے اگر اس کی استطاعت پائیں (لڑائی کے معنی لازمی طور پر یہی نہیں کہ دو بدو لڑا جائے اور اسلحہ کا استعمال ہو بلکہ جنگ کے اور بھی بہت سے انداز ہیں دوست بن کر اور دوستی کی دعوت دیکر دھوکہ دینا اور دوستی کے لباوے میں دشمنی کرنا اور

جڑ میں کاٹنا یہ یہود و نصاریٰ کی پرانی عادت رہی ہے۔ اب بھی یہی کیا جا رہا ہے کہ وحدت ادیان کا خوشنامہ نعرہ لگا کر دراصل اسلام کو کمزور اور ختم کرنا مقصود ہے۔

اللہ رب العزت نے اہل اسلام کو طاعت کی ایسی چالوں سے خبردار کرتے ہوئے فرمایا  
 وددوا و تکفروا کما کفروا فتکونون سوا و (۱۵) وہ دل سے چاہتے ہیں  
 کہ تم بھی کفر کا ارتکاب کرو جیسے انہوں نے کفر کیا تاکہ تم سب برابر ہو جاؤ (اب اس آیت  
 کو کیمہ کی روشنی میں "وحدت ادیان" کے اس نعرہ اور دعوت پر غور کیجئے کہ کیا ان کی یہ سازش  
 نہیں کہ وہ اہل اسلام کو بھی اپنے ساتھ سلا کر اپنے جیسا کر لیں اور سب کو برابر درجہ حاصل  
 ہو جائے۔ اب اس دعوت کے نتیجہ میں سب مسلمان تو ہوں گے نہیں۔ ہاں البتہ جو انہیں  
 حق پر اور سچے مذہب پر قائم ملنے لگا وہ انہی جیسا (کافر) ہو جائے گا اور یہی اس کی  
 ہال ہے۔

**اس دعوت کا مقصد شہادتوں کا زیاں اور جہاد کی نفی ہے:**

اس دعوت گناہ کا مقصد اسلام اور کفر کے مابین قائم فرق و امتیاز کو ختم کرنا ہے  
 اور معروف و منکر کا فرق مٹانا ہے اس طرح مسلم و کافر کے مابین قائم ایک اڑ اور حد  
 کو ختم کرنا ہے چنانچہ اس کے نتیجہ میں جہاد اور اللہ کے دین حق کی سر بلندی کی خاطر پیش  
 کی جانے والی شہادتوں کا خاتمہ مطلوب ہے اور اللہ کی سر زمین میں اللہ کا نام بلند کرنے  
 والوں کو ایک مکروہ حیلہ کے ذریعہ جہاد سے روکنا اور منع کرنا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کا  
 حکم ہر دور کے لئے اور قیامت تک کے لئے اہل اسلام کو یہ ہے کہ: قاتلوا الذین  
 لا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الآخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ  
 ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتی یعطوا الجزیۃ عن

یہ دھم سا فروغ (۱۶) جنگ کروان سے جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور اس چیز کو حرام نہیں سمجھتے جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا اور دین حق کو قبول نہیں کرتے وہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں کتاب دی گئی (ان سے لڑو) یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں ذلیل و خوار ہو کر۔

اب بتائیے بھلا شراب نوش اور خنزیر خور، زانی و لوطی لوگوں کے ساتھ "وحدت ادیان" کے کسی معاہدہ میں معاملہ میں شریک ہوا جاسکتا ہے؟ وہ جن کے نزدیک ہم جنس پرستی سمیت ہر وہ کام جائز ہو جسے عوام اور پارلیمنٹ جائز اور حلال قرار دے دیں اگرچہ اللہ نے اسے حرام قرار دیا ہو ایسے لوگوں کے ساتھ "وحدت ادیان" کی پیٹنگیں بڑھانا سر کفر و ارتداد ہے۔ انہیں تو بیچا دکھانے زیر دست رکھنے اور ان سے جنگ کرتے رہنے کا حکم ہے نہ کہ ان کی دعوت و وحدت ادیان پر لبیک کہنے اور ان سے دوستی گانٹھنے کا۔

ارشاد باری ایسے مشرکوں کے بارے میں یوں ہے۔ **وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ** (۱۷) (جنگ کرو مکمل مشرکوں سے جیسے وہ جنگ کرتے ہیں تم سب سے اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے)۔

### اس دعوت پر لبیک کہنا ارتداد ہے!

"وحدت ادیان" کی دعوت اگر کوئی مسلمان پیش کرے یا اس پر فریب نعرہ کا پروپیگنڈہ اور اس مقصد کے لئے کام کرے تو وہ مرتد شمار ہوگا اور اسلام سے اس کا تعلق ختم تصور ہوگا کیونکہ یہ دعوت اسلام کے بنیادی اعتقادی اصولوں سے متصادم ہے۔ ایسی دعوت کا داعی گویا اللہ کے ساتھ کفر کرنے کی دعوت دے رہا ہے اور قرآن کی حقانیت کو باطل کر رہا ہے اسی طرح وہ قرآن کے اس حکم کے خلاف کام کر رہا ہے جس میں سابقہ ادیان و مذاہب اور کتب کو منسوخ قرار دیا گیا۔ چنانچہ یہ ایک قابل مذمت



اقلام ہنگام اور ایسا اقدام کرنے والا دلہ شرمیہ، قرآن و سنت اور اجماع کے بموجب مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جائے گا۔

### قابل غور امور:

مذکورہ بالا آٹھ ضروری باتوں کی روشنی میں اہل اسلام کو درج ذیل امور پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

● کوئی بھی مسلمان جو اللہ تعالیٰ کو اپنا رب، اسلام کو اپنا دین اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نبی در رسول سمجھتا ہو اسے "وحدت ادیان" کی مکروہ دعوت دینا، اس کے لئے کام کرنا اس پر پسندیدگی کا اظہار کرنا اور مسلمانوں میں اس کا پردہ پیگندہ کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح اس دعوت گناہ کی خاطر کسی قسم کی کانفرنس منعقد کرنا، سیمینارز اور اجتماعات کرنا یا ان میں شریک ہونا بھی گناہ ہے۔

● کسی مسلمان کے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ تورات و انجیل (بائبل) کی الگ سے طباعت کرے چہ جائے کہ وہ قرآن کریم کے ساتھ ملا کر ان کو چھاپے، شائع کرے اور ایک ہی جلد میں تینوں کو جمع کر کے ان کی طباعت و اشاعت کا اہتمام کرے۔ اگر کوئی ایسا کرے گا تو یہ اس کی گمراہی اور دین سے دوری متصور ہوگی کیونکہ کوئی مسلمان حق اور باطل کو یکجا کرنے کی جرأت و جسارت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ان کتابوں کو جمع کر کے اکٹھے شائع کرنا عین حق (قرآن) اور تحریف شدہ و منسوخ شدہ حق (تورات و انجیل) کو جمع کرنا ہوگا جو کہ ناجائز اور باعث گناہ ہے۔

● کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ مسجد چرچ اور یہودی ٹمپل لکھے بنائے یا بنانے میں شریک ہو کیونکہ ایسا کرنا دراصل دیگر دو مذہب کو سہا جانتے ہوئے ان کی عبادت گاہ بنانے اور تعمیر کرنے میں شریک ہونا ہے۔ یہ ایک مادی فکر اور گمراہ کن اعتقاد ہے کہ

کے سوا نہ کوئی دوسرا دین اصل حالت میں باقی ہے اور نہ سچا ہے بلکہ تمام ادیان و تہذیبیں قرآن کے آجانے کے بعد منسوخ قرار پا چکیں اور اب کسی کو بھی اپنی مرفی کا دین اختیار کرنے کی اجازت نہیں بلکہ اللہ کے حکم کے مطابق سب کو دین اسلام دین مصطفیٰ کو قبول کرنا اور اس کو اختیار کرنا لازم ہے اور جو کوئی اس سے انحراف کرے گا وہ اللہ کا باغی ہوگا کیونکہ اللہ کا ارشاد ہے ۔ ومن یتبع غیرہ فلا سلام دینا فلس یقبولہ (کہ جو اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو اختیار کرنا چاہے تو یہ اس سے قبول نہ کیا جائے گا) اسی طرح چرچوں یا یہودی عبادت گاہوں کو اللہ کا گھر کہنا بھی جائز نہیں کہ ان میں اب اللہ کے حکم کے مطابق عبادت نہیں کی جاتی بلکہ بنی خواہش نفس کے مطابق عبادت ہیں کیونکہ اللہ کا آخری حکم تو یہ ہے کہ عبادت قرآن کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق کی جائیں اور وہی عبادت معتبر اور عند اللہ مقبول بھی ہوں گی جو اس کے آخری حکم کے مطابق ہوں۔ اہل اللہ کی روشنائی میں دیکھ لیجئے کہ چرچ اور ٹمپل میں ہونے والی عبادت کی حیثیت کیا رہی جاتی ہے اور جب وہ عبادت، عبادت نہیں رہیں تو اس کے لئے بنائے جانے اور تعمیر کئے جانے والے عبادت خانے "بیوت اللہ" اللہ کے گھر کہلانے کے مستحق کیوں کر ہوں گے؟ حقیقت یہ ہے کہ اب ان عبادت خانوں میں اللہ کی عبادت نہیں بلکہ کفر ہو رہا ہے سو یہ "بیوت کفر" کفر گاہیں کہلانے کے زیادہ مستحق ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے مجموع الفتاویٰ میں لکھا ہے کہ یسعت الیسع واکتئس بیوت اللہ (۱۸) یعنی یہودی عبادت خانے اور چرچ اللہ کے گھر نہیں ہیں۔

انکی دعوت دی جائے، انکی دعوت پر لبیک نہ کہا جائے :

کافروں کو دعوت اسلام دینا عموماً اور اہل کتاب کو دعوت اسلام دینا خصوصاً از روئے نصوص قطعیہ صریحہ مسلمانوں پر واجب ہے۔ مگر اس دعوت کا انداز حکیمانہ ہونا ضروری ہے البتہ دعوت اسلام کے حکیمانہ انداز میں اس بات کا خیال ضروری ہے کہ اپنے اصول و ضوابط میں سے کسی سے بھی دستبرداری نہیں کی جائے گی بلکہ دعوت دین کا انداز ایسا ہو کہ دوسرے

۱۱۲۱: اور اگر وہ قائل نہ بھی ہو تو کم از کم حجت تمام ہو جائے تاکہ اس

۱۱۲۲: یعنی ہلاک ہو جانے سے ہلاک ہونا ہے دلیل سے اور زندہ رہے جسے

۱۱۲۳: اللہ رب العزت نے اہل کتاب کو دعوت دین دینے کے بارے

۱۱۲۴: مع بیان سکھایا ہے فرمایا۔ قل یا اہل الکتاب تعالوا لی کامتہ سورہ

۱۱۲۵: لا تعبد الا اللہ ولا تشرب بہ شیئاً ولا تتخذوا بعضاً

۱۱۲۶: رباً من دون اللہ فات قولوا اشھدوا باننا مسلمون (۲۰)

۱۱۲۷: کہہ دیجئے! اے کتاب والو! ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک

۱۱۲۸: ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں

۱۱۲۹: اور ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب نہ بنائے۔ پھر اگر وہ روگردانی

۱۱۳۰: کریں تو کہہ دیجئے کہ گواہ رہنا ہم تو مسلمان ہیں۔)

اس انداز میں تو اہل کتاب سے بات ہو سکتی ہے مگر ان کی خواہش کے مطابق ان سے

ڈائیلاگ (DIALOG) کرنا اور ان کے حسب خواہش اپنے وقار سے کم تر درجہ میں

اتر کر ان سے بات کرنا اور ان کی مانتا اور اپنے اصولوں سے اعراض کرنا خود کو گمراہی کے گڑھے

تینوں مذہب (اسلام، یہودیت اور عیسائیت) سچے ہیں اور دنیا میں روئے زمین پر  
 آباد لوگ جس مذہب کو چاہیں اختیار کر سکتے ہیں۔ یہ کھلی گمراہی ہے۔ کیونکہ اب اسلام  
 کے سوائہ کوئی دوسرا دین اصل حالت میں باقی ہے اور نہ سچا ہے بلکہ تمام ادیان و توحش  
 قرآن کے آجانے کے بعد منسوخ قرار پا چکیں اور اب کسی کو بھی اپنی مرضی کا دین اختیار  
 کرنے کی اجازت نہیں بلکہ اللہ کے حکم کے مطابق سب کو دین اسلام دینِ مصطفیٰ کو  
 قبول کرنا اور اس کو اختیار کرنا لازم ہے اور جو کوئی اس سے انحراف کرے گا وہ اللہ کا  
 باغی ہوگا کیونکہ اللہ کا ارشاد ہے۔ وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ ذَلِكَ سَلَامٌ دِينَ فُلَانٍ يَقْبَلُ مِنْهُ  
 (کہ جو اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو اختیار کرنا چاہے تو یہ اس سے قبول نہ کیا جائے گا)  
 اسی طرح چرچوں یا یہودی عبادت گاہوں کو اللہ کا گھر کہنا بھی جائز نہیں کہ ان میں  
 اب اللہ کے حکم کے مطابق عبادت نہیں کی جاتی بلکہ اپنی خواہش نفس کے مطابق عبادت  
 ہیں۔ کیونکہ اللہ کا آخری حکم تو یہ ہے کہ عبادت قرآن کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق  
 کی جائیں اور وہی عبادت معتبر اور عند اللہ مقبول بھی ہوں گی جو اس کے آخری حکم کے  
 مطابق ہوں۔ اس اصول کی روشنی میں دیکھ لیجئے کہ چرچ اور ٹمپل میں ہونے والی عبادت  
 کی حیثیت کیا رہی جاتی ہے اور جب وہ عبادت، عبادان نہیں رہیں تو اس کے لئے  
 بنائے جانے اور تعمیر کئے جانے والے عبادت خانے "بیوت اللہ" اللہ کے گھر کہلانے  
 کے مستحق کیوں کر ہوں گے؟ حقیقت یہ ہے کہ اب ان عبادت خانوں میں اللہ کی عبادت  
 نہیں بلکہ کفر ہو رہا ہے سو یہ "بیوت کفر" کفر گاہیں کہلانے کے زیادہ مستحق ہیں۔  
 شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے مجموع الفتاویٰ میں لکھا ہے کہ بیعت البیعت والکنائس  
 بیوت اللہ (۱۸) یعنی یہودی عبادت خانے اور چرچ اللہ کے گھر نہیں ہیں۔



میں دھکیلنے کے مترادف ہے اللہ رب العزت نے اس سلسلہ میں کیا عمدہ بات فرمائی ہے۔  
ارشاد ہے **وَاحْذَرْهُمْ اِنَّ يَفْتَنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَا مَزَلَ اللّٰهُ اَيْدِيْكَ (۲۱) (ان)**  
سے بچتے رہیے کہیں وہ آپ کو اس کے کچھ حصے سے پھیر نہ دیں جو اللہ نے آپ کی طرف  
نازل کیا ہے۔

اس قدر ہوشیار اور خبردار کی جانے والی قوم بھی اگر یہود و ہنود کی سازش کا شکار  
ہو کر "وحدت ادیان" کے پرفریب نعرہ کا شکار ہو جائے تو اس کی بدنہی کے سوا اور کیا کہا  
جاسکتا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ "وحدت ادیان" کے غلاف میں لپیٹے ہوئے اس مکر وہ فتنہ کا  
سید باب کرنے کی خاطر علماء و مبلغین اپنی تمام تر توانیاں صرف کرتے ہوئے یہود و نصاریٰ  
کی اس سازش کو ناکام بنا دیں۔

### انبیاء علیہم السلام پر یا نبیل کے الزامات :

وہ تعریف شدہ قورات و انجیل جسے یہودی عیسائی کتاب مقدس سمجھ کر اب تک سینے سے  
لگائے ہوئے ہیں اور "وحدت ادیان" کے لبائے میں جیسے قرآن کے مساوی قرار دینے اور  
قرآن کے ساتھ شامل کرنے کی سازش ہو رہی ہے اس کے چند اقتباسات نقل کرنا فائدہ  
سے خالی نہ ہو گا تاکہ اہل اسلام کو صورت حال کی نزاکت کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

انبیاء علیہم السلام کے بارے میں اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کی کتاب مقدس کیا کہتی  
ہے ملاحظہ فرمائیے۔

انجیل (عہد نامہ قدیم) کی کتاب سلاطین کے باب ۱۱ کا آغاز اس طرح ہو رہا ہے۔

(باقی صفحہ ۱۹ پر)

## میرزا جلال سیر اصفہانی کے غیر مطبوعہ قطعات

ڈاکٹر وحید الدین، ایم۔ ایس۔ یونیورسٹی بٹرودا، گجرات

میرزا جلال سیر ایران کا عہد صفوی کا ایک اہم اور نازک خیال شاعر ہے اسیر کا شمار سب ہندی کے نامور شعراء میں ہوتا ہے۔ ابوطالب کلیم اور صائب تبریزی اسیر کو اس طرح خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

میرزای ما جلال الدین بس است از سخن سبجاں طلب کار سخن  
(کلیم ۱)

راستی طبعش استاد من است کج فہم بر فرق دستار سخن  
خوشا کسی کہ چو صائب ز ما جہاں سخن  
تتبع سخن میرزا جلال کند  
(صائب ۲)

اسیر ایران کے سادات خاندان سے تعلق رکھتا تھا اس کے والد میرزا موسیٰ اصفہان کے رہنے والے تھے۔ جلال اسیر کی تاریخ پیدائش کے متعلق قطعی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے لیکن گنج سخن کے مصنف ذبیح اللہ صفائی نے جلال اسیر کی تاریخ پیدائش ۱۰۲۹ ہجری لکھی ہے<sup>(۱)</sup> جو درست معلوم نہیں ہوتی اس لئے کہ جلال اسیر شاہ عباس اول کا داماد تھا اور شاہ عباس اول کا دور سلطنت ۱۰۳۸-۹۸۹ ہجری تھا۔ اسیر مشہر مدرس کا ستولی تھا اور شاہ عباس نے اپنی چھٹی بیوی کی شادی اسیر سے کی تھی جس کی وفات شاہ عباس کے زمانے میں

ہی ہو گئی تھی۔ (۴)

ایسر میرزا فصیح ہروی کا شاگرد تھا اپنے استاد کا ذکر کرتے ہوئے صائب کو بحیثیت شاعر اپنے سے برتر تسلیم کرتا ہے :

باوجود آنکہ استادم فصیحی بود ایسر<sup>(۵)</sup>

مصرع صائب تو اندیک کتاب من شود

تمام تذکرہ نگار جلال ایسر کو نازک خیالی کا نمائندہ شاعر تسلیم کرتے ہیں جلال ایسر کے ہم عمر شعراء میں ابو طالب کلیم، طائب آمولی، نظیری نیشاپوری، صائب تبریزی، حکیم شرف الدین، شفائی، والدہ ہروی، فصیح ہروی اور ملا حسن فیض کاشانی شامل تھے، ذلال خوانساری جو شاہ عباس اول کا ملک الشعراء تھا جلال ایسر کا شاگرد تھا۔ (۶)

ایک عام خیال یہ ہے کہ جلال ایسر کی وفات ۳۰ سال کی عمر میں ہو گئی تھی۔ ایسر کی کلیات کافی ضخیم ہے اس سے اس کی پیر کوئی اور قادر الکلامی کا پتہ چلتا ہے۔ کلیات میں قصائد و قطعات، مثنویات، غزلیات، مخمسات اور رباعیات شامل ہیں۔ اب تک کی تحقیق کے مطابق جلال ایسر نے شریں میں کچھ نہیں لکھا تھا۔

کلیات جلال ایسر ۱۲۹ ہجری میں منشی نوکشور نے چھاپی تھی جو نامکمل ہے اس کے ہندوستان، پاکستان یا ایران میں اسکی کلیات یا دیوان آج تک راقم کی اطلاع کے مطابق چھپا نہیں ہے۔ مذکورہ کے مطابق گو جلال ایسر ہندوستان کبھی نہیں آیا لیکن ہندوستان کی ہر بڑی لائبریری میں اس کی کلیات یا دیوان کے نسخے موجود ہیں جس سے اس کی ہندوستان میں شہرت اور مقبولیت کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً خدائش اور بنٹل پبلک لائبریری پٹنہ، ملا فیروز لائبریری بمبئی، آصفیہ لائبریری حیدرآباد، عربک بورڈن انسٹی ٹیوٹ ٹونک، راجھان، ہندوستان کے علاوہ برٹش میوزیم، انڈیا آفس لائبریری، کیمبرج یونیورسٹی لائبریری وغیرہ۔



راقم کے پاس بھی کلیات جلال ایسر کا ایک خطی نسخہ موجود ہے اس نسخہ میں کاتب کا نام درج نہیں ہے اس پر مختلف مہرس ہیں جو ناخواندہ ہیں لیکن اسی صفحہ پر مہر کے ساتھ سن ۱۲۹۱ ہجری لکھا ہے اور نسخہ کے آخر میں کاتب نے نسخہ کی کتابت مکمل ہونے پر ذیل عبارت درج کی ہے

”تمت تمام شد بعون اللہ تعالیٰ دیوان مرزا جلال ایسر بتاریخ عہدہ شہر ذی القعدہ ۱۲۹۱“

اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ اس نسخہ کی کتابت غالباً ذی قعدہ ۱۲۹۱ ہجری میں مکمل ہوئی ہوگی اس نسخہ میں کل تین سو صفحات ہیں۔ کلام کی تعداد اس طرح ہے۔

قصائد	۵۲
قطعات	۱۲
مشنویات	۳
غزلیات	۱۵۴۲ (مکمل وغیر مکمل)
مخمسات	۱۷
اور رباعیات	۹۲

نو لکھنور کے مطبوعہ نسخہ اور ذوق نسخہ کا جب مقابلہ کیا گیا تو پتہ چلا کہ کافی تعداد غزلیات اور رباعیات اور قطعات کی ایسی ہے جو نو لکھنور کے مطبوعہ کے نسخہ میں شامل نہیں ہے ذیل میں جلال ایسر کے آٹھ غیر مطبوعہ قطعات درج کئے جاتے ہیں۔

### قطعات

خاک راہ تو نو بہار چمن	نقش پای تو یاد سگار چمن
ای خیالت گل ہمیشہ بہار	تا خزاں از تو میگسار چمن
چہ قدر بوی گل گلاب کند	گر شوی بے خبر دوچار چمن
کہ بہ بیند چنیں عرقناکت	نبسم گل شود غبار چمن

در کین گاه زخم کاری ما      تیغ بر کف نشسته خار چمن  
چه ی است اینکه میدهد ساقی      در چمن میکشم خسار چمن  
دختر از بباغ می آید  
توبه هاب دماغ کی آید

صبح عید (از) کوشمهای می است      مژده ساغر کشان هوای می است  
سایه برگ برگ گل شاداب      چیده هر گوشه شیشهای می است  
سایه بید خضرستان است      عیش جاوید خونههای می است  
باده از داغ لاله نوش کنید      دست پیمانه در عنای می است  
که برافراخت قد که در گمشن      قسم گل بنواک پای می است  
آفت عقل و هوش ماساقی  
نگه کرم آشناساقی

شده ام عرق بحر نیل گناه      مژمویم چو خامه نامه سیاه  
گم گشته بار کشت معصیت      کوه خم گردد از گرانی کاه  
گرفته عالمی شود با مال      گز بمحشر کشم سپاه گناه  
نفسی ماکشیده ام از دل      دیو در شیشه کمرده ام صید آه  
آه ازین کرده های توبه گذران      داده زین گفتهای خجلت کاه  
عضو مغنم ز روی هم خجل اند      دست دل جرم و جان چشم دوم نگاه  
میکند کفر نیک ازین اسلام      وای من لاله الا الله  
چکرم با چنین تبه کاری      گریه نیارم بدرگه تو پناه  
بهر رحمی زخم خلاصم کن  
بهر لطف غلام خامم کن

زرد تو کعبه جهان باد	جان بیا د تو عهد قربان باد
کافران است در دلم که میرس	مؤمنم ست پید مژگان باد
زیر سیرمکنم بیا درخت	شبم کل شریک طوفان باد
لاد دگر چه میکند عاشق	بی تو گلزار در بسیا باد
سنبلی برزم افشایند	خواب آسودگی پیرشان باد
رفتم از خویشتن بیا درخی	عالم بیخودی گلستان باد
خار در دل شکسته خاطر من	مدح پیرای شاه مردان باد

قبله آسمان ولی الله

فارس لامکان ولی الله

در شنای علی و عمرانی	مور لفظم کند سلیمانی
میکند بمحو گل درین گلشن	جز بیل سخن پر افشانی
کام بخش که از زلال کفش	کشتی خاک گشته طوفانی
شهریاری که از بهار دلش	برگ سبز است ابر نیانی
میکند ذوالفقار خونریزش	گردن شرک را گریبانی
غضبش موج بحر قهاری	کرمش لطف عام یزدانی
بارگاه تو کعبه اول	استان تو قبله ثانی
چه سراید کسی که در چمنست	عذیب است وی ربانی
هر چه میخوای از توی آید	از خداوند از خدا دانی

ای وکیل خدا همینست بس

دست قدرت در استینت بس

نفسم دام آفتاب شکار	میکنم مدح جیدر کرار
صفحه گلزار و خامه گوهر بار	ابر نیسان شدم چه کم دارم
میتوان دید از دد و دیوار	عالم آئینہ دار عرفانش
از گل و خار میچکد اقرار	دو جهان مطلق است در شانش
از شنایش زبان شمع مزار	بعد مردن نمیکنم خاموش
مدحش انشاکنم بخط قیام	گر رود خاک تر بتم برباد
دامن سبزہ تا بحیب بہار	میکنم پُر گل از شنای علی
چکنم نیست طاقت گفتار	چہ بگویم نمی توان گفتن

رحمت حق کلید احاش

پایہ عرش چوب در بان

ای شایست کلید باغ بہشت	پر گل از مدحت دماغ بہشت
گر نباشد فروغ عرفانت	کی دہد روشنی چراغ بہشت
تا نباشد غبار یکرانت	کہ دہد خضر را سراغ بہشت
در دم حسرت زمیں بوست	کنج زندان و سیر باغ بہشت

ای رضای دلت رضای خدای

مدعای تو مدعای خدای

مدح شدہ کردہ ام بہار سخن	میزنم داد اعتبار سخن
خامہ ام جای نقطہ می ریزد	گل خورشید در کنار سخن
بسکہ شوق شناگری دارد	می چکد مستی از خار سخن
گوش روحانیان برقص آمد	زمین گرانمایہ گوار سخن

خجلم سوخت داورا مددی گھرچہ جان میکنم نشار سخن  
 بسکہ زہر خجالتم نوشید تلخ مگر دید روزگار سخن  
 بی زبان گشتہ ام زبانم بخشش (۷)  
 نسخہ عمر جاودانم بخشش

جلال ایسر کی مطبوعہ کلیات میں نو قطعات ہیں۔ ذاتی خطوط میں کل چودہ قطعات ہیں جن میں سے آٹھ غیر مطبوعہ ہیں۔

ان دونوں کلیات میں تمام قطعات میں سے ایک قطعہ استاد یعنی نصیح ہروی کی تعریف میں لکھا ہے۔ تین قطعات شاہ صفی کی تعریف اور اسکی قمع وغیرہ کے سلسلہ میں ہیں ان قطعات میں تاریخ بھی کہی ہے۔ چوتھا قطعہ بھی غالباً شاہ صفی کے لئے ہے کیونکہ اس میں بادشاہ وقت کا نام نہیں ہے اس لئے صرف اندازہ سے ہی کام لیا جاسکتا ہے اس میں شاہ وقت کو نصیحت اور مدد کی درخواست ہے۔ دو قطعات بہاریہ ہیں اور ایک قطعہ حمد باری تعالیٰ میں ہے باقی قطعات میں تین قطعات حضرت علی کی مدح میں دو قطعات شاہ خراسان کی مدح میں، میں باقی ماندہ قطعات روزمرہ کی زندگی سے مطلق ہیں۔ تین قطعات مطبوعہ نسخہ میں ایسے ہیں جو ذاتی خطی نسخہ میں نہیں ہیں۔

جلال ایسر نے قطعات سادہ اور آسان زبان میں لکھے ہیں خاص طور سے وہ قطعات جو حمد باری تعالیٰ اور ائمہ حضرات کی تعریف میں ہیں۔ اوپر دیئے ہوئے قطعہ میں جو اس نے حمد باری تعالیٰ میں لکھا ہے جلال ایسر کو اپنے گناہوں کی زیادتی کا کس قدر احساس ہے اور ان گناہوں کی معافی کا طلب گار بھی ہے۔ کتنے آسان اور سادہ انداز میں لکھا ہے اور اسی طرح جب ائمہ حضرات کی مدح کرتا ہے تو ان کی بزرگی اور برتری کے احساس کے ساتھ ان کی مدح میں گم ہو جاتا ہے جس سے اس کے جذبات و احساسات کی فکاسی ہوتی ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ کلیاتِ جلالِ اسمیر کا تنقیدی مطالعہ کرا جائے اور اسکو تدوین کر کے شائع کیا جائے۔

## منابع

- (۱) مولانا میر غلام علی آزاد بلگرامی، مائثر الکلام (سر و آزاد) تبصیح، عبداللہ خاں (فضل دوم) لاہور، ۱۹۱۳ء صفحہ ۵۳
  - (۲) ایضاً۔
  - (۳) جلد سوم، تہران، ۳۰ شمس، صفحہ ۱۰۲
  - (۴) نصر اللہ فلسفی، زندگانی شاہ عباس اول، جلد دوم، تہران، ۱۳۴۷ شمس، صفحہ ۲۰۲۔
  - (۵) کلیات میرزا جلال اسمیر، منشی نو کشور پریس، لکھنؤ، ۱۲۹۷ ہجری، صفحہ ۸۸-۲۸۷۔
  - (۶) امیر شیر علی خاں لودھی، تذکرہ مرآۃ النیال، ۱۳۲۳ ہجری، بمبئی، صفحہ ۷۷۔
  - (۷) کلیات میرزا جلال اسمیر، نسخہ خطی، زاتی۔
- (بقیہ: وحدتِ ادیان) —

”اور سلیمان بادشاہ فرعون کی بیٹی کے علاوہ بہت سی اجنبی عورتوں سے یعنی موآبی، عمونی، ادومی، صیدانی اور حتی عورتوں سے محبت کرنے لگا۔ سلیمان انہیں کے عشق کا دم بھرنے لگا۔“ (۲۲) — گویا انجیلِ حرف کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام اولوالعزم پیغمبرِ مصلیٰ نے عشقِ زناں ہوا (معاذ اللہ) اس سے بڑا الزام کسی پیغمبر پر کیا ہو سکتا ہے۔ لیکن اہل کتاب نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بعض انبیاء پر اعلانیہ زنا کی تہمت بھی عائد کی۔ حضرت لوط علیہ السلام پر تہمتِ زنا ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے۔ (نقل کفر کفر نہ باشد) (جاری)

## تبصرہ

نام کتاب : "منع الصالحات عن حضور الجماعات"  
 مؤلف : شیخ طریقت عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اسلام صاحب انصاری دامت برکاتہم  
 قیمت : مندرج نہیں ہے۔

ملنے کا پتہ : جامعہ عربیہ نور الاسلام، شاہ پیگریٹ میرٹھ شہر (یوپی)  
 مذکورہ بالا کتاب، ملت اسلامیہ کے لئے دینی جذبہ سے ایک اہم دینی موضوع پر شائع  
 کی گئی ہے۔

مساجد میں عورتوں کا جانا درست ہے یا نہیں؟ یہ ایک اہم مسئلہ آجکل ملت اسلامیہ میں  
 بہت زور پکڑے ہوئے تھا اس مسئلہ کی اہمیت و نزاکت کا خیال کرتے ہوئے ملت اسلامیہ  
 کے ایک درد مند عالم دین حضرت مولانا حکیم محمد اسلام صاحب انصاری، مہتمم جامعہ عربیہ نور الاسلام  
 شاہ پیگریٹ میرٹھ شہر نے احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں ٹھوس و مدلل دلائل  
 پیش کئے ہیں جس سے عام مسلمان کی بھی سمجھ میں یہ بات بیٹھ جائے کہ "مسجد میں خانہ خدایں اور  
 یہ صرف عبادت کے لئے ہیں۔ بندہ خدا، خدا کی بندگی میں فنا فی اللہ ہے ایسے میں کوئی صنیف  
 نازک اپنے حق و جمال و آرائش کے ساتھ مسجد میں داخل ہوتا ہے اور عبادتِ الہی میں متغرق  
 بندہ کی نظر اس کے حق و جمال پر اتفاق سے پڑ جائے تو عبادتِ الہی میں خلل واقع ہونا قدرتی بات  
 ہے اور یہی بات خواتین کے خانہ خدایں داخلہ میں مانع ہے۔

یہ اہم مسئلہ کی بات، عام مسلمانوں کی فہم و سمجھ میں لانے کے لئے کتاب منع الصالحات عن  
 حضور الجماعات شائع کی گئی ہے جو اس مسئلہ کے حل کے لئے تیر بہدف ثابت ہوگی۔

عامۃ المسلمین سے ہر طرح کا افتراق و انتشار مٹا دینا ہی فاضل مؤلف کا نیک اور اصل مقصد ہے اس لئے انہوں نے مسئلہ مذکورہ پر عالم اسلام کے بالاتفاق ثقہ عالم و مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک پرانی و مشہور تالیف صلوۃ الصالحات بھی اپنی اسی کتاب میں من و عن شانئے کر کے اس میں مزید جان ڈال دی ہے جس سے سونے پہ سہاگہ کا کام ہوگا۔ اس سے عام قاری کو کتاب مذکورہ کے مطالعہ میں دلچسپی و رغبت بھی پیدا ہوگی۔ بچہ تو یہ ہے کہ ”منع الصالحات عن حضور الجماعات“ جیسی اہم و ضروری کتاب تالیف شائع کر کے ملت اسلامیہ کی بڑی ہی قابل قدر اور لائق تحسین خدمت انجام دی گئی ہے جسکے لئے کتاب کے مؤلف شیخ طریقت عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اسلام انصاری دامت برکاتہم خلیفہ اجل حضرت حکیم الاسلام و جہتم جامعہ عربیہ نور الاسلام شاہ پیر گیٹ میرٹھ (شہر یوپی) تمام عالم اسلام کی طرف سے شکریہ و مبارکباد کے بجا طور پر مستحق ہیں۔ اللہ رب العزت کتاب منع الصالحات عن حضور الجماعات شائع کر نیکی دینی جذبہ کو قبولیت کا شرف بخشے۔ مسلمانوں کے لئے حصول معلومت و واقفیت اور موجب اجر و ثواب ہے اس کتاب کی خریداری۔ بہشتی زیور اور تعلیم الاسلام کی طرح خدا کرے اس کتاب کی عام مسلمانوں میں اس قدر شہرت ہو کہ یہ کتاب منع الصالحات عن حضور الجماعات ہر مسلمان گھر کی زینت بن جائے۔

(ادارہ)

### یوپی تعلیمی نصاب کی چند اہم کتب

تاریخ ملت جلد اول (نبی عربی)	قاضی زین العابدین	غیر مجلد ۲۵ روپے	مجلد ۳۵ روپے
تاریخ ملت جلد دوم (خلافت راشدہ)	”	غیر مجلد ۵۰ روپے	مجلد ۶۰ روپے
تاریخ ملت جلد سوم (خلافت بنی امیہ)	”	غیر مجلد ۵۰ روپے	مجلد ۶۰ روپے
تاریخ ملت جلد ہفتم (خلافت عثمانیہ)	مفتی انتظام اللہ شہبازی	غیر مجلد ۵۰ روپے	



## آخرین اسلامیتہ جمہوریہ ایران

۱۹۷۹ء میں ایران میں حضرت امام آیت اللہ خمینی کے اسلامی انقلاب نے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا تھا اور آج تمام دنیا میں ایران کے اندرونی اسلامی خوشگوار حالات نے تمام دنیا کے لوگوں کے دلوں میں اسلامی انقلاب اور اسلامی تعلیمات کے لئے اچھے خیالات پیدا کر دیئے ہیں۔ ہندوستان کے علماء کرام کے ایران سے قدیم تاریخی لسانی علمی و دینی رشتے قائم ہیں۔ ہندوستان کے علماء اسلام خصوصاً دیوبند کے اکابرین نے ہمیشہ ہی ایران کے حالات سے دلچسپی لی ہے اور ایران کا سفر کر کے ایران کے حالات و واقعات کا مشاہدہ کیا۔ ہے ادارہ ندوۃ المصنفین کے بانی اور عالم اسلام کی عظیم و مقدر رہمتی قبلہ آبا جان مفکر ملت حضرت مفتی عتیق الرحمن عثمانیؒ نے ایران میں اسلامی انقلاب کی آمد کے فوراً بعد خصوصی دعوت پر حضرت امام خمینی سے خاص ملاقات کر کے انھیں مبارک باد دی تھی۔ جسے امام خمینیؒ نے بڑی ہی لگن دلچسپی اور شکریہ کے الفاظوں کے ساتھ قبول کیا۔

خدا کا شکر ہے کہ حضرت مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانیؒ کے وصال کے بعد احقر صاحبزادہ اور ندوۃ المصنفین کے ڈائریکٹر رسالہ ”برہان“ کے مدیر مفتی عمید الرحمن عثمانی کا رابطہ و تعلق ایرانی کلچر ماؤس سے برابری ہے۔ نئی دہلی میں قائم ایران کلچر ماؤس بڑی لگن دیانتداری اور خلوص کے ساتھ ہندو ایران تعلقات کو مستحکم بنائے ہوئے ہے۔ فارسی زبان کو ہندوستان میں تک پہنچانے میں اسکی محنت قابلِ داد ہے۔

نئی دہلی میں اسلامی جمہوریہ ایران کے سفیر محترم عزت مآب جناب محمود موسوی نے جس طرح



دستاویزی مدد ملے جو موجود ہیں جن کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس زبان نے انسان قدروں کو فروغ دینے میں نمایاں خدمت انجام دی ہے۔ پروفیسر ظہیر دہلوی نے کہا کہ دنیا کے تمام ادیب اس زبان اس بات سے پوری طرح متفق ہیں کہ وقت کی رفتار کے ساتھ زبان و ادب میں تبدیلی آتی ہے اور اس بار آسوزی پروگرام کا مقصد ہندوستانی فارسی اساتذہ کو فارسی میں رونما ہونے والی تبدیلیوں سے آگاہ رکھنا ہے۔

پروفیسر ظہیر دہلوی کی تقریر کے بعد اسلامی جمہوریہ ایران کے سفیر خیر محمد عزت آب جناب نے اس موقع پر ایک مختصر مگر جامع اور غور طلب تقریر فرمائی۔ انہوں نے اس بات کو طرف اشارہ کیا کہ ایران کو سیاسی مقاصد کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور زبان مثبت اور منفی دونوں طریقوں سے کاردار کر سکتی ہے۔ فارسی زبان برصغیر ہند میں تقریباً ۸۰ سال سے زیادہ عرصہ پر مشتمل درخشاں تاریخ کی حامل ہے لہذا اس زبان کے ماہرین کو چاہیے کہ وہ اس بات کا تحقیقی مطالعہ کریں کہ فارسی زبان نے اس طویل مدت کے دوران مثبت کردار ادا کیا ہے یا منفی کردار کی حامل رہی ہے۔

سفیر محترم کی تقریر کے بعد اقتصادیات کے جہان خصوصی جناب ڈاکٹر عبدالوحید نے تقریر فرمائی۔ انہوں نے فارسی زبان کی شیرینی و دلکشی کا ذکر کرتے ہوئے اس بات پر مسرت ظاہر کی کہ ہندوستانی فارسی اساتذہ کو زبان و ادب کے نئے رجحانات سے روشناس کرنے کے لئے اس قسم کے ثقافتی پروگرام کا انعقاد ہر سال کیا جاتا ہے۔ انہوں نے مزید فرمایا کہ زبان و ادب میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کی آگاہی کے ساتھ ہی ساتھ اس بات کی بھی کوشش کی جانی چاہیے کہ نئے وسائل تربیت کو بھی بروئے کار لایا جائے کہ پروگرام اور زیادہ مفید اور کارآمد ثابت ہو سکے۔

پروگرام کے آخری حصہ میں محترمہ کمیلہ اوتساین نے صدارتی خطبہ ارشاد فرمایا انہوں

اسلامی جمہوریہ ایران اور ہندوستان کے درمیان رابطہ و تعلق خوشگوار بنایا ہوا ہے وہ ان کی مساعی جیلہ کا نتیجہ ہے۔ اور وہ اس کے لئے ہندوستانی عوام علماء کرام دانش مندان حضرات کی طرف سے شکریہ و مبارکباد کے سوا اور پرستی ہیں۔ ہندو ایران خوشگوار تعلقات زندہ باد۔ ہندوستانی عوام اور جمہوریہ اسلامی ایران کے عوام ہائندہ باد۔

### فارسی اساتذہ کی باز آموزی پروگرام کا اختتامیہ اجلاس

مورخہ ۲۱ جون ۱۹۸۰ء ہمدرد یونیورسٹی کنونشن سینٹر میں کل ہند فارسی اساتذہ کی باز آموزی پر مشتمل پندرہ روزہ پروگرام کا اختتامیہ اجلاس منعقد ہوا جس میں اندیا گاندھی اوپن یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر عبدالوجید خاں نے بر حیثیت ہمای خصوصی اور انڈیا انٹرنیشنل سینٹر کی صدر محترمہ کیلا و تیا سین نے صدر جلسہ کی حیثیت سے شرکت فرمائی۔ ان کے علاوہ نئی دہلی میں مقیم اسلامی جمہوری ایران کے سفیر عزت مآب جناب محمد موسوی اور علیگڑھ مسلم یونیورسٹی و ہمدرد یونیورسٹی کے اعزازی چانسلر جناب عبدالمجید نے اپنی موجودگی سے اختتامیہ اجلاس کی رونق میں اضافہ کر دیا۔ اختتامیہ اجلاس کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ اس کے بعد خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران کے قائم مقام کچل کاؤنسلر جناب ڈاکٹر محمد رضا باقری نے اپنی مختصر تقریر میں حکیم عبدالمجید صاحب آل انڈیا انجمن فارسی اساتذہ اور ایران کے شریفانہ ہونے پر اساتذہ کا شکریہ ادا کیا جس کے تعاون کی وجہ سے یہ باز آموزی پروگرام کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں اس پروگرام کے دوران بڑھائے گئے درسی پروگرام اور اوقات کلاس پر مشتمل ایک تفصیلی رپورٹ بھی پیش کی اس کے بعد آل انڈیا فارسی اساتذہ ایسوسی ایشن کے جنرل سکریٹری پروفیسر عبدالودود اظہر دہلوی نے حاضرین مجلس سے خطاب کیا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں فارسی زبان کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ درحقیقت فارسی زبان و ادب کی تقریباً ہزار سالہ تاریخ کے

دستاویزی مملکت موجود ہیں جن کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس زبان نے انسانِ قدوس کو فروغ دینے میں نمایاں خدمت انجام دی ہے۔ پروفیسر اظہر دہلوی نے کہا کہ دنیا کے تمام ماہرین زبان اس بات سے پوری طرح متفق ہیں کہ وقت کی رفتار کے ساتھ زبان و ادب میں تبدیلی یقینی ہے (اور اس بار آزموزی پروگرام کا مقصد ہندوستانی فارسی اساتذہ کو فارسی زبان و ادب میں رونما ہونے والی تبدیلیوں سے آگاہ رکھنا ہے۔

پروفیسر اظہر دہلوی کی تقریر کے بعد اسلامی جمہوریہ ایران کے سفیر محترم عزت آباد جناب محمد موسوی نے ایک مختصر مگر جامع اور غور طلب تقریر فرمائی۔ انہوں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ زبان کو سیاسی مقاصد کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور زبان مثبت اور منفی دونوں طرح کے کردار ادا کر سکتی ہے۔ فارسی زبان برصغیر ہند میں تقریباً ۸۰۰ سال سے زیادہ عرصہ پر مشتمل درخشاں تاریخ کی حامل ہے لہذا اس زبان کے ماہرین کو چاہیئے کہ وہ اس بات کا تحقیقی مطالعہ کریں کہ فارسی زبان نے اس طویل مدت کے دوران مثبت کردار ادا کیا ہے یا منفی کردار کی حامل رہی ہے۔

سفیر محترم کی تقریر کے بعد اختتامیہ اجلاس کے جہان خصوصی جناب ڈاکٹر عبد الوجید نے تقریر فرمائی۔ انہوں نے فارسی زبان کی شیرینی و دلکشی کا ذکر کرتے ہوئے اس بات پر مسرت ظاہر کی کہ ہندوستانی فارسی اساتذہ کو زبان و ادب کے نئے رجحانات سے روشناس کرنے کے لئے اس قسم کے ثقافتی پروگرام کا انعقاد ہر سال کیا جاتا ہے۔ انہوں نے مزید فرمایا کہ زبان و ادب میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کی آگاہی کے ساتھ ہی ساتھ اس بات کی بھی کوشش کی جانی چاہیئے کہ نئے وسائل تربیت کو بھی بروئے کار لایا جائے کہ پروگرام اور زیادہ مفید اور کارآمد ثابت ہو سکے۔

پروگرام کے آخری حصہ میں محترمہ کیسیلا و تساین نے صدارتی خطبہ ارشاد فرمایا انہوں

اسلامی جمہوریہ ایران اور ہندوستان کے درمیان رابطہ و تعلق خوشگوار بنایا ہوا ہے وہ ان کی مساعی جیلہ کا نتیجہ ہے۔ اور وہ اس کے لئے ہندوستانی عوام علماء کرام دانش مندان حضرات کی طرف سے شکریہ و مبارکباد کے سوا طوریہ پر مستحق ہیں۔ ہندو ایران خوشگوار تعلقات زندہ باد۔ ہندوستانی عوام اور جمہوریہ اسلامی ایران کے عوام ہائندہ باد۔

### فارسی اساتذہ کی باز آموزی پروگرام کا اختتامیہ اجلاس

موضوع ۲۱ جون ۱۹۹۵ء ہمدرد یونیورسٹی کنونشن سینٹر میں کل ہند فارسی اساتذہ کی باز آموزی پر مشتمل ہندو روزہ پروگرام کا اختتامیہ اجلاس منعقد ہوا جس میں اندرا گاندھی اوپن یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر عبد الوحید خاں نے بہ حیثیت مہمان خصوصی اور انڈیا انٹرنیشنل سینٹر کی صدر محترمہ کپسلا دتیا سین نے صدر جلسہ کی حیثیت سے شرکت فرمائی۔ ان کے علاوہ نئی دہلی میں مقیم اسلامی جمہوریہ ایران کے سفیر عزت مآب جناب محمد موسوی اور علیگڑھ مسلم یونیورسٹی و ہمدرد یونیورسٹی کے اعزازی چانسلر جناب عبدالحمد نے اپنی موجودگی سے اختتامیہ اجلاس کی رونق میں اضافہ کر دیا۔

اختتامیہ اجلاس کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ اس کے بعد خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران کے قائم مقام کچل کاؤنسلر جناب ڈاکٹر محمد رضا باقری نے اپنی مختصر تقریر میں حکیم عبدالحمد صاحب آل اندلیا انجمن فارسی اساتذہ اور ایران کے شریف لائے ہوئے اساتذہ کا شکریہ ادا کیا جس کے تعاون کی وجہ سے یہ باز آموزی پروگرام کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں اس پروگرام کے دوران بڑھائے گئے درسی پروگرام اور اوقات کلاس پر مشتمل ایک تفصیلی رپورٹ بھی پیش کی اس کے بعد آل اندلیا فارسی اساتذہ ایسوسی ایشن کے جنرل سکریٹری پروفیسر عبدالودود اظہر دہلوی نے حاضرین مجلس سے خطاب کیا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں فارسی زبان کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ درحقیقت فارسی زبان و ادب کی تقریباً ہزار سالہ تاریخ کے

دستاویزی مملکت موجود ہیں جن کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس زبان نے انسانِ قدروں کو فروغ دینے میں نمایاں خدمت انجام دی ہے۔ ہر و فیسراظہر دہلوی نے کہا کہ دنیا کے تمام ماہرین زبان اس بات سے پوری طرح متفق ہیں کہ وقت کی رفتار کے ساتھ زبان و ادب میں تبدیلی یقینی ہے اور اس باز آموزی پروگرام کا مقصد ہندوستانی فارسی اساتذہ کو فارسی زبان و ادب میں رونما ہونے والی تبدیلیوں سے آگاہ رکھتا ہے۔

ہر و فیسراظہر دہلوی کی تقریر کے بعد اسلامی جمہوریہ ایران کے سفیر محترم عزت آب جناب محمد موسوی نے ایک مختصر مگر جامع اور غور طلب تقریر فرمائی۔ انہوں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ زبان کو سیاسی مقاصد کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور زبان مثبت اور منفی دونوں طرح کے کردار ادا کر سکتی ہے۔ فارسی زبان برصغیر ہند میں تقریباً ۸۰۰ سال سے زیادہ عرصہ پریشانی درخشاں تاریخ کی حامل ہے لہذا اس زبان کے ماہرین کو چاہیئے کہ وہ اس بات کا تحقیقی مطالعہ کریں کہ فارسی زبان نے اس طویل مدت کے دوران مثبت کردار ادا کیا ہے یا منفی کردار کی حامل رہی ہے۔

سفیر محترم کی تقریر کے بعد احتشامیہ اجلاس کے مہمان خصوصی جناب ڈاکٹر عبدالوحید نے تقریر فرمائی۔ انہوں نے فارسی زبان کی شیرینی و دلکشی کا ذکر کرتے ہوئے اس بات پر مسرت ظاہر کی کہ ہندوستانی فارسی اساتذہ کو زبان و ادب کے نئے رجحانات سے روشناس کرنے کے لئے اس قسم کے ثقافتی پروگرام کا انعقاد ہر سال کیا جاتا ہے۔ انہوں نے مزید فرمایا کہ زبان و ادب میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کی آگاہی کے ساتھ ہی ساتھ اس بات کی بھی کوشش کی جانی چاہیئے کہ نئے وسائل تربیت کو بھی بروئے کار لایا جائے کہ پروگرام اور زیادہ مفید اور کارآمد ثابت ہو سکے۔

پروگرام کے آخری حصہ میں محترمہ کپیلاوتساین نے صدر ارقی خطبہ ارشاد فرمایا انہوں

نے فارسی زبان کی دلکشی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگرچہ میں فارسی زبان سے واقف نہیں ہوں لیکن فارسی ادب سے ہمیشہ متاثر رہی ہوں۔ انہوں نے اپنی تقریر میں مولانا روم کی عرفانی تعلیمات اور فارسی زبان کے ذریعہ ہندوستان صوفیاء کرام کے پیغام انسانی دوستی کی بھرپور ستائش کی اور فرمایا کہ ہندوستانی علماء و دانشوروں نے فارسی زبان و ادب کی نمایاں خدمت انجام دی ہے۔ انہوں نے کہا کہ فارسی زبان کے طویل ماضی کی ایک درخشاں تاریخ ہماری نگاہوں کے سامنے ہے لہذا مستقبل میں جو تعلیمی پروگرام مرتب کئے جائیں اس میں فارسی اور دیگر کلاسیکی زبانوں کو ان کا جائز حق ملنا چاہیئے۔ انہوں نے ملک کے مختلف علاقوں میں محفوظ گزراؤں فارسی سہ ماہیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تنہا مدرسہ اس کی لائبریری میں فارسی کے ۵۵ ہزار مخطوطات موجود ہیں اور اس عظیم ثقافتی میراث کی حفاظت لازمی ہے۔

اختتامیہ اجلاس کے آخری مرحلہ میں باز آموزی پروگرام میں شریک اساتذہ نے اپنے محترم ایرانی اساتذہ کی خدمت میں ہدیہ بھی پیش کیا۔

واضح رہے کہ فارسی زبان و ادب کی باز آموزی کے اس پروگرام میں ہندوستان کے مختلف علاقوں سے آئے ہوئے تقریباً ۱۰ ہندوین نے شرکت فرمائی۔ ایرانی استاد فرخساز سنگو نے اپنی رپورٹ میں بتایا کہ ہندوستانی فارسی اساتذہ زبان میں اچھی بہارت کے حامل ہیں لہذا آئندہ باز آموزی پروگرام میں فارسی ادب کو خصوصی اہمیت دی جانی چاہیئے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سرپرست اعلیٰ ندوۃ المصنفین دہلی

عالمگیر حکیم عبدالحمید صاحب چانسر جامعہ ہمدرد نئی دہلی و علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

مجلس ادارت اعزازی

سید افتخار حسین  
ڈاکٹر سعید الدین نقوی  
عماد سعید بلانی  
ڈاکٹر جوہر عباسی

برہان

نگران اعلیٰ

حضرت مولانا حکیم محمد زماں حسینی

شمارہ ۸

اگست ۹۸ء

جلد ۱۲۳

دفعہ

شمارہ

جلد

نظرات ..... عید الرحمن عثمانی ۲

مغربی فن تعمیر پر اسلامی فن تعمیر کے اثرات (قسط ۵)

۴ (ترجمہ: جناب سید مبارز الدین صاحب رفعت ایم۔ اے)

۹ وحدتِ ادیان ..... ڈاکٹر نواز احمد شاہ تھانہ کراچی یونیورسٹی پاکستان

قطعات و فائِ غالب

۱۴ عبدالرؤف خاں (ایم اے بھٹری) اُدولی کلاں (راج)

ماحول پر قابو کس طرح حاصل کیا جائے؟ (قسط ۷)

۳۱ جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی (لندن) بیرسٹریٹ لا

جملہ خط و کتابت اور ترسیل زر کا پیسہ

منیجر ماہنامہ برہان

4136 - اردو بازار جامع مسجد دہلی۔ 110006 فون نمبر 3262815

زیر تعاون

فی پرچہ: ۶ روپے

سالانہ: ۷۲ روپے

کمپیوٹر کتابت

CREATIVE VISION

محمد الرحمن عثمانی ایڈیٹر پرنٹر پبلشر نے خواجہ پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی سے شائع کیا۔

## نظرات

۱۵ اگست کی تاریخ ہر سال آتی ہے اور آتی رہے گی۔ یہ تاریخ ہندوستان اور ہندوستانی عوام کے لئے ہر لحاظ سے اہمیت کی حامل ہے۔ اس تاریخ میں ہندوستان پر ہندوستانیوں کی حکومت دوبارہ قائم ہوئی تھی ایک عرصہ تک ہندوستان انگریز سامراج کی غلامی کے پھندے میں جکڑا ہوا تھا اور اس غلامی کے خلاف ایک طویل جدوجہد عمل میں لائی گئی، ہزاروں ہندوستان اپنے ملک کی غلامی سے نجات کے لئے انگریز سامراج سے لڑائی لڑتے ہوئے موت سے ہمنما ہوئے۔ ہندوستان کے نامور علماء کرام نے آزادی کے لئے جنگ کا اعلان کیا ملک کو غلامی سے مکمل طور پر چھٹکارا دلانے کے لئے بڑی بڑی قربانیاں دیں، پھانسی کے تختے پر ہنستے ہوئے چول گئے ان کی قربانیوں کی بدولت یہ ملک آزاد ہوا۔

۱۵ اگست کی تاریخ اپنی اسی آزادی ملنے کی یادگار تاریخ ہے۔ جس میں ہم اپنے ملک کی فلاح و بہبود کی لئے نئے نئے پلان بناتے ہیں اپنے ملک کی ترقی و کامیابی کے لئے فکر و تدبیر تلاش کرتے ہیں اور ہمارے ملک کے حکمران عوام و خواص کے سامنے ملک و عوام کی خدمت و ترقی کے پروگراموں کا اعلان کرتے ہیں۔ اور ۱۵ اگست ۱۹۸۰ء کی تاریخ مزید اہمیت کی یوں حامل ہو گئی ہے کہ اس تاریخ کو اس جماعت کے رہنما وزیر اعظم ۱۵ اگست کو لال قلعہ سے ہندوستانی عوام کو خطاب کریں گے جو ملک کی آزادی کے بعد عالم وجود میں آئی تھی اور جس کا پہلا نام جن سنگھ تھا! اور دوسرا نام

بھارتیہ جنتا پارٹی ہے۔ اور جس نے اپنے قیام کے روزاول سے حزب اختلاف کے مخالفین  
انجام دیئے تھے۔ حکومت پر بحیثیت حزب اختلاف کے ہمیشہ ہی تنقید کرنے میں پیش  
پیش رہی ہے۔ آج یہ جماعت حزب اختلاف کی کرسی سے چھلانگ لگا کر حکمران جماعت کی  
کرسی پر برہان ہے۔ اس وجہ سے اس بار کی ۱۵ اگست ۱۹۹۵ء کی تاریخ نہ صرف اہم  
بلکہ دلچسپ بھی ہو گئی ہے۔

بھارتیہ جنتا پارٹی کی حکومت کو مرکز میں قیام کے چار مہینے پورے ہو چکے ہیں۔ اور  
اب چاروں طرف نظر دوڑا کر ہم ملک کے حالات کا جب جائزہ لیتے ہیں۔ تو ہمیں ہر طرف  
یاس و ناامید ہی دکھائی دیتی ہے۔ ہنگامی اور وہ بھی کمزور ہنگامی نے عوام الناس کا  
کچھ مزہ نکال دیا ہے۔ اٹا دال چاول دودھ دہی سمیڑی گوشت یہ سب چیزیں زبردست  
ہنگامی کی وجہ سے عام لوگوں کی پہنچ سے دور بہت دور ہوتی جا رہی ہیں۔ ایک بار جبکہ  
جناب اٹل بھاری باجپئی حزب اختلاف کی بیٹیوں پر بیٹھا کرتے تھے اس وقت انھوں نے  
ہنگامی کا روزنا روتے ہوئے کہا تھا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ وقت قریب آ رہا ہے جب لوگ  
تھیلوں میں بھر کر نوٹ لجایا کریں گے اور اس کے عوض میں جو بھی سامان خورد و نوش  
خرید کر لائیں گے وہ چھوٹی چھوٹی تھیلیوں میں لے کر گھر آیا کریں گے۔ ایسا معلوم دیتا  
ہے کہ وہ وقت (خدا کرے نہ آئے) آنے والا دکھائی دے رہا ہے۔ جہاں عوام ہنگامی  
کی مار سے بہ حال ہیں وہاں پانی اور بجلی کی آئے دن قلت نے بھی انکا جینا دیکھ کر دیا  
ہے۔ — حکمران طبقہ اسے صرف اخبارات کی من گھڑت خبریں بتا کر اپنا دامن بچانے کی  
کوشش کرتا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عوام کی ان تکالیف سے حکمران طبقہ اپنے کو  
ناواقف بنائے ہوئے ہے۔ یہ مسئلہ کا حل نہیں ہے۔ اگر ہنگامی اور پانی و بجلی کی قلت  
سے وہ حکمران طبقہ ابھی تک غافل ہے جو خود ایک عرصہ تک حزب اختلاف کے بیٹوں سے

حکومت پر اس سلسلے میں نکتہ چینی کرتا رہا ہے تو بڑے ہی تعجب کی بات ہے۔ اور اس سے عوام کی مایوسی میں خدرِ قیامت اضافہ ہونا ہے۔ ابھی حال ہی میں ٹی وی چینل پر آپ کی عدالت میں دہلی کے چیف منسٹر جناب صاحب سنگھ درمانے جب یہ بات کہی کہ دہلی میں مہنگائی اور پانی و بجلی کی قلت صرف اخبارات ہی بڑھا چڑھا کر پیش کر رہے ہیں تو آپ کی عدالت کے جج نے اپنا فیصلہ سناتے ہوئے انھیں مشورہ دیا کہ وہ عوام کے مسائل جاننے اور سمجھنے اور ان کی تکالیف کا جائزہ لینے کے لئے ہر ہفتہ کسی نہ کسی علاقہ میں جا کر بھیس بدل کر گھر ماکریں جب ہی انھیں حقیقت حال کا پتہ ہوگا۔ حکمران طبقہ کے لوگوں کو ہمارا بھی یہی مشورہ ہے کہ وہ اپنے اپنے طور پر خود علاقوں میں اچانک جائیں اور گھومیں اور عوام کے مسائل کا جائزہ لیں اور پھر ان کا تدارک کر نیکی طرف مستعد عمل ہو جائیں۔ یہ ہی ملک کی اور اسکے عوام کی صحیح مسنون میں خدمت ہوگی ملک اور عوام کی خدمت ہی سب سے بڑی عبادت ہے۔ یہ بات انھیں ہر وقت اور ہر حال میں ذہن نشین کر لینی چاہیئے۔ جب ہی ملک و عوام کو ان سب کٹھن تکالیف و مشکلات اور مہنگائی کی مار سے نجات نصیب ہوگی۔ اسی کے ساتھ عوام کی بھی خود کی ذمہ داری ہے کہ وہ مہنگائی کو کم کرنے میں اپنی ذمہ داری کو بھی فراموش نہ کرے اور ملک میں آنے والے تشدد و خون ریزی کے واقعات، اغوار کے افسوسناک واقعات، کتہ تدارک کے لئے بھی عوام کو خود کو نشان ہونے کی ضرورت ہے عوام اپنے کو بھی ذمہ دار سمجھیں اور ملک میں امن و امان کی ہر طرح بحالی اور قتل و غارت گری کے واقعات اور بچوں کو اغوار ہونے سے بچانے کے لئے ملک کے عوام اپنی آئینی ذمہ داریوں سے بھی خبردار رہیں۔ یہ وقت و حالات کی مانگ و ضرورت ہیں۔

ٹائمز آف انڈیا گروپ کے اخبارات سے یہ بیان کر ملت اسلامیہ کو یقیناً خوشی و مسرت

ہوگی کہ اسپین میں پانچ سو سال بعد پھر اسلام کی واپسی ہونی شروع ہوگئی ہے۔ ہندی روزنامہ نو بھارت ٹائمز نے دہلی نے ۲ اگست ۱۹۹۸ء کو ایک اشاعت میں ایک خبر شائع کی ہے جس کا عنوان ہے: "اسپین میں پانچ سو سال بعد پھر اسلام کی واپسی"۔ اس خبر کے تحت اس نے شائع کیا ہے۔

"اسپین میں مسلم حکومت کے خاتمہ کے ۵۰۰ سال بعد پھر ملک میں اسلام کی واپسی ہو رہی ہے۔" آل منڈو "روزنامہ اخبار کے مطابق پچھلے آٹھ سالوں میں یہاں مسلم لوگوں کی آبادی بڑھ کر دو گنی ہوگئی ہے۔ اور تیسویں زیادہ مسجدیں قائم ہوگئی ہیں ۱۹۹۷ء میں ہی وہاں ۲۵۰ نئے اسلامی جماعتوں کا رجسٹریشن ہوا ہے۔ اسپین میں سرکاری اندازے کے مطابق مسلم آبادی تین لاکھ ہے لیکن کچھ لوگوں کا اندازہ ہے کہ یہ تعداد پانچ لاکھ ہو سکتی ہے۔ اسپین کے سب ہی علاقوں میں مسجدیں تعمیر ہو چکی ہیں۔ اور ان کی کل تعداد بڑھ کر دو سو ہوگئی ہے۔ افسران کا کہنا ہے کہ قریب سو اسلامی جماعتوں کا سرکاری طور پر رجسٹریشن ہوا ہے۔ لیکن ان کی حقیقی تعداد اس سے دو گنا زیادہ ہے۔ اندلس کا گرنیڈا شہر ایک بار پھر اسلام کا مرکز بنتا جا رہا ہے۔ یہ وہی شہر ہے جو ۱۴۹۲ء میں مسلم اسپین پر عیسائی حملہ کے دوران سب سے آخر میں ان کے ہاتھوں میں گیا تھا۔ قریب دو ہزار مسلم گھروں والے اس شہر کی گلیوں میں مسلم تہذیب و تمدن کے پھیلاؤ اور اس کی تبلیغ کا نظارہ ہونے لگا ہے گلیوں میں کافی خواتین برقعہ پہنے نظر آتی ہیں اور دائرے والے لوگ ٹہلتے ملتے ہیں جو مسلمانوں کی خاص پہچان ہے۔ شہر میں عطر کی دوکانیں ہیں اور فرنیچر کے کارخانے ہیں ان کا رو باروں میں زیادہ تر مسلم طبقہ کے لوگ لگے ہوئے ہیں۔ اسپین میں قریب تین ہزار سے لے کر پانچ ہزار تک لوگوں نے اپنا مذہب چھوڑ کر اسلام مذہب قبول کیا ہے۔" یہ دیکھ کر خوش آئند بات ہے اللہ کرے وہ وقت بھی ہمیں دیکھنا نصیب ہو جائے جب تاریخ اپنے کو دہراتے ہوئے پورا اسپین مسلم اسپین بن جائے۔

باجو میں اور آخوی قسط

# مغربی فنِ تعمیر پر اسلامی فنِ تعمیر کے اثرات

انہا - مارٹن ایس برگس

ترجمہ: جناب سید مبارز الدین صاحب رفعت ایم۔ اے

اسلامی فنِ تعمیر کے اس جائزے کے دوران جن مختلف نقاط کا ذکر ہوا ان سب کو پیش نظر رکھئے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مجموعی حیثیت سے مغربی دنیا نے اسلام سے تعمیر کاری میں جو قرض لیا ہے وہ حقیقی اور واقعی ہے صرف فوجی تعمیر کاری ہی کے میدان میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ صلیبی ماربوں نے (جنہوں نے ارض مقدس میں بہت سے نفیس کلیسا اور قلعے اپنی یادگار چھوڑے ہیں) قلعہ بندی کے فن میں بہت سی چیزیں اپنے دشمن مسلمانوں سے سیکھی تھیں اور خود مسلمانوں نے اس سلسلہ میں آرمینی سنگ راجوں کی مہارت سے فائدہ اٹھایا تھا۔

آرمینیا اور شام کی سنگی اور ایران کی خشتی قبل اسلام عمارتوں سے (ایران کی ان سے قبل اسلام خشتی عمارتوں کے بارے میں اب علماء میں یہ خیال عام ہو تا جا رہا ہے کہ ہم نے قرون وسطیٰ میں لداؤ چھتیں بنانے کا طریقہ ان ہی عمارتوں سے لیا ہے) ہم نے جو کچھ لیا ہے اس قرض کو منہا کر دیا جائے تب بھی ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ شام اور دوسرے ملکوں کی اسلامی عمارتوں میں جو تکنیکی کمان استعمال کی گئی ہے وہ مسلمانوں ہی کی ایجاد ہے۔ درجہ انحنا والی تکنیکی کمان قریب قریب یقین کی حد تک اور ٹیوڈر کمان ممکن ہے دونوں کا ایک ایسی ہی اصل سے تعلق رکھتی ہیں، کئی نعلوں اور کئی نعل دار یا کثیر برگی کمانو

کا استعمال بھی اسی ذریعہ سے آیا ہے۔ اسی طرح غالباً سطوں کی تزیینی نمونے اور ممکن ہے درجہ پھول میں سلاخوں کے ذریعہ تزیین بھی لہیں سے لی گئی ہے۔ گل بوٹوں کے تختے ابتدائی مسجدوں میں پتھر یا سنگستر میں بنی ہوئی ہندسی شکلوں کی جالیوں سے لے گئے ہیں یا یہ ممکن ہے

کہ یہ چیز اور ایسی آگ کے قبل اسلام آنے سے ہی شام اور مصر میں پیدا ہوئی ہو اور عربوں نے اسے

ہو چکی تھی۔ بعض اوقات رنگین شیشوں کی ایجاد کا سہرا مشرق کے سر بلندھا جاتا ہے لیکن یہ بات اب تک ثابت نہیں ہوئی ہے، پایوں کے گوشوں میں دیوار سے لگا کر دھرے دینا جسے گو تھک چھتوں کی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ آٹھویں یا نویں صدی کی ایک اسلامی ایجاد ہے۔ تزیینی اور جمال دار گھر گنج عراق (مسو پٹیمیا) سے تاہرہ منتقل ہوئے یہاں سے یہ اطالیہ منتقل ہوئے اور آگے چل کر گو تھک فن تعمیر کی ایک خصوصیت بن گئے۔ بعد کی گو تھک عمارتوں میں منبت کاری میں بنے ہوئے کتبے جو تزیین کے لئے استعمال کئے گئے ہیں نویں صدی کی جامع ابن طولون کی نقل میں بنائے گئے ہیں لیکن فرانس کے جنوبی علاقوں پر مسلمانوں کے اقتدار کے دوران میں کوئی رسم خط میں لکھے ہوئے کتبے فرانس تک پہنچ چکے تھے۔

۱۰ یعنی ماہر نظرانی منبت کار گاؤ فرے ڈس (AUFREUDUS) کے منبت کار جوبی دروازے جو لے پوی (LE PUY) کے کلیسا کی ایک چھوٹی سی کان میں لگے ہوئے ہیں اور دوسرا منبت کار دروازہ لاوونے شیلیاک (LAVOUTECHILAC) میں لگا ہوا ہے۔ وسط منظر آج کے اوپری حصہ میں تزیینی پیٹروں اور بعض ابتدائی رنگین شیشوں کے درجہوں کی اصل کے بارے میں پروفیسر تھالے (LETHALE) نے اباہی خیال ظاہر کیا ہے ملاحظہ ہو رینگٹن میگزین میں آ

ایچ کر سٹی کامنٹون The Denelag ment of ornament from

Bus Ling Ton Magazine Vol 3 X/4 X/1, 1922

اور انگلستان تک میں تزیین کی بعض نادور مثالوں میں عربی اثر کی غمازی ہو رہی ہے  
 دھاری دار روکار تھامس سے آئے ہوں گے۔ ایسے ہی نشاۃ ثانیہ کے گھنٹہ گھر۔ اور نشاۃ  
 ثانیہ کی صدق نامہ خرابی میں بھی آپس سے آئی ہوں گی۔ عربی و مشرقیہ یا چھوٹی جالیاں جو  
 مکان کے زنانہ حصے کو چھپانے یا مسجد میں آدھ کے طور پر استعمال ہوتی تھیں ان کی  
 انگلستان کی دھاتی جالیوں میں نقل کی گئی ہے۔ گل بوٹوں کی ہلکی مہنت کاری کے  
 ذریعہ عمارت کی سطحوں کی تزیین یا ماہی پشت جال کے ذریعہ دیواروں کا سجانا اور  
 زینت کے لئے ہندسی شکلوں کا استعمال ان سب چیزوں کے لئے ہم مسلمانوں قوموں  
 کے ممنون احسان ہیں یہی تو ہیں ہمارے علم ہندسہ کا بہت بڑا ماخذ یا ذریعہ رہی ہیں۔  
 اوپر جو باتیں بیان ہوئیں وہ موٹی موٹی سی باتیں تھیں لیکن صلیبی لڑائیوں کے  
 دوران میں اور زیادہ پر امن طریقہ پر 'قرون وسطیٰ کے آخری زمانے میں مشرق اور  
 مغرب کے قریبی ربط نے تعمیر کاری پر اور بھی اثرات ڈالے ہوں گے جن کا اس سرسری  
 جائزے میں ذکر نہ ہو سکا۔ اسپین میں اسلامی تعمیر کاری کی روایات نشاۃ ثانیہ کے  
 آخری عہد تک برقرار رہیں اور یہی رائیں اسپین کے گو تھک تعمیر کاری کے  
 بہت سی گتھوں اور عجیب و غریب چیزوں کا حل پیش کرنے میں مدد دیتی ہیں آخر  
 میں یہ بات بھی دھیان میں رکھی جائے کہ اب بھی بعض دور دراز ملکوں میں اسلامی  
 تعمیر کاری سے کام لیا جا رہا ہے جہاں وہ ایک ہزار سال سے بھی زیادہ زمانے سے  
 پھلتی پھولتی چلی آ رہی ہے۔ ختم شد



تیسری اور آخری قسط

## وحدتِ ادیان

ڈاکٹر احمد ستار، کراچی یونیورسٹی (پاکستان)

” اور لوط صفر سے نکل کر پہاڑ پر جا بسا اور اس کی دونوں بیٹیاں اس کے ساتھ تھیں، کیونکہ اسے صفر میں بسنے ڈر لگا اور وہ اور اس کی دونوں بیٹیاں ایک غار میں رہنے لگے تب پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بوڑھا ہے اور زمین پر کوئی مرد نہیں جو دنیا کے دستور کے مطابق ہمارے پاس آئے اور ہم اپنے باپ کو ملے پلائیں اور اس سے ہم آغوش ہوں تاکہ اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں۔ سو انہوں نے اسی رات اپنے باپ کو ملے پلائی اور پہلوٹھی اندر گئی اور اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اٹھ گئی اور دوسرے روز یوں ہوا کہ پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ دیکھ کل رات کو میں اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی اور آج رات بھی اس کو ملے پلائیں اور تو بھی جا کر اس سے ہم آغوش ہوتا کہ ہم اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں سو اس رات بھی انہوں نے اپنے باپ کو ملے پلائی اور چھوٹی گئی اور اس سے ہم آغوش ہوئی پر اس نے نہ جانا کہ کب وہ لیٹی اور کب اٹھ گئی۔ سولوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں اور بڑی کے ایک بیٹا ہوا اور اس کا نام مواب رکھا۔ وہی موابیوں کا باپ ہے جو اب تک موجود ہیں اور چھوٹی کے بھی ایک بیٹا ہوا اور اس نے اس کا نام بن عمی رکھا وہی بنی عمون

کا باپ ہے جو آج تک موجود ہیں (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) (۲۳)

اس طرح عیسائیوں نے اللہ کے ایک پاک پیغمبر پر تہمت لگانے کی ناپاک جسارت کی اور صرف یہی نہیں انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑے بیٹے پر الزام لگایا کہ اس نے اپنے باپ کی بیوی سے زنا کیا اور باپ نے اسے کچھ نہ کہا۔

انجیلِ حرف کی کتاب پیدائش باب ۳۵ میں ہے ۔

(۲۴)

”روبن نے جا کر اپنے باپ کی حرمِ باہاہ سے مباشرت کی اور اسرائیل کو یہ معلوم ہو گیا“ حضرت داؤد علیہ السلام پر بھی تہمت زنا لگائی گئی، سفرِ سموئیل ثانی باب ۱۱ میں ایک قصہ لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام ظہر کے بعد اپنے بستر سے اٹھے اور شاہی محل کی چھت پر بٹھلنے لگا اتفاقاً ان کی نگاہ ایک عورت پر پڑی جو غسل کر رہی تھی اور بڑی خوبصورت تھی داؤد نے کسی آدمی کو بھیج کر اس عورت کی نسبت معلوم کرایا تو لوگوں نے بتایا کہ یہ ”اوریاہ“ کی بیوی یت سلع ہے۔ پھر داؤد نے آدمیوں کو بھیج کر اس عورت کو پکڑوا لیا اور اس کے ساتھ صحبت کی پھر وہ اپنے گھر واپس چلی گئی اور اسے حمل رہ گیا۔ (۲۵) متذکرہ بالا آیات عیسائیوں کی مشہور کتاب مقدس انجیل (حرف) میں موجود ہیں قرآنِ کریم نے ان تمام الزامات سے ان انبیاء کرام کو بری قرار دیتے ہوئے ان کی شان بیان کی ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر لگنے والے الزامات بے بنیاد اور بے اصل ہیں۔

۲۳ - عہد نامہ قدیم، کتاب پیدائش، باب ۱۹، آیت ۳/

۲۴ - عہد نامہ قدیم، کتاب پیدائش، باب ۳۵، آیت ۲۲

۲۵ - عہد نامہ قدیم، سفر سموئیل ثانی باب ۱۱

**قرآن اور عصمتِ انبیاء:** بعض انبیاء علیہم السلام کے بارے میں بائبل کے بیانات آپس میں بڑے اب دیکھئے قرآن کریم نے

انبیاء علیہم السلام کی عصمت کی گواہی کس طرح دی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اپنے ان برگزیدہ بندوں پر عائد ہونے والے الزامات کی قطعی کھولنے کے لئے کس قدر عمدہ کلمات میں ان کی شان بیان کی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ فَضْلًا (۲۶) (اور بے شک ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے بڑا فضل عطا کیا)

وَإِذْ كَرَّمْنَا دَاوُدَ وَآلَايْدَانَهُ إِدَابًا (۲۷) (اور یاد کیجئے ہمارے طاقات پر بندے داؤد کو وہ بے شک بہت رجوع کرنے (توبہ کرنے) والا تھا)

يَا دَاوُدَ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ (۲۸) (اے داؤد بے شک ہم نے آپ کو زمین میں اپنا نائب بنایا)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: "وَهَبْنَا لَهُ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ نِعْمَ الْعِبْدَانِ هَؤُلَاءِ" (۲۹) (اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا وہ کیا ہی اچھا بندہ ہے بے شک وہ ہماری طرف بہت رجوع کرنے والا ہے)

حضرت لوط علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: "وَإِيتَيْنَاهُ هُكْمًا وَعِلْمًا وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ تَعْمَلُ الْفَبَاثُ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سُوءِ فَاسْقِينَ وَ"

۲۶۔ سورۃ سبا، آیت ۱۰

(۲۷) سورۃ ص، ۱۸

۲۸۔ سورۃ ص، ۲۶

۲۹۔ سورۃ ص، ۳۰

ادخلنا لا فی رحمتنا انہ من الصالحین (۳۰)

(اور ہم نے لوط کو حکم اور علم عطا کیا اور اس بستی سے ان کو نجات دی جس کے باشندے ناپاک کام کرتے تھے بے شک وہ بدترین قوم تھے نافرمانی کرنے والے اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کیا بے شک وہ صالحین میں سے تھے۔

### سورۃ الشعراء میں فرمایا:

کذبت قوم لوط المرسلین اذ قال لهم انھوهم لوط الا تقوت انی نکم رسول امین (۳۱) قوم لوط کے لوگوں نے رسولوں کو بھٹلایا جب ان کے ہم قبیلہ لوط نے ان سے کہا کیا تم نہیں ڈرتے؟ بے شک میں تمہارے لئے امانت والا رسول ہوں۔

سورۃ الصافات میں ارشاد ہوا: وان لوطا من المرسلین اذ نجینا واهله اجمعین (۳۲) بے شک لوط پیغمبروں میں سے ہیں جب ہم نے انہیں اور ان کے سب گھر والوں کو نجات دی) حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہوا۔

واذکر عبداً منا ابراہیم واسحق و یعقوب اولی الایدی والا بصار انا اخلصناھم بخالصۃ ذکوی الدار والھم عندنا من المصطفین (الاخیار) (۳۳) اور یاد کیجئے ہمارے بندوں ابراہیم واسحاق اور یعقوب، قوت

۳۰۔ سورۃ الانبیاء / ۷۴

۳۱۔ سورۃ الشعراء / ۱۶۰

۳۲۔ سورۃ الصافات / ۱۳۳

۳۳۔ سورۃ ص / ۲۵۰



# قطعات وفات غالب

جمہالِ معروف خاں (ایم۔ اے، سٹری) اُردوئی کلاں (راج)

ڈاکٹر گیان چند جین صاحب نے اپنے کسی مقالے میں تحریر فرمایا تھا کہ اردو ادب میں کام کرنے والوں کے لئے نئے موضوعات کا فقدان نہیں۔ ایک موضوع غالب کی وفات کے قطعات تاریخ کو یکجا کرنا بھی ہے۔ لیکن جیسا کہ مولانا الطاف حسین حالی (م ۱۹۱۴) نے لکھا ہے کہ، ”اُن (غالب) کی وفات کی تاریخیں جو مدت تک ہندوستان کے اردو اخباروں میں چھپتی رہیں وہ گنتی اور شمار سے باہر ہیں“ اس لئے اس موضوع کا کما حقہ حق وہی اسکالر ادا کر سکتا ہے جو بلند ہمت اور وسائل سے بے نیاز ہو؟ اور جو ملک کے تحقیقی اداروں اور جامعات کے کتب خانوں تک سفر کر سکے ہیں۔ جہاں اُس عہد (۱۸۶۹ء کی ۱۵ فروری کے بعد سے کم از کم دسمبر ۱۸۷۰ء تک) کے اردو اخبارات کی فائلیں موجود ہیں۔ یہ کام کسی بھی ریسرچ اسکالر کے لئے سرمایہ افتخار ثابت ہوگا۔ راقم دورِ افتادہ و بے بضاعت کی رسائی بڑے اظہاروں تک اب ممکن نہیں۔ تاہم میرے ذاتی محدود ذخیرے کی مدد سے وفاتِ غالب کے چند قطعات پیش کر رہا ہوں۔ اگر کسی اسکالر کے کام آسکے۔ تو زہے نصیب۔

مرزا اسد اللہ خان غالب المعروف بہ میرزا نوشہ، النماط بہ نجم الدولہ دیر الملک اسد اللہ خان

لے یادگار غالب ص ۱۰۰ غالب انسٹیٹیوٹ نئی دہلی ۱۹۸۶ء

بہار نظام جنگ شب ہشتم ماہِ رجب ۱۲۱۲، ہجری بمطابق ۲۷ دسمبر ۱۷۹۷ء کو شہرِ آگرہ میں پیدا ہوئے۔ اپنی ولادت کا قطعہ سال کسی وقت خود ہی کہا۔

غالب پورنا ساری فرجام نصیب ہم بیمِ عدو وارد، ہم ذوقِ حبیب  
تاریخِ ولادت من از عالم قدس ہم شورشِ شوق، آمد و ہم لفظ "غریب" ۱۲۱۲ھ

یعنی "شورشِ شوق" اور لفظ "غریب" سے مادے حاصل کئے۔ دوسری تاریخِ ولادت اردو میں مرزا حیدر علی برکھی صاحبِ عالم مارہروی صاحب سے غالب کی مراسلت رہتی تھی۔ ایک دفعہ عالم صاحب نے مرزا غالب سے پوچھا کہ آپ کی ولادت کس سنہ میں ہوئی، اور یہ بھی اطلاع دیا کہ میری ولادت لفظ "تاریخ" سے نکلتی ہے، جس کے عدد ۱۲۱۱ ہوتے ہیں۔ مرزا نے جواب میں یہ شعر بھیجا۔

ہاتفِ غیب سن کے یہ چیخا

ان کی تاریخِ میرا "تاریخ" ۱۲۱۲ھ

مرزا نے شاعری کی ابتداء ۱۸۷۸ء میں کی۔ شروع میں اسد تخلص اختیار کیا۔ مگر میرا مانی اسد کا درج ذیل شعر سنکر:

اسد اس جفا پر بتوں سے وناک مرے شیرِ شاہی رحمتِ خدا کی ہے  
اپنا تخلص (اسد) کر دیا اور تقریباً ۱۸۱۹ء میں غالب تخلص رکھ لیا، پھر بھی کبھی اسد

۲ ایضاً ص ۹ نیز دیوانِ غالب کا نسخہ گیتا رخصت ۱۰۲ مرتبہ کال داس گیتا رخصت کا پبلشرز بمبئی تربیت و اضافہ کے ساتھ ۱۵ فروری ۱۹۹۵ء

۳ کلیاتِ غالب فارسی ۱: ۲۲۲۔ دیوانِ غالب نسخہ رخصت ۵، بحوالہ مکتبِ انجمن

۵ سخنِ شعراء ص ۲۱ عبد الغفور نساج

تخلص بھی روارکھا۔ ۱۲۷۷ھ میں اپنی وفات کا قطعہ بھی خود ہی لکھا:

من کہ باشم کہجا و دں باشم      چون نظیری نہ ماند و طالبِ مُرد  
ور بہ پرسندد کہراہِ سال      مرد غالب، بگو کہ "غالبِ مُرد" ۱۲۷۷ھ

(یعنی کیا ہستی ہے کہ ہمیشہ زندہ رہوں۔ جب بڑے بڑے نامی شاعر نظیری اور طالب باقی نہ رہے۔ اور اگر لوگ پوچھیں کہ غالب کس سال میں مر گیا (تو جواب دو کہ) "غالبِ مُرد" کے عدد نکال لو۔ یعنی ۱۲۷۷ھ) یہ قطعہ ۱۲۷۷ھ میں لکھا تھا مگر ۱۲۷۷ھ میں وفات نہ ہوئی تو اس بارے میں میر جمہدی مجروح کو لکھتے ہیں، "میاں ۱۲۷۷ھ کی بات غلط نہ تھی مگر میں نے وہ بوائے عام میں مرنا اپنے لائق نہ سمجھا واقعی اس میں میری کسرِ شان تھی بعد رفعِ فساد ہوا سمجھ لیا جائے گا" ۷۷

۱۲۸۳ھ/۱۸۶۷ء میں کسی نے غالب کے انتقال کی افواہ اڑادی۔ افواہ سنکر ان کے نادیدہ شاگرد محمد حبیب اللہ دکن کا جید راہِ بادی سے رہا نہیں گیا اور انہوں نے ایک بہترین قطعہ تاریخ (فارسی) سپردِ قریاس کیا:

گزشت از جہاں آن جہاں سخن      کہ فی گفتش عرفی و طالب است

خود گفت سالتن ریاضِ جاناں

کراں تا کراں مسکن غالب است ۷ ۱۲۸۳ھ

د یعنی وہ جہاں سخن جہاں سے گزر گیا، جس کو میں عرفی اور طالب کہتا ہوں۔

۶ اردو معنی ص ۲۷۰ ناشر ام نرائن لال آرٹس کمار، الہ آباد ۱۹۹۰ء

۷ غالب کے خطوط مرتبہ خلیق انجم ۲/۵۳۰

۸ ماہنامہ آجکل نئی دہلی دسمبر ۱۹۹۱ء ص ۱۲۔



دبیر عقل نے اُس کا سالِ وفات کا مادہ "ریاضی جنان" بتلایا جو اس کنارے سے اس کنارے تک غالب کا مسکن ہے (قطعہ کا حل ملاحظہ فرمایا جائے۔

یعنی ریاض جنان کے ایک کنارے (پ) سے دوسرے کنارے (ب) تک "غالب" کا مسکن ہے۔ ۱- ۲۰ + ۵۰ + ۱۰۳۳ = ۱۲۸۳ھ۔ اس نوعیت کا دمایہ قطعہ تاریخ گوئی کے لڑکے میں شاید ہی مطالعہ میں آئے۔ اگرچہ اس صنعت میں سترہ ستارہ گروہ (۱۱۱۱ھ) کی بھی ایک تاریخ ملتی ہے، جو ذکر کے ذہن میں ضرور رہی ہوگی۔ بہر حال یہ افواہ غلط ثابت ہوئی۔

۱۲۸۳ھ میں غالب کی سماعت کمزور ہو گئی تھی۔ سید آل محمد مارہروی نے اس واقعہ کی بابت یہ قطعہ کہا:

کان ہرے میرزا نوشہ کے آہ بیٹھے بیٹھے یک بیک کیونکر ہوئے

دوستو تاریخ اوس کی فییب سے

یوں سنی میں نے کہ غالب کتر ہوئے، ۱۲۸۴ھ (کر بمعنی ہر ہوتا)

مورخ نے "ہویے" کے (۳۱) عدد شمار کئے ہیں، غالب انتقال سے تین ماہ پیشتر سے نوشی سے تائب ہو گئے تھے۔ اس واقعہ کی تاریخ خود بھی قطعہ مبسوط ہے لہذا صرف تین شعر پیش ہیں:-

ہر شب بقدر یہ نختہ بادہٴ گلغام آئے زدوسی سال مراقبہ (ایں بود

در غرہٴ شعبان جو زمن بادہٴ گرفتند خود غالب بثر مردہٴ نشانی ز سین بود

روشش بدر آرا از مہ شعبان کہ دیں جا

مقصود من از خضر جہ البتہ ہیں بود ۱۲۸۵ھ

۱۶۴ ملحقہ نورالانوار آرہ ۱۲۹۹ھ

”غالب پڑ مردہ“ مادہ ہے جس کے عدد ۱۲۹ ہوتے ہیں بیشش بدسار کہتے ہوئے  
(۶) عدد کا تخریجہ کر کے مطلوبہ سال ۱۲۸۵ھ حاصل کیا گیا ہے۔ اس یگانہ روزگار شاعر  
کی یہ آخری نگارش ہے۔

ڈیوڑی قعدہ ۱۲۸۵ھ / ۱۵ فروری ۱۸۶۹ء کو یہ شہرہ آفاق شاعر خدا کو پیارا ہوا۔ آہ  
غالب بمر (۱۲۸۵ھ) مادہ ہے، جس پر بہت سے شعرا کو توار دہوا۔ غالب کے شاگرد  
بال مکند بے صبر نے اسی مادہ کو لوں منظوم کیا :

ہماں میرزا غالب اور ستارہ من      ہماں آفریں ہماں چو آفر سپر  
پیر سیدم از دل سنی رحلتش      بنالید و گفت : آہ غالب بمر دہ ۱۲۸۵ھ  
(ان میرے استاد میرزا غالب نے آفر اپنی جان، ہماں آفریں کے سپرو کردی رتب)  
میں نے دل سے ان کا سنہ رحلت پوچھا تو رو دیا اور کہا۔ آہ غالب مر گیا۔  
میروز بر نور کھنوی نے بھی اسی مادہ سے سال پیدا کیا۔

لئے سال اک شاعر بے نظیر      فلک زدند آہ غالب بمر دہ ۱۲۸۵ھ  
جناب محمد بخش فہم بلایونی نے فارسی میں یہ قطعہ کہا :  
خزاں دیدہ شد گلشن نظم و نثر      چو غالب ز باغ جہاں رخت برد

۱۔ غالب کا ایک مشاق شاگرد بال مکند بے صبر دجیات اور انتخاب تصانیف (از کالی داس گپتا  
نفاص ۱۲ و ۱۳ سالہ پبلشرز پرائیویٹ لمیٹڈ ممبئی ۱۹۹۲ء  
۲۔ تاریخ نبرنگار جولائی ۱۹۶۳ء نیز تاریخ لطیف ص ۵۰  
۳۔ کلیات غالب (فارسی) مرتبہ امیر حسن نورانی ص ۷۶ ناشر راہبر رام کمار بکڈپو مطبع  
منشی نول کشور کھنؤ ۱۹۶۸ء

محکمات غیب از ہر سال بگفتا بن آہ غالب ہر دے ۱۲۸۵ھ  
جب ۲ ذیقعدہ ۱۲۸۵ھ کو غالب کی موت واقع ہوئی تو ذکا حیدر آبادی نے  
اور وہیں درج ذیل نالی قطعہ دس عدد کے تذخلے سے کہا:

میرہ استاد معنوی غالب	جس کا ہر لفظ معنی اجماع نہ
وعدہ لاسفریک لہ کی قسم	ہر ایک فن سخن میں تھا بے نیاز
ایسی قسمت کہاں جو میں کرتا	پردہ چشم طرب با انداز
ہاں سنا ہے کہ اُس کے تھے کردار	جیسے گفتار حافظ شیراز
کیا عجب ہے جو حرمت دے سے	بخش دے بھی کریم نکتہ نواز
ہند کا انور سی و سعد سی تھا	متفق اس پہ ہیں سخن پرداز
خود ہی فرما گیا ہے یہ مقطع	پیش بینی کا دیکھنا انداز
"اس اللہ خاں تمام ہوا" ۱۲۷۵	وادر یغا وہ زند شاہد باز (۱۰)
پہلے مصرع سے تا بہ آخر شعر	سال تاویخ کا ہے جلوہ طراز

غیب دانی صفت خدا کی ہے  
اک عدد کی کمی میں تھا یہ راز ۱۲۸۵ھ

مادہ اٹھویں شعر یعنی مقطع غالب کا پہلا مصرع ہے، جس کی کل قیمت ۱۲۷۵ ہوتی ہے  
لیکن نویں مصرع کی رو سے مقطع کے آخری لفظ "باز" کے دس عدد کا تذخلہ کرتے ہوئے

۱۲ تاریخ گویان بدایوں از ڈاکٹر صداقت اللہ خاں ص ۱۰۱ مطبوعہ ۱۹۹۵ء  
صفحہ ماہنامہ آج کل نئی دہلی دسمبر ۱۹۹۱ء صفحہ ۱۲۔

۱۲۸۵ھ حاصل کئے گئے ہیں۔ قاری "اک عدد کی کمی .... الخ سے کسی وجہ میں مبتلا نہ ہوں کہ پھر تہ خلد" باز کے دس عدد کا کیوں کیا گیا۔ دراصل یہاں "اک" (ایک) سے مراد صرف "احد" نہیں بلکہ ہر ایک عدد خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اپنا آپ میں ایک عدد ہی ہوتا ہے تاریخ گو "دس عدد کی کمی میں تھا یہ راز" بھی کہہ سکتا تھا لیکن اس سے نہ صرف شعر بلکہ مکمل قطع کا حسن ختم ہو کر رہ جاتا اس لئے اک عدد کی کمی کہا " عدد میں جو نزاکت ہے وہ دس عدد میں نہیں۔ اس سے تاریخ بے مزہ ہو کر رہ جاتی۔

خواجہ الطاف حسین حالی نے غالب کی رحلت پر نہایت پُر اثر مرثیہ کہا، جن میں غالب ہی کے ایک مشہور مصرع سے تاریخ برآمد کی:

غالب نے جبکہ روضۂ رضوان کی راہ لے رہا تھا ہر لب پہ آہ سرد تھی ہر دل میں درد تھا  
اُس دین کچھ اہل شہر کی افسردگی نہ پوچھ : دنیا سے دل ہر اپنے پرانے کا سرد تھا  
حالی کہ جھکود عوی تمکین و ضبط ہے : دیکھا تو دل پہ ہاتھ تھا اور رنگ زرتھا  
تھا گو وہ اک سخنور ہندوستان نژاد : حرفی و انوری کا سنگرم ہم نہر دستھا  
اس قافلہ میں آئے ملا گو وہ سب کے بعد : اگلوں کے ساتھ ساتھ مگر وہ نور دستھا  
ہم اور صبح و شام یہ اندازہ جاں گزرا : دل تھا کہ فکر سال میں بیصرفہ گرد تھا  
ناگاہ دی یہ غالب مرحوم نے صدائے سچ ہے کہ خواجہ رہنمائی میں فرو تھا

تاریخ ہم نکال چکے پڑھ بغیر فکر ۱۵۱۱

"حق مغفرت کرے عجب آزاد مر تھا" ۲۷۹۶ = ۱۲۸۵ھ

یہ تاریخ غالب مرحوم ہی کی غزل کے ایک مصرع سے نکالی گئی ہے۔ ان کی غزل کا

مقطع ہے:

یہ لاش بے کفن اسدی خستہ تن کی ہے حق مغفرت کرے عجب آزاد مر تھا۔

مصرعہ اخیر کے اعداد ۲۷۹۶ ہوتے ہیں جب ان میں سے لفظ "تاریخ" کے (۱۲۱۱) عدد ساقط کر دیں جس کا قرینہ "نکال چکے" میں اور "فکر" کے (۳۰۰) عدد کا اخراج کریں جس کی وضاحت "پڑھ بیڑ" میں موجود ہے، تو ان کا میزان (۱۲۱۱ + ۳۰۰ = ۱۵۱۱) ہوا۔  
۱۷۹۶ میں سے خارج کیا تو ۱۲۸۵ باقی رہے اور یہی غالب کا سال وفات ہے تاریخ کی مختصر صورت یہ ہوئی ۲۷۹۶ - (۱۲۱۱ + ۳۰۰) = ۱۲۸۵۔

بال سکند بے صبر نے اپنے استاد کی وفات پر دوسرا قطعہ بزبانِ اردو کہہ کر زندانِ عقیدت پیش کیا، جو چار اشعار پر مشتمل بہترین شخصیتی مرثیہ ہے:

اسد اللہ خاں وہ غالب آہ جس سے اہل کلام تھے مغلوب  
جب سدھارے بسوے خلدیہ سغن اُن کے اَلَم میں سینہ کوب  
اُس پر سغن کے اختر کا مجھ کو سالِ غروب تھا مطلوب

کہا عیسیٰ نے از سرِ حسرت  
"ہوا آفتابِ ہند غروب" ۱۸۶۱ء و ۱۸۶۹ء

منشی دیبی پرشاد سحر بدایونی نے اردو میں دو قطعے تاریخ کہے:  
مرگیا غالب جو لاثانی تھا ہند میں لے گیا دنیا سے دھ سے صر تیں کیا کیا دریغ  
فکر میں اے سحر میں بیٹھا ہوا تھا ناگہاں

یہ تدا آئی فلک سے، ولے داویلا در بقی ۱۲۸۵ھ

تحریر کے دوسرے قطعے کا میں صرف شعر "تاریخ" شعر ہی دستیاب ہو سکا۔ یہ قطعہ تین

۱۵ غالب کا ایک مشاق شاگرد۔ بال سکند بے صبر میں ۱۲ و ۲۶

۱۶ تاریخ گویان بدایوں میں ۳۷

شعر پر مشتمل ہے۔

ہے تحریر مصرعہ کے لب پر جاری ”دنیا سے آج چل دیا غالب بھی“ ۱۲۳۷ (کذا)  
اس تاریخ کا مادہ نسخ ہے۔ درست صورت یہ ہونی چاہیئے :-  
”دنیا سے آج چل بسا غالب بھی“ ۱۲۸۵ھ

سید آل محمد ماسرہ روی نے مندرجہ ذیل قطعہ تماریح اردو میں یوں کہا :  
جناب میرزا نوشہ مدافسوس ہونے دارو فنا سے رگہرا آج  
لکھائے آل محمد سال منقوط  
کہ ”رشد حاقط و طالب مرا آج“ ۱۲۸۵ھ

مذکورہ مادہ صنعت بمعجم میں ہے جس کے حروف منقوط یہ ہیں : ش، ف، ظ، اب  
ج۔ ان حرفوں کے اعداد کا میزان ۱۲۸۵ ہوتا ہے، اور مورخ کو یہی بحری سند مطلوب تھا۔  
دیوان غالب کا پانچواں ایڈیشن مطبع مفید عام آگرہ سے ۱۲۸۵ھ میں وفات  
غالب کے فوری بعد شائع ہوا۔ ساک نے دونوں واقعات کی بہت خوبصورت اتفاقی  
تاریخ کہی :

”جے ہی سال طبع سال وفات“ ”آج اون کا سخن تمام ہوا“ ۱۲۸۵ھ  
ساک صاحب نے معلوم نہیں کس دریا کے غم میں غوطہ زن ہو کر مادہ کہا تھا کہ جس کے  
ہر ایک حرف سے ہزار ہا حسرتیں برس رہی ہیں۔ آج اون کا سخن تمام ہوا۔!! ذرا دھیے پہنچیں پڑھا  
جائے : آج !! اون !! کا .... !!

۱۷ تاریخ لطیف ص ۴۹

۱۸ دیوان تواریح ص ۳۹ مطبع نور الانوار آگرہ ۱۲۹۹ھ

۱۹ ماہنامہ نیا دور نصف صدی نمبر (کشتی) بابت مارچ تا مئی ۱۹۹۶ء صفحہ ۳۷۔

سالمک صاحب نے معلوم نہیں کس دریائے غم میں غوطہ زن ہو کر مادہ کہا تھا کہ جس  
کے ہر ایک حرف سے ہزار ہا حسرتیں برس رہی ہیں۔ آج اون کا سخن تمام ہوا !!! ذرا دیکھ  
لیجئے میں پڑھا جائے: آج !!! اون !! کا --- !!!

جناب سید سعید حسن سعید صاحب نے بحری و عیسوی سنہ میں دو قطعات لکھے ہیں:

نامور نکتہ رس خدائے سخن شاعر باوقار مصدرِ علم

کہندہ مسعود سالِ بحری میں

ہوئی تاریخ "سوت" منظرِ علم " ۱۲۸۵ھ

دوسرا قطعہ یہ ہے:

جل بسے آج میرزا غائب چھا گیا ملک پر وبالِ غم

موت کا انکی سانچہ تعظیم اک جہاں کو ہوا کمالِ غم

ہے یہ مسعود عیسوی سن میں

"محترم نیک ذات" سالِ غم ۱۸۶۹ء

مذکورہ دونوں قطعات بہت بعد میں لکھے گئے ہیں جو بے شک اور عمومی نوعیت کے

مائل ہیں۔

سید محمد علی جویا مراد آبادی نے بزیادت یک عدد مندرجہ ذیل قطعہ کہا جو نالی اور ناقص الفاظ

مادہ کا حامل ہے:

حادثہ وہ ہوا ہے غالب کا جس سے مغموم خاص و عام ہوئے

پس غالب یہ سال ہاتھ آیا ۲

"اسد اللہ خاں تمام ہجرت ۱۲۸۳: ۱۲۸۶ھ

"پس غالب سے ملاویاں "غالب" کا آخری حرف بائے مودہ ہے جس کے دوسرے مثال  
اعداد مادہ کے ہیں۔ جبکہ معنی قریب یہ ہیں کہ غالب کی رحلت کے بعد یہ تاریخ ہاتھ آئی۔  
باقی دو قطعات بزبان فارسی ہیں اور دونوں ۱۲۸۶ھ کے ہجرت۔

نواب نیاز احمد خاں ہوش بریلوی نے دو اشعار پر مشتمل قطعہ موزوں کیا جس کا تیرہم بیت  
ہے:-  
کہا ہاتھ نے ہوش "اب ہو سکے وہ

اسد یشہ سخن سخی" ۱۲۸۵ھ

جویا کا فارسی زبان میں کہا ہوا ایک قطعہ یہ ہے:-

غالب چوں ازیں جہان گزراں شد داخلِ خلد ہر ملک گفت

تاریخ وفات اور جویا

"تاج سر شاعران" فلک گفت ۱۲۸۶ھ

(غالب جب اس جہاں فانی سے گئے تو ہر ایک فرشتے نے کہا کہ وہ داخلِ خلد ہو گئے، اور جویا  
سے فلک نے ان کی تاریخ وفات "تاج سر شاعران" یعنی شاعروں کے سر کا تاج بھی -)  
جویا کی تاریخیں لگ بھگ دو ماہ کے تفاوت سے ہیں:

سید محمد علی جویا نے فارسی کے دوسرے قطعہ میں غالب، شیفتہ، مظفر خاں گرم اور رجب  
علی بیگ سرور کے انتقال پر کہا جو گویا صنعتِ اتفاقی میں بطرزِ معلیٰ، جسے ہم یہاں صرف

۲۲ خیابان تاریخ (سرود غیبی) ص ۸۲ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ ۱۲۹۲ھ

۲۳ تاریخ لطیف ص ۵۰

۲۴ خیابان تاریخ ص ۵۱



غالب کے سبب لکھتے ہیں:

دیکھ سال ز گیتی رفتند	غالب و شیفتہ و گرم و سرد
آن ہم در ہم اصناف سخن	چوں سخن در ہم گیتی مشہور
سال تاریخ اگر می خواہی	بہر ایں چار حریف سفور
اول و اوسط و ثانی و سوم	گیر ازیں ہر ہم نام مغفور

باز ترکیب بدہ ۳۱ بشنوی

مژدہ مغفرت شاں "ز غفور" ۱۳۸۶ھ

جو یانے چوتھے شعر میں وضاحت کر دی ہے کہ ان چاروں شعرا کے تخلص کے حرف اول یعنی غالب کے "غ" شیفتہ کے تخلص کے حرف دمیانی (اوسط) یعنی "ف" گرم کے تخلص کے حرف ثانی یعنی "ر" اور سرد کے تخلص کے حرف سوم یعنی "و" کو ترتیب دے کر مادہ بنایا جائے تو وہ لفظ "غفور" ہوگا جس کے عدد ۱۳۸۶ ہوتے ہیں۔ لیکن سرد کے علاوہ شیفتہ کا سال وفات صحیح طور پر معلوم نہیں باقی گرم و غالب کے سال وفات ۱۳۸۵ھ ہیں۔

اس "ر شکب جامی و ثانی سعدی" کی رحلت پر سید آل محمد مارہروی نے درج ذیل تازی ہرثیہ کہا:

جیف رفت آنکہ از کلاش بود	آشکارا معانی سعدی
در میا دین نظم و نثرش داد	طالعش ہمنانی سعدی
ہر کدیوان او مطالعہ کرد	یافت شیریں بیانی سعدی
بود در بند بند مرگب حزین	حق او ہمزبانی سعدی

ابرینسان کلب در سلکش ! داشت گوهر فشانی سعدی  
 سعدی او زنده بودی او بسخن ساختی میسنه بانی سعدی  
 محبت پُر افادتش دادی یاد از مکتب دانی سعدی  
 مستمع را تو خواندن شعرش لذت شعر خوانی سعدی  
 از جراح فکریش تقابل داشت بهریش با جوانی سعدی  
 بود ذات بلاغت آباش در زمانه نشانی سعدی

گفت آل محمدش تاریخ

" رشک حامی و ثانی سق<sup>۲۹</sup>ی " ۱۲۸۵ھ

سید آل محمد صاحب ہی کا دو اشعار کا ایک دوسرا قطعہ ہے جو عیسوی سنہ میں برآمد کیا ہے !

غالب کہ بشعر فارسی در عهدش لفاظ اور بود و صفناش لافظ (کذا)

تاریخ مسیحی پئے سال نقلش

از آل محمد است؛ "فخسہ حافظ" ۱۸۶۹ء

ڈیٹی غفور نساج کے قطعہ کا تاریخی شعر ہے !

نساج من کہ جستم تاریخ انتقالش گفتا سروش غیبی " بین الکمال غالب " ۱۲۸۵ھ

منفی محمد غلام سرور لاہوری نے جو یا کی طرح غالب کی وفات کے قطعہ کا مادہ ایک عدد کی زیادتی سے برآمد کیا ہے :

چوں غالب شہنشاہ ملک سخن ز دنیا بیام فلک خیمہ زد

۲۶ گبینہ سوری (گنج تاریخ) ص ۲۱۷ مطبعہ نامی نو کشور کھنؤ ۱۳۰۷ھ / ۱۸۸۹ء

۲۷ دیوان توارتخ ص ۱۷۱ - ۱۷۰ و ص ۸۵

۲۸ تاریخ لطیف ص ۵۰ -

رقم کرد سرور بتاریخ او

کہ رفت از جہاں گنج عرفاں اسد ۱۳۸۶ھ

شاہ غلام یحییٰ عظیم آبادی (م ۱۳۰۲ھ) نے ذیل کا مرثیہ نظم کیا:

مرزا نوشہ جناب غالب	درد تن سخنوری یگانہ
از اہل سخن برود دلہا	در شعر بطرز جاو دانہ
کیفیت نثر او چگویم	دارد اندازہ دبیرانہ
باشد بکلام او عجب لطف	معشوقانہ و عاشقانہ
از کشور ہند تا بغداد	زد کس کمال خسروانہ
در دہر آرد قلوب باکان	تولش در قالب ترانہ
ستانہ کلام او بخشد	کیف و شکر بے شبانہ
ایں اشعارم بحدت او	نہود گفتار شاعرانہ
ہر آنچہ کہ گفت ایم یاران	باشد قول محققانہ
ہمگذاشتہ خاک پاک دہلی	در شوق بہشت جاودانہ

سال آن بے نظیر تھی

گو "بود نظیری زمانہ" ۱۳۸۵ھ

ولہ

غالب نام آور کہ گرفت

از قلم خود کار سیف

رحلت کرد و سالتش گفتم

"جیف جناب غالب جیف" ۱۳۸۵ھ

۲۹ کنز تواریخ ص ۲-۳۱ حدیثش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ ۱۹۸۲ء

۳۰ حوالہ سابق ص ۳۲۔

حاتم علی مہر کے قطعہ کا حامل تاریخ شعر ہے :-

گفت ہاتھ ہے تاریخ اے مہر  
تجنناں غالب نامی آمد<sup>۳۱</sup> ۱۲۸۵ھ  
سید آل محمد بلگرامی ثم مارہروی نے صفتِ زبر و بینہ میں بڑا عمدہ قطعہ کہا جو  
اتفاق ہے :-

سہ شاعر را زوال آمد بیک سالی	کہ ہند از شعر شاں چوں اصفہاں بود
یکے آن غالب استادِ بسا نین	کہ او خود پیر و شعر او جوان بود
دوم زانہا سرور استادِ اردو	کہ شعر او سرورِ افزائے جاں بود
سوم شاعرِ خلیلِ مرثیہ گو	کہ در ملکِ سخن صاحبِ قرآن بود
ہمہ عالم، ز نوبتِ ایں سہ شاعر	پروازِ فریاد از شور و فغان بود
زُبرِ با بینہ از بہرِ تاریخ	فراہم شد زوالِ شاعران بود <sup>۳۲</sup>
ولیکن بازُبرِ با بینہ ہم	سرخزن و بکا شامل باں بود <sup>۳۳</sup>

(یعنی تین شاعروں پر ایک ہی سال میں زوال آیا مراد وفات ہوئی، جو کہ اپنے =

اشعار سے ہندوستان کو اصفہان کی مانند بنائے ہوئے تھے۔ اُن میں ایک غالب تھے جو فارسی  
وارد کے استاد تھے جو اگرچہ خود پیر تھے مگر ان کی شاعری جوان۔ ان میں سے دوسرے حبیبی  
بیگ سرور استادِ اردو تھے جنکے اشعار کا سرور جاں فزا تھا تیسرے شاعر مرثیہ گوئے خلیل  
تھے جو اقلیمِ سخن کے صاحبِ قرآن تھے۔ ان تینوں شاعروں کی وفات سے تمام عالم فریاد اور شور  
و فغان سے پُر ہو گیا۔ مجھے برائے سالِ صفتِ زبر و بینہ میں مادہ "زوالِ شاعران بود" (ظاہر)  
کا زوال تھا) فراہم ہوا لیکن زبر و بینہ ہی میں سرخزن و بکا (ج، ب) شامل مادہ کرنے پر

مذکورہ تاریخ میں زیر دینہ کے التزام کے سبب مطلوبہ سند برآمد کرنے کا معاملہ ذیل پر جمیدہ ہو گیا ہے۔ اس لئے ذیل کی سطروں میں اس کا حل پیش ہے:

زوال شاعران بود + ح ب

ح ب

بود

شاعران

زوال

حایا

باو اول

ثین الفین و الف فون

زوال و الف لام

اعداد: ۸ + ۱۳ + ۱۱۱ + ۲۷۰ + (۲۳۳) + ۳۶۰ + ۱۱۱ + ۱۳۰ + ۲۰۱ + ۱۱۱ + ۱۶۶ + (۲۱۹) + ۲۴۴ + ۲۵۰ + (۵) + ۳۰۱ + (۱۲) کل میزان = ۴۱۲۸۵۔

۵۲-۱۹۵۲ء میں حکومت ہند نے غالب کا مزار تعمیر کروایا۔ ابوالفضاحت حضرت مجروح جوش ملیحانی نے قطعہ تاریخ تعمیر کیا جس کے پہلے شعر کے پہلے مصرع میں غالب کا سال وفات بھی قوری طور پر برآمد کیا ہے:-

وہ تھا بارہ سو پچاسی جیسی جب ہوا دفن یہ شیریں گفتار

کی حکومت نے بھی قدر افزائی مقبرہ کمر دیا اس کا تیار

سال تاریخ یہ لکھ دے جوش

"آئیے دیکھئے غالب کا مزار" ۱۳۴۲ھ

اس رشک طالب و عرفی و حافظ و سعدی و جانی کے مزار واقع دہلی میں انکے چہیتہ شاگرد میر محمدی جروح کا یہ حسرت اندوز و نوحہ کنندہ ہے۔

کل حسرت و انوس میں میں بادل محزون

تھا تربت استاد پہ بیٹھا ہوا غمناک

۳۲ مکتوبات جوش ملیحانی بنام رضا از کاید اس گپتا ریاض ۹۹ حاشیہ نمبر اول پبلیکیشنز

پہلی اگست ۱۹۷۷ء بابر اول

ماتم علی مہر کے قطعہ کا حامل تاریخ شعر ہے :-

گفت ہا تنہ پئے تدریخ اے مہر <sup>۳۱</sup> بچناں غالب نامی آمد ۱۲۸۵ء  
سیدال محمد بلگرامی ثم مارہروی نے صفت زبر و بینہ میں بڑا عمدہ قطعہ کہا جو  
اتفاقی ہے :-

سہ شاعر را زوال آمد بیک سالی	کہ ہند از شعر شاں چون اصفہاں بود
یکے آن غالب استاد بسا نین	کہ او خود پیر و شعر او جوان بود
دوم زانہا سرور استاد اردو	کہ شعر او سرور افزاں جاں بود
سوم شاعر خلیل مرثیہ گو	کہ در ملک سخن صاحب قرآن بود
ہم عالم، زوت ایں سہ شاعر	پُر از فریاد از شور و فغاں بود
زبر با بینہ از بہر تاریخ	فراہم شد زوال شاعران بود <sup>۳۲</sup>
ولیکن باز بر با بینہ ہم	سر حزن و بکا شامل باں بود <sup>۱۲۸۵</sup>

(یعنی تین شاعروں پر ایک ہی سال میں زوال آیا مراد وفات ہوئی، جو کہ اپنے =

اشعار سے ہندوستان کو اصفہان کی مانند بنائے ہوئے تھے۔ ان میں ایک غالب تھے جو فارسی  
واردو کے استاد تھے، جو اگرچہ خود پیر تھے مگر ان کی شاعری جوان۔ ان میں سے دوسرے حبیب علی  
بیگ سرور استاد اردو تھے جنکے اشعار کا سرور جاں فراتھا تیسرے شاعر مرثیہ گوے خلیل  
تھے جو اعلیم سخن کے صاحب قرآن تھے۔ ان تینوں شاعروں کی وفات سے تمام عالم فریاد اور شور  
و فغاں سے پُر ہو گیا۔ مجھے برائے سال صفت زبر و بینہ میں مادہ ۲ زوال شاعران بود (شاعروں  
کا زوال تھا) فراہم ہوا لیکن زبر و بینہ ہی میں سر حزن و بکا (ح، ب) شامل مادہ کرنے پر

مذکورہ تاریخ میں زیر دین کے التزام کے سبب مطلوبہ سہ ہر آمد کرنے کا معاملہ ذرا پیچیدہ ہو گیا ہے۔ اس لئے ذیل کی سطروں میں اس کا حل پیش ہے:

زوال شاعران بود + حب

زوال	شاعران	بود	حب
زیر دین: فرا	شین الفین والفون	باو اول	حایا

اعداد: ۸ + ۱۳ + ۱۱ + ۴۱ + (۳۳) + ۳۶۰ + ۱۱ + ۱۳۰ + ۲۰۱ + ۱۱۱ + ۱۰۶ + (۱۹۱) + ۳۴ + ۳۰ + ۳۵ + (۵۱) + ۳۰ + ۱۰۲  
کل میزان: ۵۱۲۸۵ -

۵۳-۱۹۵۲ء میں حکومت ہند نے غالب کا مزار تعمیر کروایا۔ ابوالفضل حضرت بھرام جوش مسلمان نے قطعہ تاریخ تعمیر کیا جس کے پہلے شعر کے پہلے مصرع میں غالب کا سال وفات بھی فوری طور پر ہر آمد کیا ہے:-

وہ تھا بارہ سو پچاسی ہجری جب ہوا دفن یہ شیریں گفتار

کی حکومت نے بھی قدر افزائی مقبوسہ کر دیا اس کا تیار

سال تاریخ یہ لکھ دے اے جوش

”آئیے دیکھئے غالب کا مزار“ ۱۳۴۲ھ

اس رشک طالبِ دعرنی و حافظِ سعدی و جامی کے مزار واقع دہلی میں انکے چیمپے

شاگرد میر ہمدی مجروح کا یہ حسرت اندوز قطعہ کندہ ہے:-

کل حسرت و افسوس میں میں بادلِ موزوں

تھا تربتِ استاد پہ بیٹھا ہوا غمناک

۳۲ مکتوبات جوش مسلمان بنام رضا از کاید اس گپتارضا ص ۹۹ حاشیہ نمبر ۱، ویل پبلیکیشنز

بہمنی اگست ۱۹۸۰ء بار اول

ہاتھ نہ کھاتا گنج معانی ہے نہ حالت ۱۲۸۵

امید ہے کہ کوئی نوجوان اسکا لہر اس سلسلہ کو آگے بڑھانے کی طرف متوجہ ہوگا۔ غالب کے ایک شعر پر اپنی بات ختم کرتا ہوں:

مضمحل ہو گئے قویٰ غالب اب عناصر میں اعتدال کہاں  
راقم الحروف قلعہات و فات غالب پر سر دست کچھ زیادہ کو بھی نہیں سکتا قیام کر  
کیا ہے اس کے لئے بس یہی کہہ سکتا ہوں:

مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغِ اسیں  
کرے قفس میں فراہم قفسِ اشیاں کے لئے

۳۳ سطر معانی (۱۳۱۶ھ) معروف بہ دیوانِ مجروح ص ۲۳۹، سرفراز پریس بقی قرآن علی

دہلی ۱۳۱۶ھ

## امام غزالی کا فلسفہ مذہب و اخلاق

تالیف: سید حسین قادری شوری ایم اے عثمانیہ یونیورسٹی

امام غزالی کے فلسفہ مذہب و اخلاق پر مفصل و جامع کتاب، اپنے معانی و مباحث کی جامعیت، حسن ترتیب اور عام معلومات کے لحاظ سے بہترین مجموعہ۔

قیمت جلد ۱۰۰/- روپے

غیر جلد ۷۵/- روپے



## ماحول پر قابو کس طرح حاصل کیا جائے؟

(جناب ڈاکٹر میروال الدین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی (ننک) پرنسپل)

قسط ۱

یہ دیوار انگنڈ سایہ دراز باز گردو سوئے اداس سایہ باز

یہ پہاڑ کوہ مست و فعل سا ندا سوئے ما آید ندا ہارا صدا

قرآن عظیم کی تعلیم یہ ہے کہ کائنات میں ایک لامتناہی حکمت، رحمت و کرم کے ساتھ موجود ہے اور زندگی کے ہر قدم پر ہادی رہبری کرنے پر آمادہ ہے۔ اگر ہم اس پر بھروسہ کریں اور اعتقاد کے طریقوں سے واقف ہو کر اس کے دامن میں چنگل ماریں! ہمیں کائنات میں بے یار و مددگار بے ولی و نصیر نہیں چھوڑا گیا ہے، ساری زندگی 'لطف حق' شامل حال رہتا ہے، زندگی حق تعالیٰ کی نعمت و فضل سے مملو ہو جاتی ہے، الطینانِ قلب و جمیعتِ خاطر نصیب ہوتی ہے، اگر ہم رضائے حق کے تابع ہو جائیں اور حق تعالیٰ کو کافی سمجھ کر سارے کام ان کے سپرد کر دیں۔

حق تعالیٰ ہمیں سلامتی و نجات کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ وَاللّٰهُ يُدْعُوْا اِلٰی دَآبِہِ السَّلَامِ ان تمہارے دامن میں کامیاب کرنا چاہتے ہیں جن سے ہم گنہگار رہے ہیں اور جن سے ہم خوف زدہ ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلٰی النَّاسِ (بقرہ ۷۷) وہ ہمارے صنف و کمزوری سے واقف ہیں، وہ ہمارا بوجھ ہلکا کرنا چاہتے ہیں۔ یَسْرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یَّخْفِیْفَ عَنْکُمْ وَ یَخْلُقْ اٰیٰتُنَا نَاضِیْقًا (انشاء رکوع ۵) حق تعالیٰ ہمیں برتریٰ میں مسرت ملانے چاہتے ہیں، اور اس سرور سے ہمارے قلب کو مملو کرنا چاہتے ہیں جس کا خود ہمیں اندازہ نہیں۔ فَلَا تَقْلُمُوْا نَفْسُ

دیکھا جو مجھے فکر میں تاریخ کی مجروح

ہاتھ لگا کر کہا: گنجِ معانی ہے نہ خاک<sup>۲۳</sup> ۱۳۸۵ھ

امید ہے کہ کوئی نوجوان اسکا لرا اس سلسلہ کو آگے بڑھانے کی طرف مائل ہوگا۔ غالب کی ایک شعر، براہِ جنابت ختم کرتا ہوں:

مضحل ہو گئے قویٰ غالب اب مناصر میں اعتدال کہاں

راقم الحروف قطعاتِ وفاتِ غالب پر سرِ دست کچھ زیادہ کر بھی نہیں سکتا تھا جو کچھ کیا ہے اس کے لئے بس یہی کہہ سکتا ہوں:

مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغِ اسیں  
کرے قفس میں فراہمِ خُش آشیاں کے لئے

۲۳ مظہر معانی (۱۳۱۶ھ) معروف بہ دیوانِ مجروح ص ۲۳۹، سرِ فراز پریس بستی قرآن علی

دہلی ۱۳۱۶ھ

## امام غزالی کا فلسفہ مذہب و اخلاق

تالیف: سید حسین قادری شوری شوری ایم اے عثمانیہ یونیورسٹی

امام غزالی کے فلسفہ مذہب و اخلاق پر مفصل و جامع کتاب، اپنے مضامین و مباحث کی جامعیت، حسن ترتیب اور عام معلومات کے لحاظ سے بہترین مجموعہ۔

قیمت جلد ۱۰۰/- روپے

غیر جلد ۷۵/- روپے

## ماحول پر قابو کس طرح حاصل کیا جائے؟

(جناب ڈاکٹر میرولی الدین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی لندن پریسٹرٹن)

قسط ۱

گرچہ دیوار انگلند سایہ دلاز باز گردو سوئے او اُس سایہ باز  
 ایں جہلی کو ماست و فضل ماندا سوئے ما آید ند ہا را صدا  
 قرآن عظیم کی تعلیم یہ ہے کہ کائنات میں ایک لامتناہی حکمت، رحمت و کرم کے ساتھ مہر و  
 عمل ہے اور زندگی کے ہر قدم پر ہماری رہبری کرنے پر آمادہ ہے۔ اگر ہم اس پر بھروسہ  
 کریں اور اعتقاد کے طریقوں سے واقف ہو کر اس کے دامن میں جنگل ماریں! ہمیں کائنات  
 میں بے یار و مددگار رہنے والی، ذلیل و خوار نہیں چھوڑا گیا ہے، ساری زندگی 'لطف حق' شامل حال  
 رہتا ہے، زندگی حق تعالیٰ کی نعمت و فضل سے مملو ہو جاتی ہے، الطینانِ قلب و جمعیت  
 خاطر نصیب ہوتی ہے، اگر ہم رضائے حق کے تابع ہو جائیں اور حق تعالیٰ کو کافی سمجھ کر  
 سارے کام ان کے سپرد کر دیں۔

حق تعالیٰ ہمیں سلامتی و نجات کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلٰى دَارِ  
 السَّلَامِ اِنْ تَهْتَدُوْا فِيْهَا مِثْرًا مِّثْرًا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا فِيْهَا  
 اِلٰهًا سِوَ اللّٰهِ لَئِنْ فَعَلْتُمْ فَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْخٰسِرِيْنَ (نورہ ۲۲) وہ ہمارے ضعف و کمزوری سے  
 واقف ہیں، وہ ہمارا ہر لمحہ ہلکا کرنا چاہتے ہیں۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا فِيْهَا  
 اِلٰهًا سِوَ اللّٰهِ لَئِنْ فَعَلْتُمْ فَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْخٰسِرِيْنَ (نورہ ۲۲) وہ ہمارے ضعف و کمزوری سے  
 سرور ہے ہمارے قلب کو مملو کرنا چاہتے ہیں جس کا خود ہمیں اندازہ نہیں۔ فَلَا تَقْلُبُوْا فِىْ  
 السَّيْرِ

مَا أَخْفَى لَهُمْ مِنْ قُرْآنٍ مِنْ قَبْلِهِمْ جَزَاءُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (السجہ ۲۷) انکھوں کی نگاہوں سے  
 کا جو سامان خزانہ غیب میں موجود ہے اس کی کسی کو خبر نہیں۔

دنیا میں ہر جگہ ایک کامل الہی نظم موجود ہے، جس میں توافق و ہم آہنگی بھی ہے اور سرور  
 سکینہ بھی! حق تعالیٰ چاہتے ہیں کہ ہماری زندگی اس نظم الہی کے دائرہ میں بسر ہو اور زمین پر  
 رہ کر بھی ہم جنت کی خوشبو سونگھتے رہیں۔ قَوْلَ الَّذِي يَصْلَىٰ عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُم  
 مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ سَاجِدًا (الاحزاب ۶۷) حق تعالیٰ اور  
 اس کے فرشتے مومن پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں، حق تعالیٰ انھیں تاریکیوں سے نکال کر  
 نور کی طرف لے جاتے ہیں اور وہ مومن پر بہت مہربان ہیں!

اسی زندگی میں ہمیں یہ نعمت مل سکتی ہے اور حق تعالیٰ ہی ہیں اس کو عطا کر سکتے ہیں۔  
 وَعَابَكُمْ مِنْ فَضْلِهِ فَمِنْ شَرٍّ أَلَسَتْ بَوَارِكُمْ تُوْهِدُكُمْ وَيُغِيْثُكُمْ (الاحزاب ۶۸) اگر ہم حق تعالیٰ پر کامل بھروسہ کریں تو ہماری مثال اس  
 درخت کی سی ہو جاتی ہے جو پانی کے چشمے کے بازو آگاہ ہے، ہر وقت روحانی قوت و حیات  
 کے سرمدی چشموں سے ہیں تازگی پہنچتی رہتی ہے۔

صد جو عالم در نظر پیدا کند  
 چونکہ چشمت را بخود بینا کند  
 (رومی)

اگر ہماری آنکھیں حق تعالیٰ کے مشاہدہ کے لئے کھل جائیں اور ہم ہدایت و نظم الہی  
 کے دائرہ میں اپنی زندگی بسر کریں تو ہماری ساری خارجی مشکلیں حل ہو جاتی ہیں یا  
 غائب ہو جاتی ہیں!

گر جہاں پُر برف گرد و سر بسر  
 تاب خور بگذازدش از یک نظر  
 (رومی)

اس عقیدہ یا ایمان کی مضبوط چٹان پر کھڑے ہو کر زندگی کے کچھ قدیم دستور اصول ہم سے  
 سنو اور زندگی کے تجربات حالاً یا ماضی میں ان سے کام لو، زندگی گریہ پیہم نہ رہے گی، خندہ یکدم  
 ہو جائے گی! (جاری)

سرپرست اعلیٰ ندوۃ المصنفین دہلی

مالیاتیاب حکیم عبدالحمید صاحب چانسلر جامعہ ہمدردی دہلی و علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

مجلس ادارت اعزازی

سید افتخار حسین  
ڈاکٹر معین الدین بٹائی  
محمود سعید بلالی  
ڈاکٹر جوہر قاضی

برنشان

نگران اعلیٰ

محترم مولانا حکیم محمد زکی حسنی

شمارہ ۳

ستمبر ۱۹۹۸ء

جلد: ۱۳۳

ہمکاری

شمارے

اگر

\* نظرات ..... عمید الرحمن عثمانی — ۲

\* قبلہ اباجان رحمۃ اللہ علیہ صاحبزادہ عمید الرحمن عثمانی — ۷

\* قطعات و قاف شعرائے اردو (قسط نمبر ۱)

عبدالرئوف خان ایم، اے ہسٹری، اوڈی کلان (راج) — ۱۳

\* ماحول پر قابو کس طرح حاصل کیا جائے؟ (قسط نمبر ۲)

جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم۔ اے۔ پی ایچ ڈی — ۲۹

(لندن، بیرسٹراٹ لا)

جملہ خط و کتابت اور ترسیل زر کا پیٹہ

منیجر ماہنامہ برہان

4136 ہمدرد بازار جامع مسجد دہلی۔ 110006 \* فون نمبر 3262815

زیر تعاون

فی پرچہ: ۱۰ روپے

سالانہ: ۷۲ روپے

کمپیوٹر کتابت

CREATIVE VISION

مدیر الرحمن عثمانی ایڈیٹر پرنٹر پبلشر نے خواجہ پریس، دہلی میں چھپوا کر دفتر برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی سے شائع کیا۔

# نظرات

موجودہ مسلم معاشرے میں برائیاں اس قدر گھر گھر گئی ہیں کہ ہر طرف اندھرا ہی اندھیرا دکھائی دیتا ہے ایسے تاریک ماحول میں روشنی کی ہلکی سی کرن بھی کہیں نظر آتی ہے تو دل و دماغ میں خوشی و مسرت کی لہر دوڑ جاتا قدرتی بات ہے۔ مشہور خبر رساں انجمنی ڈاسٹر نے کینیا کے مسلمانوں سے متعلق ایک خبر شائع کی ہے جو اس طرح ہے۔

”کینیا میں ایک مسجد میں عبادت کرنے گئے مسلم نوجوانوں نے خواب میں بھی شاید نہ سوچا ہوگا کہ واپس لوٹتے وقت وہ کیلے نہیں ہوں گے بلکہ انکے ساتھ انکی بیویاں بھی ہوں گی اور ساتھ میں ہنی مون کے لئے دھن بھی ملے گا۔ کینیا کے ”ایسٹ افریقن اسٹینڈرڈ“ میں شائع شدہ خبر کے مطابق نیروبی سے تین سو تیس کیلومیٹر مشرق میں واقع ایک مسجد کے امام نے پوچھا کہ کیا یہاں حاضرین میں غیر شادی شدہ نوجوان ہیں؟ امام صاحب کی بات سننے ہی اسی وقت چالیس نوجوان آگے بڑھ آئے۔ اس کے بعد بیس جوڑوں کا نکاح پڑھایا گیا نکاح کے بعد امام نے ہنی مون کے لئے بیس بیس ہزار شیلنگ بھی دیئے۔ امام نے بعد میں اخبار والوں کو بتلایا کہ یہ نکاح شہر میں اخلاق سوز حرکات کے سد باب کے لئے کرائے گئے۔“

جس نیوز انجمنی نے یہ خبر شائع کی ہے اس پر یہودی لابی کا قبضہ ہے اس لئے اس نے اس خبر کو مفحکہ خیز انداز میں اس لئے دیا کہ مسلم معاشرے کی کوئی بھی اچھی خبر اپنی اصلیت سے نہ چھپنے پائے جس سے اسلام اور مذہب اسلام کے ماننے والوں کا سر بلند ہو اس لئے اس نے یورپی ممالک میں موجود بے شمار خرابیوں پر پردہ ڈالے رکھنے کے ارادے سے اس اچھی خبر کو بھی برائی کے انداز میں شائع کیا ہے چونکہ مسلمانوں کی اپنی کوئی نیوز انجمنیاں نہیں ہیں۔

اس لئے اخبارات میں جو بھی خبریں شائع ہوتی ہیں وہ یہود و نصاریٰ کی نیوز ایجنسیاں ہی شائع کرتی ہیں اسلام اور مسلمانوں سے متعلق جو بھی اچھی خبریں ہوتی ہیں وہ اپنی اصلی صورت میں نہیں بلکہ ان دشمنان اسلام نیوز ایجنسیوں کی بدولت مسخ شدہ ہو کر ہی شائع ہوتی ہیں کہنیا کے شہر فیروبی میں غریب مسلمان جوڑوں کی شادیاں سنت نبوی صلعم کے مطابق مسجد میں بائسکی سادگی کے ساتھ انجام پذیر ہوئیں اس خبر سے مسلم معاشرہ کی سربلندی ظاہر ہوتی ہے جو یہود و نصاریٰ کے لئے ناقابل برداشت ہے اس لئے وہ اس خبر میں اپنا شیطان صفت ذہنیت کی مٹاؤٹ کرنے سے باز نہیں آئے۔ کہنیا کی مسجد میں بیس مسلمان جوڑوں کی سادگی کے نکاح خوانی کی خبر ایک اہم خبر ہے۔ جس سے مسلم معاشرہ کی نیک نامی اور عزت و وقار میں انشاء اللہ اضافہ ہی ہوگا۔ ایسی ہی ایک خوشی و مسرت سے بھرپور خبر ہندوستان کے دارالحکومت دہلی کے ہے اور جس میں ہندوستانی مسلمانوں خصوصاً دہلی کے مسلمانوں کی رواداری، شرافت، انسانیت، خدا ترسی، فرض شناسی، ہمت و ایثار اور جذبہ ہمدردی، ہمت کی موجود جھلک موجود ہے۔

بات ۲۸ جون ۱۹۹۸ء کی ہے خدمتِ خلق کے کاموں میں مصروف و منہمک دہلی کی ایک معروف شخصیت حاجی اختر سعید دہلوی ہے اپنے ذرائع اور حق و استحقاق سے انتظام و بندوبست کر کے دو مسلمان یتیم لڑکیوں کی شادی دو مسلمان لڑکوں کے ساتھ کرنے کی تاریخ طے کرتے ہیں۔ یتیم بچوں کے لئے جہیز کا سامان بھی اچھا خاصہ جلدی جلدی جو ہوسکا اکٹھا کیا گیا اس کے ساتھ یہ بھی سوچا گیا کہ شادی کے بعد بھی ان بچیوں کے نصیب میں جو ہوگا وہ دیا جائے گا۔ تاریخ مقررہ پر دونوں لڑکے شادی کے لئے برات لیکر آئے۔ مین نکاح سے چند لمحے پہلے جہیز پر نگاہ ڈالنے کے بعد لڑکوں کے کسی عزیز نے اسکو ٹرکی فرمائش کر دی۔ جیسے ہی اس فرمائش کی خبر یتیم لڑکیوں کی شادی کرنے والے

حاجی اختر سعید کے کانوں تک پہنچی وہ ہٹکا بٹکا ہی رہ گئے۔ فوراً ہی انہوں نے نکاح خوانی کے لئے قاضی صاحب کو کہا کہ نکاح مست۔ پڑھائیے اور دونوں لڑکوں کو جو دوہا بنے ہوئے تھے کہا کہ اٹھو اور نکل جاؤ یہاں سے کیا نکاح پڑھوانے آئے ہو یا سودا کرنے کے لئے آئے ہو، کیا تم مسلمان کہنے کے حقدار ہو اطاعت رسول کے دعویدار بننے ہو اور عمل و کردار سے شیطان بنے ہوئے ہو۔ اچھا ہوا تم نے اپنی ذہنیت نکاح سے پہلے ہی ظاہر کر دی ورنہ تو یہ دونوں معصوم بچیاں تم درندوں کے ظلم و ستم اور شیطانی کردار کی شکار تمام زندگی ہی ہوتی رہتیں۔ خیریت اسی میں ہے کہ یہاں سے چلے جاؤ ورنہ تم کو پولیس کے سپرد کرنا پڑے گا۔ دونوں لڑکے بڑی بے عزتی کے ساتھ بھگا دیئے گئے۔ اب ان معصوم یتیم بچیوں کے لئے اندھیرا ہی اندھیرا سامنے تھا۔ لیکن نہیں خدا کی عنایت و فضل اور کرم و انعام کی بارش ان یتیم بچیوں پر اس طرح ہوتی ہے کہ حاجی اختر سعید کے دوست و احباب جو ان یتیم بچیوں کی شادی کے انتظامات میں مصروف و مستغرق تھے ان میں سے ایک پر حاجی اختر سعید کی توجہ مرکوز ہوئی وہ تھے علمی ذوق کے حامل شاعر و شاعری کے شوقین سوئی والا لکھی کوتانہ میں سیما ایکسپورٹ کے مالک محمد مختار خاں صاحب۔ حاجی اختر سعید نے ان سے کہا کہ اپنے کسی لڑکے کو تیار کرو شادی کے لئے۔ پیکر ایتلا اور مجسم شرافت و انسانیت اللہ کے اس نیک بندے محمد مختار خاں نے ذرا بھی چون و چرا کے بغیر اپنے لڑکے محمد اختر کو فوراً پیش کر دیا۔ اور دوسری لڑکی کے لئے ایک دوسرا لڑکا محمد آصف خود بخود ازراہ انسانیت تیار ہو گیا۔ فوراً ہی ان دونوں لڑکوں سے دونوں یتیم لڑکیوں کا نکاح پڑھوا دیا گیا۔ دونوں یتیم لڑکیوں کی رخصتی بڑی شان کے ساتھ ہوئی۔ دونوں لڑکے اپنی اپنی دلہن کو عزت و وقار کے ساتھ اپنے گھر لے گئے۔ آج یہ دونوں لڑکیاں معزز خاندان میں اپنے قابل و ہونہار شوہروں کے ساتھ سکون و راحت



آرام و اطمینان کے ساتھ خوش و مسرت آئینہ زندگی بسر کر رہی ہیں یہ ہے سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عملی طور پر چلنے کی عظیم الشان مثال، اسے ہم ایک مثالی شادی کہیں گے۔ اور آفرین ہے ان حضرات پر جنہوں نے اپنے نوجوان لڑکوں کے لئے ہنسی خوشی ایسی شادیاں کرنے کی حامی بھری۔ نہ کوئی فضول کی رسم نہ کوئی دھوم دھام ہے۔ برات چڑھانا اور نہ کوئی اپنے لڑکوں کی قابلیت و صلاحیت اور اپنے مال و اسباب پر اتر اہٹ دکھانا، ہر مسلمان کو اس "مثالی شادی" سے سبق لینے کی ضرورت ہے۔ محمد مختار خاں اور ان کے گھر کی خواتین کہہ سکتی تھیں کہ ہمارے لڑکے اس قدر گرے ہوئے تھوڑے ہی ہیں کہ ایسی یتیم بچیوں سے شادی کریں؟ اس قسم کی کسی بات کو بھی زبان پر لانا انہوں نے گناہ کیسہ سمجھا۔ بلکہ انہوں نے اپنے لڑکوں کی شادی ان یتیم بچوں سے کرنا مالک حقیقی اللہ تعالیٰ کا اپنے لڑکوں پر انعام و اکرام ہی گروانا۔ اس مثالی شادی کی جس قدر بھی شہرت کی جائے کم ہی ہے وہ اس لئے کہ ہمارے معاشرے میں شادی بیاہ کے تعلق سے جو خلط و رسم و رواج اور گندگی کا عنصر گھس آیا ہے اس سے اس کی تلافی ہی ہوگی اور اس طرح تمام عالم میں ملت اسلامیہ کی واہ و آواہ ہوگی اسلامی تعلیمات اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خود بخود تبلیغ و نشر و اشاعت ہو کر رہیگی۔ دوسرے اکثر مسلمان اس وقت دنیاوی عیش و اسباب کے حصول میں لگے ہوئے ہیں انہیں معلوم نہیں کہ مسلمانوں کے علم و مسلمانوں کے مذہب، مسلمانوں کی تہذیب و تمدن کو اکھاڑ پھینٹنے کے لئے مسلم دشمن طاقتیں آج آپس میں گچی مشکر ہیں اور وہ ایک ایسے خفیہ خطرناک پروگرام کے تحت اسلام اور مسلمانوں پر ضرب شدید لگانے کے فراق میں نشاۃ ثانیہ بیٹھی ہوئی ہیں جو مسلمانوں کی ہستی و وجود ہی کو ختم کر ڈالے۔ یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے ناپاک منصوبے ہر جہت سے اس قدر طاقتور ہیں کہ اگر مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا کرم و فضل نہ

جو وقت مسلمانوں کا جو کب کا کفر کی طاقت و درمنا سے ختم ہو چکا ہوتا۔ اس موقع پر ہم کو مسلم قوم کی ان بلیوں کو ٹٹول کر ان کے سدباب کے لئے رعب و خوف فکر کرنیکی ضرورت ہے۔

قرآن کریم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اچھا بیوں کی تلقین کریں اور برائیوں سے روکیں۔ قرآن میں یہ ہدایت محض ایک طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت نہیں رکھتی بلکہ وہ اس کو امت مسلمہ کا زلفہ و زینت ہے۔ اور اس عمل کو مسلمانوں کے لئے وجہ امتیاز قرار دیتا ہے۔ کُنْتُ رَحِيمًا مِّنْكُمْ اَخْرَجَتْ لَنَا مِنْ تَامِرٍ وَفَاكِهَةٍ وَنَخْلٍ وَنَخْلٍ وَنَخْلٍ مِّنَ الْمُنْكَرِ (آل عمران: ۱۱۰)

قرآنی تعلیم کا مقصد انسان کو ایک ایسا مثالی انسان بنانا ہے جو خیر و فلاح کا نمونہ ہو اور جس کا وجود اپنے ہم جنسوں کے علاوہ کائنات کے ہر وجود بلکہ ہر شے کے لئے رحمت و راحت ہو۔ جس روز مسلمان اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کے مطابق ہر ہر موڑ پر اپنی زندگی کو ڈھال لیں گے اسی روز سے مسلمانوں کا عروج بھر شروع ہو جائے گا اور تمام عالم میں سلام کا بول بالا ہو کر رہے گا۔ شرط ہے کہ زندگی کے چھوٹے چھوٹے مسئلوں میں کاروبار میں رہن سہن میں پھلنے پھرنے میں، بولنے چالنے میں، معاملات اور لین دین میں اسلامی تعلیمات پر مضبوطی کے ساتھ عمل پیرا ہو جائے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ تو رکھتا ہے نہ ناپا ہے

مسلمانوں پر آج پوری ذمہ داری آن پڑی ہے کہ وہ امت محمدیہ کے ناطے معاشرہ اور ماحول میں پھیلی ہوئی تمام برائیوں کے خاتمے کیلئے اپنی زندگی کو مثالی نیک عمل و کردار کے سانچے میں ڈھالیں اور ہر انسان کو باور کرائے کہ آج بنی نوع انسانی کی پریشانیوں کے مشکلات اور الجھے مسائل کا حل صرف اور صرف اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے میں ہی ہے۔

کیوں اندھیروں میں بھٹکتا پھر رہا ہے آدمی

روشنی رکھی ہوئی ہے آج بھی جزدانوں میں

# قبلہ اباجان رحمت اللہ علیہ

اسرا قلم: صاحبزادہ عید الرحمن عثمانی

آج علی الصبح تلاوت قرآن پاک پڑھ کر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک دم قبلہ اباجان حضرت مفکر ملت مفتی عتیق الرحمن عثمانیؒ کی یاد آئی اور اس قدر آئی کہ میں ماضی کی یادوں کو کھو گیا اور ان یادوں میں قبلہ اباجان کا سراپا شفقت بھر سلوک نظروں کے سامنے آ گیا۔

مفکر ملت حضرت مفتی عتیق الرحمن عثمانیؒ بہت بڑے عالم تھے مفکر تھے مدبر تھے اور زبردست متقی و پرہیزگار تھے ان کا تمدن و تقویٰ صالحیت ضرب المثل تھے دین و مذہب کے سلسلے میں کسی بھی طرح اور کسی بھی حیثیت سے وہ کوئی سمجھوتہ نہیں کرتے تھے لیکن اس کے باوجود ان میں تمام انسانوں سے بلا لحاظ مذہب و ملت رواداری اور محبت اور حسن و سلوک کے جوہر نمایاں دیکھنے میں ملتے تھے۔ وہ اسلامی علوم و فنون اور عربی زبان و ادب پر گہری نظر و واقفیت رکھتے تھے مگر اس کے باوجود ان میں اپنے علم پر تکبر و پند نہ تھا۔ ہر ایک سے چلبے وہ عالم ہو یا جاہل و ان پڑھ خندہ پیشانی اور اپنے کو چھوٹا و کم سمجھتے ہوئے ملتے تھے معاملہ و مقابل کی عزت و تکریم کا خیال وہ ہر وقت مقدم رکھتے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ میرے علم و معلومات کے مطابق ان کا کوئی بھی مخالف و دشمن نہ تھا۔ یہ بات دو ہے کہ بعض حضرات نے اپنے ذاتی یا وقتی مفادات کے پیش نظر حضرت مفتی عتیق الرحمن عثمانیؒ کو نظر انداز یا فراموش کرنے میں اپنا نفع سمجھا لیکن اپنے کردار و عمل اور حسن سلوک سے

حضرت مفتی صاحب نے ان کو اپنی ناپسندیدگی کا احساس نہ ہونے دیا جس سے خود بخود ان معاد پختوں نے اپنے ضمیر کے اندر جھانک کر دیکھا تو اپنے ہی کو مجرم سمجھا اور اس طرح ان کے دل و دماغ میں حضرت مفتی صاحب کے بارے میں نیک و حسن ظن ہی پروان چڑھا رہا۔

حضرت مفتی صاحب میں ہلاک ذہانت تھی وہ ملت کا بڑا بڑا اور پرچیدہ سے پرچیدہ مسئلہ بھی اس خطبے سے سلجھا دیا کرتے تھے کہ وہ مسئلہ اپنے آپ میں کوئی مسئلہ ہی نہیں رہتا تھا۔ ملت اسلامیہ ان پر جتنا بھی ناز کمرے کم تھا ہے۔ آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کے معائب و مشکلات ہیں اس قدر اضافہ ہوا کہ اگر امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام، سیدنا الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلوی، مجاہد ملت حضرت مولانا حفص الرحمن سیوہاروی اور مفکر ملت حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانی اپنی شب و روز محنت و لگن، دوراندیشی سے ان معائب و مشکلات کے تدارک کے لیے کمر بستہ اور مستعد عمل نہ ہوتے تو نہ معلوم ہندوستانی مسلمان تاریخ کے کس موڑ پر آج یا کس جلتے۔ ملک و ملت کے ان مخلص اور دردمند راہنماؤں نے برادران وطن سے تحریک آزادی میں اپنی زیر دست قربانیوں کا صلہ کبھی نہیں مانگا انہوں نے خود داری اور وقار کے ساتھ ان راہنماؤں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسلمانان ہند کے تمام مسائل خوش اسلوبی سے انجام دیے جن کے ساتھ وہ جنگ آزادی میں ان کے شانہ بشانہ ان سے کہیں زیادہ آزادی ہند کے لیے جدوجہد کرتے ہوئے قربانیاں پیش کر چکے تھے اور اس کا حال انہیں معلوم تھا۔ اس لیے ہندوستانی مسلمان بڑی حد تک ان راہنماؤں کے سایہ راہنمائی میں اپنے کو مکمل طور پر محفوظ سمجھتے رہے ہیں۔ اور آزاد ہندوستان میں باوجود پاکستان کے وجود ان کے عزت و توقیر کے ساتھ اپنے جائز حقوق منواتے ہوئے مسلمان سرحدیں اور ان کے اندر ہمیشہ موجود رہیں گے۔

مفکر ملت حضرت مفتی عتیق الرحمن عثمانیؒ نے ۱۹۳۸ء میں دہلی میں ادارہ ندوۃ المصنفین قائم کیا جس کا مقصد ہندوستان میں علوم اسلامیہ شریعہ عربی کی اشاعت کرنا تھا۔ اور اس میں انھیں زبردست کامیابی نصیب ہوئی۔ اردو عربی اور فارسی میں ادارہ ندوۃ المصنفین نے اپنے بانی مفتی عتیق الرحمن عثمانیؒ کی سرپرستی میں وہ بھاری بھر کم لٹریچر شائع کیا جسے دیکھ کر پڑھ کر عالم اسلام کی بڑی بڑی مقتدرہ ستیاں داد تحسین دینے پر مجبور ہو گئیں اور انھیں حیرت تھی کہ ہندوستان جیسے دور دراز ملک میں اسلامی علوم و فنون پر نمایاں و نادر اور معیار سے لٹریچر شائع ہوا۔ مفتی صاحبؒ کے غلوں لگن ایثار کی بدولت بڑے بڑے علماء ادارہ ندوۃ المصنفین سے وابستہ ہونے میں فخر و شان محسوس کرنے لگے۔

جس طرح علم دین کی خدمت کے لئے انہوں نے ادارہ ندوۃ المصنفین قائم کیا اسی طرح ہندوستانی مسلمانوں کے لئے مسلم مجلس مشاورت کے نام سے ایک ایسا سیاسی پلیٹ فارم بھی ان کی کوششوں سے عالم وجود میں آیا جس نے ہندوستانی مسلمانوں کو ہندوستان میں اپنی اہمیت اور طاقت و قوت کا احساس دلایا اور جس کی سنجیدہ قیادت کو برادران ملک کے بڑے بڑے دانشوروں نے بھی تسلیم کیا۔ مفتی صاحبؒ کی زندگی نے وفائیں کی ورنہ ۱۹۴۷ء میں بابرہ مسجد کا سانحہ پیش نہیں آتا۔ مگر یہ قدرت کا حکم تھا اور اس کے حکم کے آگے تو کسی کا بس چل ہی نہیں سکتا ہے۔

خیر یہ سب کچھ تو حضرت مفتی صاحبؒ کے ملک و ملت کے لئے عظیم الشان کارنامے تھے ہی جس کا ذکر اس وقت خواہ مخواہ ہو گیا۔ میرا اپنے قبلہ آبا جان حضرت مفکر ملت کی اس خانگی زندگی کا ذکر کرنا ہے جس سے ہم سب کا روزمرہ کا واسطہ و سائق پڑتا رہتا تھا۔ اور جب ان کی ان مسنون میں یاد آ رہی ہے تو مجھے یہ کہنے دیجئے کہ حضرت قبلہ آبا جان (ہم سب بھائیوں کی زبان پر یہ ہی نام ان کے لئے پڑھا ہوا تھا) ایک مثالی شوہر تھے ایک مثالی باپ تھے، ایک مثالی بھائی تھے اور ایک مثالی پڑوسی تھے۔ ہماری والدہ مرحومہ فرمایا کرتی تھیں کہ

مفتی صاحب شریعت ہی سے بڑے سیدھے شہر میلے اور بکولے تھے۔ ان کی ذات کے کچھ کسا  
کو کسی بھی طرح کی اذیت نہیں پہنچی بارہا ان کے گھر میں موجود خادموں سے بڑی بڑی غلطیاں سننے  
ہوتیں مگر انہوں نے ہمیشہ درگزر کیا بعض اوقات خادموں کی نافرمانیوں اور دالستہ غلطیوں کی  
جس سے ہم سب کو اور خود مفتی صاحب کو بھی بڑی تکلیف اٹھانی پڑتی تھی مگر جب خادموں سے ہاتھ  
کامو قے آتا تو ان کی نرم مزاجی ان کے لئے سینہ سپر ہو کر ان کا دفاع ہی کرتی جس سے ہمیں ان پر غصہ نہ  
بھی ہوتا مگر اکثر ناہن خاموشی اختیار کرنی پڑتی۔ انہیں کبھی قصہ میں ہم نے نہیں دیکھا گھر میں  
دستک دے کر ہی داخل ہوتے۔ وہ ہر کام میں وقت کی پابندی کو ملحوظ رکھتے اور ہمیں بھی وقت  
کی پابندی کرنے کی تاکید کرتے۔ نماز باجماعت مسجد میں جا کر ادا کرتے اور اس میں اس حد تک  
ان کی سختی تھی کہ اگر بیمار ہیں۔ نماز میں تپ رہے ہیں تب بھی مسجد ہی میں نماز باجماعت ادا کرتے  
کڑکے کی سردی میں عشاء و فجر کی نمازیں مسجد میں ادا کرنے جاتے اور نشیمن یا دو نفل گھر آکر  
ادا کرتے۔ دعا میں خصوصیت سے خشوع و خضوع کے ساتھ دیر تک مشغول رہتے۔ واللہ رحمہ  
فرماتیں تھیں کہ ہماری ازدواجی زندگی میں کبھی بھی ناچاقی نہ ہوئی رنجش اور کسی قسم کی ناراضگی  
کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا گھر میں روکھا سوکھا کھانا بھی ہوتا تو اسے بڑے شوق سے  
کھاتے۔ کھانے میں کبھی نقص نہیں نکالتے۔ گھر میں مہمانوں کا آنا جانا رہتا ہی تھا۔ مہمانوں کے  
ساتھ اتنی مصروف زندگی کے باوجود وقت اچھا خاصہ بتلاتے تھے۔ ان کی ناز برداری میں  
لگے رہتے تھے بھائی سے بڑا اور بڑا ہی مشفقانہ رہتا تھا۔ اور بھائیوں کے بچوں کے ساتھ بڑا  
ہی شفیقانہ سلوک کرتے بیٹی داماد کی قربت و خاطر داری میں لطف و حفظ محسوس کرتے اپنے  
بچوں کے تمام مسائل سے آگاہی و واقفیت رکھتے۔ اور ان کی حسب عادت و قابلیت اپنے  
مفید مشوروں و ہدایتوں سے خیر خواہی و تربیت کرتے تھے۔ مایوسی اور بددلی کو وہ کفر  
کہتے تھے۔ جب میں امتحان میں بار بار فیل ہوتا رہا تو مجھے ایک دن انہوں نے بڑی ملامتی کی  
حالت میں سر پکڑے ہوئے دیکھا پوچھا بیٹا کیا ہوا تم کیوں پریشان ہو کیا فیل ہو نیکی

جس سے تم نے اپنی یہ پریشان کن حالت بنارکھی ہے؟ تو سنو بیٹا! فیصل ہونا واقعی اچھی بات  
 نہیں ہے لیکن اس کا دوسرا پہلو بھی تو ہے تمہیں ان ہی مضمونوں اور کتابوں کو زیادہ پڑھنے  
 کا موقع ملے گا اس سے یقیناً تمہاری قابلیت میں اضافہ ہوگا لہذا اسے تم قدرت کی طرف سے  
 اپنی قابلیت بڑھانے اور اس میں اضافہ کر نیکالک اور موقع سمجھو۔ اور جب میں نے ان  
 کے یہ الفاظ سنے تو میری ملاوسی اور پریشانی ایک دم ختم ہوگئی اور دل و دماغ تازہ ہو گیا۔  
 گھر کا کوئی بھی فرد بیمار ہوتا تو قبلہ آبا جان کی محبت و مہمتا دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی حکیم باؤ کرط  
 کو بلواتے دو خود بلاتے اور تیمار داری بھی دربر تک کرتے رہتے کسی کے سر میں درد ہوتا تو  
 دبانے جلاتے اور آیت قرآن پاک پڑھنے جاتے اپنے ہاتھوں سے پرہیزی کھانا کھلاتے۔ اور  
 مرض سے شفا یا بلکے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور میں نفل شکرانہ ادا کرتے۔ اگر کبھی خود بیمار ہوتے  
 تو اپنی خدمت کسی سے نہ لیتے بلکہ اپنی خدمت خود ہی حتی الامکان کرتے کسی کو بھی تکلیف دینا  
 انہیں گوارہ ہی نہ تھا نماز جمعہ اور نماز عیدین کے لئے سب بچوں کو ساتھ لیا کر جامع مسجد اور  
 عید گاہ میں ادا کرتے عید پر سب بچوں کو ان کے حسب استحقاق عیدی دیتے۔ جب کوئی ہمان نہ  
 ہوتا تو ناشتہ کھانا گھر ہی میں سب کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ کر کھاتے۔ قبلہ آبا جان کی تربیت  
 نے سب بہن بھائیوں کو نماز پنجگانہ کا سخت پابند بنا دیا تھا چنانچہ فجر کی نماز کے لئے سب بہن بھائی  
 اور والدہ صاحبہ ایک گھنٹہ قبل اٹھ کر بیدار ہو جاتے ضروریات سے فراغت کے بعد وضو کر کے  
 نماز فجر ادا کرنے ہم سب بیٹوں کے ساتھ مسجد میں جاتے والدہ اور ہمشیرہ گھر ہی میں نماز ادا کرتیں  
 نماز فجر کے بعد تلاوت قرآن پاک کا التزام تھا اس کے بعد ہی ناشتہ وغیرہ کرتے۔ ناشتہ سے  
 فراغت کے بعد قبلہ آبا جان دفتر جا کر اخبارات کا مطالعہ کرتے اور آنے والوں سے ملاقات  
 کرتے۔ ان سے گفتگو کرتے ان کے مسائل کا کوئی مفید مثبت حل بتاتے، گھر میں جب بھی گھر کے  
 افراد کے درمیان میں ہوتے تو سیرت رسول صلعم اور صحابہ کرام کے واقعات ایسے دلنشین انداز

میں ہیں سناتے کہ آج جب ہم انہیں یاد کرتے ہیں تو احترام و ادب کے ساتھ ہمارا سر جھک جاتا ہے اور دل سے ان کے لئے بارگاہ عالی میں دعاؤں کا سُرود شروع ہو جاتا ہے۔ انکی شخصیت کے ذریعہ ان کے ملنے والوں نے ان کے عزیز و اقارب نے اللہ کے فضل سے بے انتہا فوائد حاصل کئے ہیں کتنے بے روزگاروں کو ان کے نام کی برکت اور سفارش سے سرکاری نوکریاں ملیں جو آج بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں۔ جلیل القدر منصب ان کے ذریعہ حاصل کئے مگر کبھی انہوں نے اپنی اولاد کو کسی سفارش سے نہ نوکری دلوائی اور نہ کوئی کاروبار کرایا فرمایا کرتے تھے کہ اگر اولاد کسی قابل ہوگی تو خود بخود اللہ پاک انہیں انکے مرتبہ پر تفویض فرمائے گا۔ اور یہ ان کی اچھی تعلیم و تربیت کا ہی فیض ہے کہ ہم نے قبلہ آبا جان کے نام کو کبھی ذاتی فائدہ کے لئے استعمال کرنا مناسب نہ سمجھا ان کی حد درجہ نرمی و شفقت ہی ہمارے لئے بیش بہا سرمایہ سے کم نہ تھی ایسے مشقی اور نیک دل اور نیک سیرت اور مثالی کردار طے باپ کے ہم بیٹے ہیں ہمارے لئے یہ ہی خزانہ کی بڑی بات ہے اور جسے ہم اپنی زندگی کے لئے بہترین سرمایہ سمجھتے ہیں اور انشاء اللہ سمجھتے رہیں گے !

حضرت قبلہ آبا جان رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد مجھ احقر راقم کو طرح طرح کی مشکلات پیش آئیں رسالہ برہان اور ادارہ ندوۃ المصنفین دہلی کو حضرت مفتی عتیق الرحمان عثمانی کے شایان شان قائم رکھنے کے لئے میں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا حالانکہ حاسدین، منافقین کے ناپاک منصوبے بھی اپنی جگہ خفیہ طریقہ سے جاری تھے رسالہ برہان اعلیٰ میں اہل علم کے اسماء گرامی شائع کئے جا رہے ہیں تو وہ بھی اسی وجہ سے کہ ایک تو ان پر حضرت مفتی صاحب کی نظر التفات رہتی تھی دوسرے ان میں ہیں مفتی صاحب قبلہ کی خوشبو کی جھک آتی ہے بہر حال حضرت قبلہ آبا جان مفتی عتیق الرحمان عثمانیؒ اس صدی کی عظیم و نادر شخصیت و ہستی تھے جو بانی عظیم الشان علمی و ملی خدمات کی دولت صدیوں تک احسان و مشکنداری کے ساتھ عوامی دلوں میں یاد رہیں گے۔ اور آئندہ نسلوں کے کامیابیوں پر فخر محسوس کریں گی۔





کاسب سے بڑا اردو شاعر تھا۔

ولی: بقول نصیر الدین ہاشمی ولی کا صحیح نام ولی محمد تھا۔ لیکن محققین کے نزدیک ان کے نام میں اختلافات ہیں۔ ان کے سال ولادت کے بارے میں بھی معلومات کا فقدان ہے۔ اسی طرح انتقال کے متعلق بھی مختلف بیانات ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ ۱۱۵۵ھ میں رحلت کی بعض ۱۱۳۳ھ تسلیم کرتے ہیں جبکہ بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب کے دریافت کردہ قطعہ ذیل سے ۱۱۱۹ھ سال وفات قرار پاتا ہے۔

مطلع دیوان عشق سیدار باب دل      والی ملک سخن صاحب عرفاں ولی  
سال وفاتش خرد از سر الہام گفت      "باد پناہ ولی ساقی کو شر ولی"

(۱۱۱۸ +) ۱۱۱۹/۸۰۷-۸۰۸

لیکن ممکن ہے کہ یہ قطعہ ولی اور نگ آبادی کی وفات سے تعلق رکھتا ہو۔ کیونکہ ولی دکنی کا سال وفات اب ناگ طور پر ۱۱۵۵ھ تسلیم کیا جانے لگا ہے۔ چنانچہ بعد کے تاریخ گو شعرا نے اپنے قطعات میں ۱۱۵۵ھ کے ماورے ہی موزوں کئے ہیں، مثلاً حکیم رحمت بنارسی رحمت نے قطعہ ذیل موزوں کیا:

ولی کی دھوم ہے بزم سخن میں      ہر اک شاعر کو پہنچا فیض ان سے

لکھنوی فوت کی تاریخ رحمت

"ولی بے طبع استاد اولیں تھے" ۱۱۵۵ھ/۳۳-۳۲-۸۷

۲۔ دکن میں اردو از نصیر الدین ہاشمی ص ۱۳۰ ۱۹۸۵ء نئی دہلی ۳۔ برائے اختلافات نام ملاحظہ ہوں  
تاریخ ادب اردو از جمیل جالبی ص ۵۳۲ تا ۵۳۴ تاریخ ادب اردو (مترجم) از رام بابو سکینہ  
ص ۷۱ تا ۷۲ دکن اور سخنورانِ گجرات از نصیر الدین مدنی ص ۸۲ تا ۸۷ دکن جیل جالبی  
۵۳۵ نصیر الدین مدنی ص ۸۶ رام بابو سکینہ ص ۷۳ رہنمائے تاریخ اردو از  
محمد عبدالقادر ص ۳۳ معارف پریس اعظم گڑھ ۱۹۳۸ء

خان بہادر سید مسعود حسن خاں مسعود نے بھی اپنے قلم کے مادہ سے ۱۱۵۵ھ ہی بزمِ بزمِ کیا ہے :-

فلّی دکنی پہنچے جاناں میں      سوئے عقیل گئے از دارِ دنیا  
بنائے شاعری کا ملک بھر میں      اُن ہی کے سر پر ہاتھ جو سہرا  
بڑے سالِ رحلت آپ لکھ دیں  
کہ ہجری سال "طوطی شکر خاں" ۱۱۵۵ھ

محمد عبدالقادر قادر کے قلم و فائز و لی کا ہجری سال رحلت کا مادہ بھی ۱۱۵۵ھ ہی بزمِ بزمِ ہے :-

چل دیسے ہیں اب ولی استاد بھی      ہو گئے دل شاعروں کے پاش پاش  
ملہم غیبی نے قادر سے کہا      سالِ رحلت آپ لکھئے "ہا نغراش" ۱۱۵۵ھ  
دکن نے اردو کی آغوش میں دو مائیہ ناز اولاد میں چھوڑ دیں، ان میں پہلا قابلِ احترامِ حضرت  
ولی کا ہے۔ جنکی عزت اردو غزل کے باوا آدم کی حیثیت سے رہتی دنیا تک قائم رہے گی  
اور دوسری ہستی جو اس خاکِ پاک سے اٹھی وہ حضرت سید شاہ سراج الدین حسینی اورنگ آبادی  
کی ہے۔ سراج کی غزل کا مشہور مطلع ہے :-

خبرِ تجرِ عشق سن نہ جنوں رہا نہ پری رہی  
نہ تو نور رہا نہ تو میں رہا جو رہی سو بے خبری رہی

یہ مذہبِ تواریح! از خاں بہادر مسعود حسن مسعود ص ۲۶، ادارہ انیس اردو البادینہ

۳۴-۳۵

۹۸۲ء کے کلمات سراج مرتبہ پروفیسر عبدالقادر سروری ص ۲۶ و ۵۱ مطبوعہ ۱۹۸۲ء

نئی دہلی -

اس درویش صفت شاعر کی رحلت جو دنیوی جاہ و حشمت سے متنفر تھا ۳۷ شوال ۱۱۷۷ھ میں ہوئی۔ علامہ غلام علی آزاد بلگرامی (ف ۱۲۰۰ھ) اعلان کے نتیجے میں سیرا والا لکھنؤ کے علاوہ منشی لکھی پرائیوٹ شفیق (م ۱۲۲۳ھ) نے جنکو علامہ غلام علی آزاد بلگرامی سے شرف تلمذ حاصل تھا، درج ذیل قطعہ تاریخ لکھتے ہوئے نذرانہ عقیدت پیش کیا۔

سید حق پرست معنی سنج کہ ازو یافت شعر حسن رواج

سال نوشت شفیق کرد قسم

”روبرحان نمود شاہ سرانج“ ۱۱۷۷ھ/۲۷ اپریل ۱۷۶۳ء

حضرت جانِ جانان :- حضرت میرزا منظر جانِ جانان کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ کی طادت ۱۱۷۷ھ مقام کالا باغ صوبہ مالوہ میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد مرزا جان عالمگیری منصب دار تھے۔ اورنگ زیب گنے والد کے نام کی مناسبت سے ان کا جانِ جان رکھا کیونکہ بیٹا باپ کی جانِ جان ہوتا ہے۔ کثرت استعمال سے یہ جانِ جانان ہو گیا جو موصوف کی عرفیت ہے، نام شمس الدین اور تخلص منظر ہے درج ذیل دو مشہور شعرا آپ ہی کے ہیں :-

یہ حسرت رہ گئی کیا کیا مزے سے زہد گلی کرتے اگر ہوتا چمن اپنا، گل اپنا، باغباں اپنا

خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوٹو  
یہی اک، شہر میں قاتل رہا ہے

اور

۱۔ برائے قطعہ تاریخ ملاحظہ ہو حوالہ سابق ص ۷۰، لکھنے والے کا حال تاریخ شعر کے لئے دیکھئے  
تین تذکرے مرتبہ پروفیسر نثار احمد فاروقی ص ۲۳۶ مکتبہ برہان دہلی ۱۹۶۸ء ۱۳۷۷ھ حوالہ ماقبل ص ۲۳۶  
۲۔ تذکرہ شورش (رموز الشعراء) از غلام حسین شورش مرتبہ ڈاکٹر محمد رفیع ص ۸۱ مکتبہ ۱۹۸۲ء  
۳۔ تذکرہ شورش معرکہ زیبا مولفہ سعادت خاں ناصر مرتبہ ڈاکٹر شمیم انہونی ص ۸۳ مکتبہ ۱۹۷۱ء

آپ کا کلام اردو زبان کی تاریخ ارتقا میں ایک خاص مقام کا حامل ہے، جیسا کہ تقریباً ساڑھے سو سال گزر جانے کے بعد بھی مذکورہ دونوں اشعار کی معنویت سے ثابت ہے کہ آپ کی شہادت میں نجف خاں کا ہاتھ تھا۔ بہر حال یہ افسوس ناک واقعہ ماہ محرم کی دسویں تاریخ ۱۱۹۵ھ میں رونما ہوا۔ ساتویں محرم کو ایک تعزیر پرست نے آپ کو قراہین (چوڑے منہ کی جھوٹی بندوق) مار کر زخمی کیا۔ تین دن تک نہایت صبر و استقلال کے ساتھ زندہ رہے اس دوران اپنے ہی اشعار بار بار پڑھتے تھے۔

بنا کر زندہ خوش رہے بخون و خاک غلطیدن خدا رحمت کند میں عاشقانِ پاک طینت را  
بزرگ اگرچہ الطاف کے قابل یہ دل زار نہ تھا لیکن اس جو وجود جفا کا بھی سزاوار نہ تھا  
لوگ کہتے ہیں مولا منظر بیکس افسوس کیا ہوا اس کو کہ اتنا بھی وہ بیمار نہ تھا  
میر تقی الدین سنت (۱۲۰۸ھ) نے حدیث پاک عاشِ حیدر اَمات شہید (اچھے اخلاق پر  
زندہ رہا اور شہادت کی موت پائی) سے شہادت کا سال ۱۱۹۵ھ حاصل کیا۔ (اس مادہ پر ایک  
اصحاب کو بھی توار دہوا۔

آن قبلہ اربابِ تقی قاش حیدرؒ واں قدوہ اربابِ سنا "مات شہید" ۱۱۹۵ھ  
مجموعہ ہر دو صفت سال و فاش ۲۲  
منظر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان سجداً ۷۶  
حضرت مولانا قاضی شمس الرحمن پانی پتیؒ نے اپنے مرشد کا سنہ شہادت آیت شریفہ  
اوئذ مع الذین انعم اللہ (وہ ان لوگوں کے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا ہے) بے کم و کاست

۱۳ گل رعنا از مولانا عبدالحی ص ۱۳۳

۱۴ مہم تاریخ ترجمہ بلخعی تسلیم مترجم سید اختر احمد سہسوان ص ۶ مراد آباد ۱۹۱۲ء

۱۵ غرائب الجمل از نواب عبدالعزیز دلا درسی ص ۳۷ عزیز المطابع حیدر آباد ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء

۱۶ سورہ نسا آیت: ۶۹ -

۱۱۹۵ء برآمد کرتے ہوئے اُیت پاک کو نوا شاعر کے مرثیے میں منظم کیا۔ حضرت کے شاگرد حسان اشرفی نے "منظر کبھی" نامہ ماحصل کیا۔ اردو کے مقتدر شاعر مرزا محمد رفیع سوطا نے ۱۹۵۰ء فیروز آباد اردو قطعہ ذیل کہا جس میں قاتل کی مذمت کی گئی ہے۔

منظر کا ہوا جو قاتل اک مرتبہ شوم اور ان کی ہوائی خبر شہادت کی عموم  
تاریخ وفات ان کی بھی بارو سے درد سودا نے کہ بائے جان جانان منظم <sup>نکدہ ۱۱۹۵ء</sup> <sup>۱۱۹۱ء</sup>  
سودا :- حضرت جان جانان کی شہادت کے تقریباً پانچ چھ ماہ بعد ہی اردو کے سلم اشبوت استاد مرزا محمد رفیع سودا (ولادت ۱۱۱۵ء تا ۱۱۱۸ء کے درمیان) بھی اس جہان فانی سے سر جیب  
۱۱۹۵ء کو راہی آخرت ہوئے۔ جن کے بارے میں مولانا محمد حسین چریا کوٹی کیفی فرماتے ہیں کہ  
"مرزا جب قعیدہ پیش کرتے ہیں تو شکوہ الفاظ کے ڈنکے بجادیتے ہیں۔ غزل سناتے ہیں تو  
دلوں میں چٹکیاں لیتے ہیں مرثیہ پڑھتے ہیں تو سامعین کو خون کے آنسو رلاتے ہیں۔ جو کہتے  
ہیں تو حریفوں پر ہستی تنگ کر دیتے ہیں۔ مرزا کی ہم گیر طبیعت نے کسی مصنف شاعر کو نہیں  
چھوڑا، سب کچھ کہا اور خوب کہا۔ ستر سال کی عمر میں وفات پائی۔ مرنے وقت زبان پر یہ شعر تھا۔  
آج سودا جہاں سے اٹھتا ہے شور و غل ہر مکان سے اٹھتا ہے

اس سرور شاعران ہند کی رحلت پر فخر الدین ماہر نے قطعہ تاریخ ہکمر نذرانہ عقیدت پیش  
کیا۔ غلہ کو جب حضرت سودا گئے فکر میں تاریخ کی باہر ہوا  
بولے منصف دور کر پائے عباد "شاعران ہند کا سرور گیا" (۱۱۹۹ء-۱۹۵۰ء)

۱۹ ملیم تاریخ ص ۵۱۔

۲۰ علمائے ہند کا شاندار ماضی ۲/۷۰ مصنف مولانا محمد میاں تیرتہ ذکرہ خوش محرکہ زیبا از  
سماعت خاں ناصر مرتبہ ڈاکٹر شمیم ص ۸۳۔

۲۱ جواہر سخن ۱۲ ۲۳۵ مولف مولانا محمد حسین کیفی چریا کوٹی، ہندوستانی اکیڈمی اسلام آباد ۱۹۳۵ء  
۲۲ تذکرہ ہندی از غلام ہمدانی مصحفی ص ۳۴۱ مکتبہ ۱۹۸۵ء

عظیم الدین قائم چاند پوری (۱۲۱۰ھ) نے بڑا بڑا سوز تازی مثنوی مرثیہ کہا:-

آہ مرزا رفیع دنیا سے	جل کے جنت میں جب یتیم ہوا
دردِ فرقت سے اس کے شلِ قلم	اہلِ مغنی کا دل دو نیم ہوا
گل سے تاخدا اس چمن میں جو تھا	خاک بر سر وہ جوں نیم ہوا
سالِ تاریخ کی تھی مجھ کو تلاش	کیونکہ بس حادثہ عظیم ہوا

اس میں پیر خرد نے از سرِ یاس

یہ کہا: آبِ سخن یتیم ہوا، ۱۱۸۵ھ = ۱۱۹۵ھ

منشی یحییٰ نرائن شفیق اور نگ آبادی نے قیام تاریخ اور ماہ کی صراحت کے ساتھ قطعہ بیان کیا:-

لکھنؤ پنج میرزائے رفیع چوتھی رجب کی، جان میں گزرے

جیکہ . . . کیا ہوئی تاریخ

"ہائے سودا جہان میں گزرے،"

شفیق کے مادہ سے ۱۱۹۶ھ برآمد ہوتا ہے۔ ایک عدد کے تخریج کا بھی قطعہ میں دی قرینہ نہیں ہے۔ سودا کی وفات کے فارسی قطعات سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔ ارا مقصد بھی ممکنہ حد تک یہی ہے کہ ہر شاعر کی وفات کے صرف اردو زبان میں کچھ نئے قطعات میں پیش کئے جائیں، ہاں فراہم نہ ہو سکے تو فارسی زبان کے قطعات جوڑی لکھے جائیں گے یا ضروری معلومات بہم پہنچانے کے لئے۔

برآمد: خواجہ میر نام اور درد تخلص تھا۔ مشہور بزرگ خواجہ ناصر عندلیب کے لفظ الصدق تھے۔ ۱۱۳۳ھ میں بہرام دہلی پیدا ہوئے، جیسا کہ سناٹہ سنگھ بیدار کے

۱۰ تین تذکرے مرتبہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی ص ۲۳۶ مکتبہ برہان دہلی اشاعت اولیں ۱۹۶۸ء  
۱۰ جیل جالبی جلد دوم حصہ دوم ص ۶۵۸

قطعہ تاریخ ولادت سے تصدیق ہوتی ہے :

از حضرت درد عارف یزدانی      گھوارہ آفاق چو شد نورانی  
بیدار نوید سال تار بخش گفت      آمد بوجہ نقض بند ثانی ۱۱۳۳ھ

درد اپنے پدر بزرگوار خواجہ ناصر عندیسیہ (م ۱۱۷۲ھ) کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے، حضرت درد و صرت الوجود کے قائل اور فن موسیقی کے ماہر تھے وہ پہلے شاویں جن کے فیض سے اردو تغزل کو محبوب حقیقی کے حسی و کرشمہ کا جلوہ گاہ بنا دیا۔ چھیا سٹھ سال کی عمر میں جیسا کہ خود انکی پیشین گوئی تھی، ۲۳ صفر ۱۱۹۹ھ میں روز جمعہ وصال ہوا۔ نیاز احمد نیاز سہروردی نے اردو زبان میں قطعہ تاریخ انتقال کہا :-

حضرت درد نے جس وقت کیا نقل مکان      ہو گیا درد جدائی سے جہاں پر آشوب  
گر چہ اس گریہ غم سے تونہ تھا دل کو فرغ      سال تاریخ کو جو عذر کیا دل سے خوب  
ہاتفِ غیب سے اک بارگی آئی یہ ندا

”یغدا دنیا سے رخصت ہوا وہ خدا کا محبوب“ ۱۱۹۹ھ

درد کے دوست میر محمدی بیدار دہلوی (م ۱۲۰۹ھ) نے فارسی میں جو تاریخ کہی وہ درد کی وفات کے بارے میں خصوصی اہمیت کا حامل ہے کہ چونکہ اس سے ہیں وفات درد کا وقت روز تاریخ اور ماہ کی معلومات فراہم ہوتی ہیں۔ البتہ عمر اڑسٹھ سال کی اطلاع درست نہیں۔  
آفتاب امت دین محمد، خواجہ میر مظہر علم علی و دارث اشاعر

۴۵ حالہ مذکور ص ۷۲۵۔

۲۶ ماہنامہ آجکل نئی دہلی جنوری ۱۹۸۶ء میں بحوالہ مجموعہ غفر از قدرت اللہ قائم نمونہ خدائش مگر جمیل جالبی نے اس قطعہ کو ہدایت اللہ ہدایت (۲/۷۵) سے منسوب کیا ہے۔

۷۱ تصوف کے ایک سلسلہ کے علاوہ تمام سلاسل کا شجرہ حضرت علی ہریر جاکر شتی ہوتا ہے۔ علامہ متنا عمادی ایسے صوفیاء کو جس کا رجحان مسلک کی اشاعرہ کی طرف ہوتا تھا، شیعوں کے خانہ زاد بھائی کہا کرتے تھے۔



حضرت مدد آنکہ از درد و فراق عند سبب  
 جان کو دنیا بھر شمت و ہشتم سا لگی  
 تانہ پانہ نشی کی کرد بردہا اثر  
 جانب احلاء طلیس او کردہ سفر  
 بندہ بیدار کان ہست از قلامانش یکے  
 محکم ہر شب ماندہ یافت کرد واد بلا و گفت  
 قائم۔ شیخ قیام الدین نام، عرفیت محمد قائم اور تخلص قائم تھا، چاند پور ضلع، بھنور کے باشندہ  
 تھے۔ انتظار میں در و در اور بعد کو سودا کے شاگرد ہوئے۔ اعلیٰ درجے کے شاعر تھے۔ نمونہ  
 ان کے دو مشہور غلاظت اشعار ملاحظہ ہوں:-

ٹوٹا جو کبہ کو نہی یہ جائے غم ہے شیخ  
 نثر قسمت تو دیکھ ٹوٹی ہے جا کر کہاں کند  
 کچھ تعہد دل نہیں کہ بنایا نہ جائے گا  
 کچھ دور اپنے ہاتھ سے جب بام رہ گیا<sup>۱۹</sup>  
 اک ڈیر ہے میان را کہ کا اور اگ دی ہے  
 (تین تذکرے ص ۱۰۳)

بمقام راسپور ۱۲۰۸ھ میں قائم نے سفر آخرت اختیار کیا۔ شاہ کمال کی فرمائش پر جرات  
 نے رباعی مستزاد میں تاریخ لکھی۔

جب سیل فنا ملک غاصر میں ہی  
 قائم کے جو تن کی تھی عمارت سو ڈھی  
 اگر ناگاہ  
 لی زیست نے راہ  
 جرات نے کہی رو کے یہ تاریخ وفات  
 یکتائی کے ساتھ  
 قائم بنما و شعر ہندی نہ رہی (کذا انصاری)  
 کیا کہیے اب آہ<sup>۲۰</sup>  
 ۱۲۰۸ھ  
 ڈاکٹر نثار احمد فاروقی کہتے ہیں کہ: "اس قطعے میں کہیے کے اعداد (۳۵) اور آہ کے (۷)

۱۸ دیوبند بیدار یہ تصحیح جلیل احمد قدوائی مقدمہ ص ۶ ہندوستانی الیٹریکی یو پی۔ الہ آباد ۱۹۳۷ء

۱۹ جولائی ۱۲۰۸ھ و ۷۰۹

نک تین تذکرے ص ۸

شمار کر لیا تو ۱۲۰۸ مستفاد ہوتا ہے۔ یعنی "آہ" میں الف ممدودہ کے دو عدد قطع ہوئے  
 لیکن راقم الحروف کے نزدیک یہ قطع ایک عدد کے بدلے سے کہا گیا ہے، جس کا واضح قرینہ  
 مصرعہ کے فقرہ "یکتا" (یعنی ایک) کے ساتھ میں موجود ہے۔  
 سوز: میر محمد نام اور تخلص سوز تھا۔ اہلدار میں میر تخلص اختیار کیا تھا۔ لیکن جب  
 میر تقی میر کی شہرت ہوئی تو پھر اپنا تخلص سوز کر لیا۔ شہر گوئی کے علاوہ لطیف گوئی، خوش فہمی  
 تیر اندازی و اسب سواری میں بھی یکتا روزگار تھے اور بزرگی و درویشی میں بھی ممتاز  
 جانے ولادت دہلی ہے (۱۱۳۶ھ) اور انتقال اسی سال کی عمر میں تلہر میں ۱۲۱۳ھ میں ہوا۔  
 ناسخ و جبرأت نے تارنجیں موزوں کیں۔

اٹھ گیا میر سوز دنیائے  
 بائے صاحب کمال و اوپلا (۵)  
 سال تارنج ہے یہی ناسخ  
 شاعر بے مثال و اوپلا (۵) ۱۲۱۳ھ  
 قلندر بخش جرات نے دو قطعات کہے:  
 کی جو ہیں میر سوز نے رحلت  
 گردن انداز کی دو نیم ہوئی  
 نکلی تارنج بے سب انداز  
 آہ ادائے سخن یتیم ہوئی  
 دو سرا بسوط قطعہ یہ ہے:-  
 سوز ماتم نے میر سوز کے آہ  
 شمع سال بس جلا دیا دل کو  
 میر صاحب سا شخص بو مر جائے  
 غم ہوا ہائے یہ بڑا دل کو  
 مٹ گیا لطف ریختہ گوئی  
 خاک پھر دے سخن مزا دل کو

۳۱ تین تذکرے ص ۸ ۳۲ تذکرہ خوش معرکہ زیر با ص ۱۱ جس میں ہائے ہوز  
 آخر حذف ہو گیا علامہ ہودیوان ناسخ (نسخہ بنارس ص ۱۳۹) قدیم ڈاکٹر حنیف نقوی خلیفہ اورینٹل  
 پبلیک لائبریری، پٹنہ (عکسی ایڈیشن) ۱۹۹۰ء میں تذکرے ص ۱۱

خاک میں مل گئی ادا بندی      گفتگو اب خوش آئے کیا دل کو  
 کبھی جرأت نے روک کر تاریخ      " داغ اب سوز کا لگا دل کو " ۱۳۱۳ھ  
 تنہا :- موصیٰ نام اور تنہا تخلص تھا۔ دلی میں پیدا ہوئے۔ بعد میں لکھنؤ آ گئے۔ ناسخ  
 سے نہایت الفت تھی۔ مصحفی کے اشعار پر اعتراض کرتے رہتے تھے۔ لکھنؤ میں رحلت (۱۳۳۲ھ)  
 کی۔ ناسخ نے حسب حال تنہا کی تاریخ کہہ کر حق دوستی ادا کیا :-

مونس جانِ حزیں دشتِ بلا فیض آہ      اٹھ گیا سوئے علم چھوٹ کے ہم کو تنہا  
 کلک ناسخ نے لکھا مصرعِ تاریخِ وفات      " آج تنہا گیا دنیا سے عدم کو تنہا " ۱۳۲۲ھ  
 جرأت :- جرأت تخلص اور اصل نام بی امان مگر مشہور نام شیخ قلندر بخش تھا ولادت  
 مقام دہلی ۱۱۶۲ھ/۱۷۴۹ء میں ہوئی۔ بچپن فیض آباد میں گذرا۔ مرزا جعفر علی حسرت لکھنؤی  
 کے شاگرد تھے۔ شاعری کے علاوہ فنِ موسیقی اور علم نجوم میں بھی ماہر تھے۔ لکھنؤ میں وفات پائی  
 ناسخ نے تاریخ بھی، جس کے مادہ سے ۱۲۲۵ھ مستفاد ہوا ہے :

جب یہاں جرأت کا باغِ دہر سے      گلشنِ فروش کو جانا ہوا  
 مصرعِ تاریخِ ناسخ نے لکھا      " اے ہندوستان کا ناغہ " ۱۳۲۵ھ  
 لیکن مصحفی اور راجہ جونت سنگھ پروانہ کے قطعات ذیل سے ۱۲۲۲ھ حاصل ہو رہے  
 اور بقول قاضی عبدالودود صاحب ۱۲۲۲ھ ہی درست ہے :

جب قلندر بخش جرأت مر گیا      رنختہ کے دل میں خون نے کھایا جوش  
 مصحفی نے یہ بھی سالی وفات      " ہو گئی کیا بیلِ نالایاں خموش " ۱۳۲۲ھ

۱۵ تین تذکرے ص ۷۷      دیوان ناسخ نسخہ بنارس ۱۵۱  
 ۱۶ حوالہ ماقبل ص ۱۵۲، ۱۵۳      ملاحظہ ہو دیوانِ لوارش حسین خاں لوارش مقدمہ  
 خط بخش اور منتظر پبلک لائبریری، پٹنہ ۱۹۹۳ء      تذکرہ خوش معرکہ زیبا ص ۲۱۳ -

پیشہ لکھنوی نے یہ تاریخ بھی:

اس زمانے میں وہ غنیمت ہے  
نہ وہ مجلس ہے اور نہ محبت ہے  
نامِ جرأت سے جس کی شہرت ہے  
آج منزلِ نشیںِ حسرت ہے

جو کہ کرتا ہے خگرِ شعر و سخن  
کہ نہ انگ سے وگن باقی ہیں  
اکی سخن گو جو تاملند ز بخش  
مگر گیا کوچ اس مقام سے جین

ہے یہ تاریخِ اول اور ثانی

کہو "جنت نصیبِ جرأت ہے" ۱۲۲۳ھ

میر:۔ خدائے سخن، برآمدِ سعاد اور امام المتفہین میر محمد تقی میر جن کا فرمایا ہوا اکل بھی  
مستند تھا اور آئندہ بھی رہے گا ۱۱۳۵ھ/۲۳-۲۲ء میں اگر وہ عالم وجود میں آئے  
اور ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء میں بمقام لکھنؤ ہجراے عالم بقا ہوئے۔ غلام ہمدانی مصحفی نے  
تعمیہ تدخلے سے تاریخ بھی:-

وہ محمد تقی میر کہ تھا!  
ہندِ جنت نشان میں رکھی تھی  
خرمنِ عمر اس کا برقِ اجل  
ریختہ میں ہر ایک کا سرتاج  
غزلِ عاشقانہ اس سے رواج  
کر گئی جس دم اُن کرتا راج

از سرِ درد مصحفی نے کہا ۲

حق میں اُس کے "موانظری آج" ۱۲۲۱ = ۱۲۲۵ھ

اس سرتاجِ ریختہ کی رحلت پر دوسرا قطعہ احمد علی خاں یکتا نے کہا:

جب دلِ احباب پر موجِ رنجِ والم  
واقعہ جاگدازِ میر تقی کا ہوا

۳۹ طبقاتِ شعراء ہند از کریم الدین ص ۱۴۸ اردو اکادمی لکھنؤ ایڈیشن ۸۳ء

بکے دیوان مصحفی صفحہ چھبیس مرتبہ و منتخبہ اسیر لکھنوی و امیر مینا، خدائے بخش اور نیشنل پبلک  
لائبریری پٹنہ ۱۹۹۰ء

ماہ تاریخ کا سیر خوردنے دیں درو کی رو سے کہا آج نظری مولاؒ ۱۲۲۵ھ  
 تاریخ نے بڑا ہی فارسی تاریخ کہی، جس کا مادہ ہے:

”واوہلا موشہ شاعران“ ۱۲۲۵ھ

بقول مدد ہایت اللہ سابق چیف جسٹس بھارت سرکار ”تاریخ نے جیب میر کی یہ  
 تاریخ وفات برآمد کی تو گورنر کا اظہار تھا مگر میر کو ایسے نام سے یاد کیا کہ ان کا لقب بن گیا  
 کہ وہ بیشک ”شہ شاعران“ تھے اور آج تک ان کا فرمایا ہوا مستند ہے۔“

انشاء۔ انشاء اللہ خاں انشاء ابن سیر ماشار اللہ خاں کے یہاں مرشد آباد میں پیدا  
 ہوئے۔ سنہ ولادت نہ معلوم ہے۔ نواب سیر قاسم علی خاں کے عہد میں مرشد آباد سے فیض آباد  
 آئے اور پھر شاہ عالم کے دربار میں درباری آ گئے۔ لیکن پھر لکھنؤ چلے آئے اور یہیں ۱۲۳۳ھ  
 ۱۸۱۸ء میں وفات پائی۔ ان کے شاگرد الیری سنگھ عرف بخت سنگھ نشاط نے تاریخ کہی۔

خبر انتقال میر انشاءؒ دل غمیدہ تا نشاط شغفت

سال تاریخ اوزر جان اجل ۳

عرفی وقت بود انشاء گفت ۱۲۳۰ = ۱۲۳۳ھ

سید مسعود حسن مسعود نے عمومی نوعیت کا دوح ذیل قطعہ کہا:

حضرت انشاء ظریف و بذلہ سخن لکھنؤ آئے ہوئے تھے نذر موت

ملاہ تاریخ کا مسعود لکھ ”مخزن خورشید“ بہر سال فوت ۱۲۳۰ھ

ترقی :- اسد الدومہ خان بہادر میرزا محمد تقی نام اور ترقی تخلص تھا نیز عرفیت آغا صاحب

۱ کلیات میر مرتضیٰ نعل عباس عباسی ص ۲۹

۲ دیوان ناسخ ۲: ۳۱۶ مطبع نامی منشی نو کشور بارششم فروری ۱۸۹۳ء کانپور

۳ انشاء اللہ خاں انشاء از ڈاکٹر عابد پشاور (شیام لال کاکڑ) ص ۲۸۰۔

۴ مدنیب تواریخ از سید مسعود حسن خاں مسعود ص ۱۰۸ ادارہ انیس اردو ادب آباد ۱۹۶۳ء

ایک کس جہاں میں صاحبِ کم ہونگے  
 اہلِ چشم نہ ہوں گے مالی اہم نہ ہونگے  
 ہے کون دل کہ جس میں سوغارِ خم ہونگے  
 اوصافِ اُس کے ناسخِ بحرِ بھی تہ ہونگے  
 غلبہ بریں میں داخلِ شاہِ اُم ہونگے  
 بس ایک ہے زیادہ اعدادِ کم ہونگے (۱)

”دنیا کے جو مزے ہیں باللہ کم نہ ہونگے“

چمچے ہی رہیں گے اسے واسے ہم نہ ہونگے ۱۲۴۵ + ۱۲۴۶ء

ترقی کی غزل کا مطلع اور مقطع یہ ہے:-

دنیا کے جو مزے ہیں ہرگز وہ کم نہ ہوں گے  
 چمچے ہی رہیں گے افسوس ہم نہ ہوں گے  
 یارانِ رفتگان پر کیا روئیں اہم ترقی  
 کیا ہم روانہ سوئے ملکِ عدم نہ ہوں گے  
 ناسخ :- شیخ امام بخش نامِ مخلص ناسخ تھا۔ اردو کے عظیم شاعر اور طنز نگار کے موجد تھے شیخ  
 خدا بخش سیکس لاہور جو بسلسلہ تجارت فیض آباد آتے رہتے تھے۔ ناسخ کو پائیس تبتنی بنیلا جب

۲۵ ذکر و فکر از ڈاکٹر گیان چند جین ص ۱۵۵، الہ آباد ۱۹۸۰ء

۲۶ تذکرہ ریاض الفضا از غلام احمدی مصحفی، اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ، ۱۹۸۵ء لیکن سہارن  
 خان ناصر نے تیسرے مصرع کی قراءت یہ لکھی ہے: ”یارانِ رفتگان پر کیا روئیں اے ترقی“ دیکھئے تذکرہ  
 خوش معرکہ زیبا ص ۱۸۵، نیز ایک نسخہ میں:۔۔۔ روتے ہو کیا ترقی“ بھی آیا ہے۔ ایضاً ضمیمہ ۳۔

تاسع بھی لکھنؤ آگئے۔ مصحفی کو اپنا کلام دکھاتے تھے لیکن بدر میں مشورہ  
میں یسا بند کر دیا۔ لکھنؤ میں ہی ۱۲۵۴ھ میں راہی ملک بقا ہوئے۔ ان کے شاگرد رشید میر علی  
اوسط رشک نے تاریخ بھی۔

اٹھار گ تاسع کا غل چار سو سے گیا لطف تحقیق کا گفتگو سے  
"دلا شعر گوئی اوٹھی لکھنؤ سے" ۱۲۵۴ھ  
۴ قطعات وفات سے صرف نظر کرتے ہوئے، مقیم الدولہ راجہ نواب علی خاں سحر والی غزنی  
کا کہا ہوا اردو زبان کا قطعہ بھی لکھا جاتا ہے، جو شغفی مرثیہ ہے:

ریدہ سو میں سنبل و سوسن سیاہ پوش مانند لالہ باغ میں، میں داغ داغ گل  
نعل نعل ماقم و نالان میں ابشار مرغ چین میں نونہ گرویدہ رماغ گل  
شہم سے اشک بار میں اشبار بوستان دل تنگ مثل غنچہ ہیں مابین باغ گل  
بس وفات حضرت تاسع ہے جاگزا رکھتا نہیں ہے رنج و الم سے فراع گل  
ہوا ہے عندلیب کو اب نفہ طرب بلبل کے زمزمے ہے اب بیدار گل

مصرع یہ اب ہے مرغ چین کا زبان پر  
"اقلم شاعری کا ہوا ہے چراغ گل" ۱۲۵۴

نشر :- خواجہ حیدر علی آتش ۱۱۹۲ھ/۱۷۷۸ء اور میں بمقام دہلی پیدا ہوئے۔ (ایام  
جوانی میں لکھنؤ منتقل ہو گئے۔ دبستان لکھنؤ کے مشہور و معروف اساتذہ میں تھے۔  
لکھنؤ ہی میں بروز چہار شنبہ (بدھ) ۲۵ محرم ۱۲۶۳ھ/۱۳ جنوری ۱۸۴۷ء میں  
بوقت صبح انتقال ہوا جو اچانک حادثہ تھا۔ مصحفی کے سایہ ناز شاگرد تھے۔ سید ساداتین

۱۷۷۸ء بیاض سحر (ایس بی نظیر) ص ۸۵، ۸۴ در مطبعہ اودھ پریس لکھنؤ ۱۲۹ھ/۱۸۷۹ء

والد کا نام میرزا محمد امین نیشاپوری، فارسی اور اردو دونوں میں شعر کہتے تھے۔ میر سونے کے شاگرد  
اصناف سحر کے مولیٰ تھے۔ ۱۲۶۶ھ میں راہی خلد ہوئے۔ ناسخ نے ترقی ہی کا ایک غزل کے مطلع زبان  
زورِ علاق سے بتغیرِ خفیف تاریخ بھی جو شخصی مرثیے کی اہلا تو یہی مثال ہے۔ ۱۔

تھے حاتم زمانہ مرزا لقی ترقی	ایسے کہیں جہاں میں صاحبِ کرم نہ ہونگے
تا حشر اس امیرِ فیاض کے برابر	اہلِ حشم نہ ہوں گے عالیٰ ہمنم نہ ہونگے
بائی و فات اس نے ماتم سزا میں سینے	ہے کون دل کو جس میں سو فارغ نہ ہونگے
ہوں گے اگر نیستان بہرِ ظلم میسر	اوصاف اس کے ناسخ پھر بھی تو نہ ہونگے
لے لیں گے ساتھ اسکو جب تک نہ روزِ حشر	خلد بریں میں داخل شاہِ اُم نہ ہونگے
گن اس بلیغ کا یوں مطلع پرے تاریخ	بس ایک سے زیادہ اعداد کم نہ ہونگے (۱)

”دنیا کے جو مزے ہیں بالذکر نہ ہونگے

جرچہ بھی رہیں گے اے واے ہم نہ ہونگے“ ۱۲۳۵ + ۱ = ۱۲۳۶ھ

ترقی کی غزل کا مطلع اور مقطع یہ ہے:-

دنیا کے جو مزے ہیں ہرگز وہ کم نہ ہوں گے جرچہ بھی رہیں گے افسوس ہم نہ ہوں گے  
یارانِ رفتگان پر کیا روئیں ہسم ترقی کیا ہم روانہ سوئے ملکِ عدم نہ ہوں گے  
ناسخ:- شیخ آغا بخش نام تخلص ناسخ تھا۔ اردو کے عظیم شاعر اور طرزِ کھنڈ کے موجد تھے۔ شیخ  
نہال بخش سکینہ لاہور جو سلسلہٴ تبرات فیض آباد آتے رہتے تھے۔ ناسخ کو اپنا پسربتی بنایا جب

۱۵ ذکر و فکر از ڈاکٹر گیان چند جین ص ۱۵۵، آباد ۱۹۸۰ء

۱۶ تذکرہ ریاض الفضا از غلام ہمدانی معقوی، اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ، ۱۹۸۵ء، لیکن سہ ماہ  
خان ناصر نے میرے مصرع کی قرأت یہ لکھی ہے: ”یارانِ رفتگان پر کیا روئیں اے ترقی“ دیکھئے تذکرہ  
خوش معرکہ زیر باب ص ۱۸۵، نیز ایک نسخہ میں:۔۔۔ رعتے ہو کیا ترقی“ بھی آیا ہے۔ ایضاً ماہیہ ۳۔



لکھنؤ دارالطافت ہوا تو ناسخ بھی لکھنؤ آ گئے۔ مصحفی کو اپنا کام دکھاتے تھے لیکن بعد میں مشورہ  
کئے لے کر دیا۔ لکھنؤ میں ہی ۱۲۵۲ھ میں راجہ ملک بقا ہوئے۔ ان کے شاگرد رشید میر علی  
اوسطہ رشک نے تاریخ لکھی۔

اٹھارہ گپ ناسخ کا غل چار سو سے گیا لطف تحقیق کا گفت گو سے  
کہار رشک نے مصرعے سبب رحلت "دلا شعر گوئی اور ٹٹی لکھنؤ سے" ۱۲۵۳ء  
غازی قطعات وفات سے صرف نظر کرتے ہوئے، مقیم الدولہ راجہ نواب علی خاں سحر والی غوث آباد  
(م ۱۲۷۳ء) کا کہا ہوا اردو زبان کا قطع بھی لکھا جاتا ہے، جو شعیب مرثیہ ہے:

ثر ولیدہ موہیں سنبل دسویں سیاہ پوش ماند لالہ باغ میں ہیں داغ داغ گل  
ہر نخل نخل ماتم و نالائیں میں آبشار مرغ چین ہیں نوحہ مگر وید باغ گل  
شبہم سے اشک باروں اشجار بوستان دل تنگ مثل غنچہ ہیں مابین باغ گل  
از بس وفات حضرت ناسخ ہے جانگزا رکھا نہیں ہے رنج و الم سے فراغ گل  
بھولا ہے عندیسیب کو اب نفہ طرب بیل کے زمرے ہے اب بید باغ گل

مصرع یہ اب ہے مرغ چین کا زبان زبر  
"اقلم شاعری کا ہوا ہے چراغ گل" ۱۲۵۳

آتش :- خواجہ حیدر علی آتش ۱۱۹۲ھ/۱۷۷۸ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئے۔ ایام  
 جوانی میں لکھنؤ منتقل ہو گئے۔ دبستان لکھنؤ کے مشہور و معروف استاد تھے۔  
لکھنؤ ہی میں بروز چہار شنبہ (بدھ) ۲۵ محرم ۱۲۶۳ھ/۱۳ جنوری ۱۸۷۷ء میں  
بوقت صبح انتقال ہوا جو اچانک حادثہ تھا۔ مصحفی کے مایہ ناز شاگرد تھے۔ سید سادات حسین

۱۷۷۷ء بیاض سحر (ایمس بے نیلر) ص ۸۵، ۸۶ در مطبع اودھ پریس لکھنؤ ۱۲۶۹ھ/۱۸۷۹ء

خاں شریف عرف آغا جتوئے تاریخی مرثیہ کہا۔ جس سے سالہ وفات کے علاوہ آتش کے سیرت و شخصیت، افتادِ طبع، مذہبی عقائد اور مدفن وغیرہ کے بارے میں بھی معلومات فراہم ہوتی ہیں :-

خواجہ صبر و رضا و بندہ خاصِ خدا	تارکِ دنیا و لذت، قانع و گوشہ نشین
بے ریا، بے نفس، بے پروا و بے حرص و ہوس	ناز و بردار توکل، باخدا عزت گزین
پاک دامن، پاک طینت، پاکباز و پاک منہ	محبوبِ خدا، جو یاسے رب العلیس
عارف و مجذوب، سالک و حاکم و شفیق	خاکسار و بوترابی، عاشقِ جبلِ القین
کرہ لایں روح رہتی ہے ہر گیس میں گھمبیر	زندہ دل تھے، زندہ جاوید ہیں زیریں
شاعرِ بے مثل و یکتا تھے وہ فردوسیِ عصر	جیل بے افسوس دنیا سے سوئے غلیظ تر
آتش انکا تھا تخلص، نام تھا حیدر علی	تھے خدائیں، تھا انہیں دنیا سے کچھ مطلب
اسے شرف تھے جلوہ فرما ہمدیائے فقر پر	کہتے تھے ہر وقت تعظیم و ادب سندش

سالِ ولادت سے دو عالم میں پی شہرت یافتہ

"حیدری مداح و فردوسی فردوسِ بریں" ۱۲۶۳ھ

جاری ہے

۲۸ ملاحظہ ہو "دبستانِ آتش" از ڈاکٹر شاہ عبدالسلام ص ۷۷-۱۲۶ مکتبہ جامعہ لیبٹید جامعہ نگر نئی دہلی بار اول ۱۹۷۷ء۔ لیکن مادہ بری طرح مستح ہے یعنی: حیدری مداح و فردوش فردوسِ بریں۔ کہہ نہیں سکتے کہ "فردوسی" کے بجائے فردوش (؟) کیوں اور کیسے ہوا؟ بہر حال ہم نے درست کرتے ہوئے مادہ لکھا ہے۔

# ماحول پر قابو کس طرح حاصل کیا جائے؟

قسط ۲

جناب ڈاکٹر میرولی الدین صاحب ایم۔ اے۔ پی ایچ ڈی (لندن، پیرسٹرٹلا)

یاد رکھو کہ خارجی زندگی باطنی زندگی کا عکس ہے۔ ہماری باطنی زندگی یا انفس جیسا ہوگا ویسی ہی عکس ہمارے خارجی حالات ہوں گے ویسا ہی ہمارا "آفاق" ہوگا۔ آفاق تابع انفس ہے۔ آفاق میں تغیر انفس کے تغیر کا تابع ہے۔ اس صداقت کو قرآن حکیم نے ایک سے زیادہ جگہ واضح کیا ہے شک و شبہ سے نکالتے کے لئے ہم اس کا ذکر کر رہے ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغَيِّرُ مَا بَعَثَ قَوْمٌ حَتَّىٰ يَخْشَرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ (الرعد ۲۷)

و واقعی حق تعالیٰ کسی قوم کی حالت میں تغیر نہیں کر لے گا جب تک وہ لوگ خود اپنی حالت کو نہیں بدلتے۔ یہ بات اسی سبب سے ہے کہ حق تعالیٰ کی نعمت زلک بَانَ اللَّهُ لَمْ يَكْ مَغْيِرًا نَعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلَىٰ قَوْمٍ حَتَّىٰ يَغْيِرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ (الأنعام ۷۷)

کہ وہی لوگ اپنے انفس کو نہیں بدل ڈالتے۔

خارج کا تغیر، ماحول کا بدلنا، حالات پر قابو پانا ہو تو باطن کا تغیر، انفس کا بدلنا ضروری ہے۔ اگر باطن میں کچی ہو، انفس خام و ناشائستہ ہو، تو خارج میں کچی، ناہمواری، عدم توافق یا دوسرے الفاظ میں درد و غم، قلت و اقلال، ضیق و پریشانی کا ہونا ضروری ہے۔

باطن یا انفس سے مراد ظاہر ہے کہ انفس اور اس کے صفات ہیں اور ان سے پیدا ہونے

ملنے اخل و اعمال میں۔ اب ماحول کی ناسازگاری، ضیق و پریشانی، رنج و غم، غم و الم ہے  
 نتیجہ میں باطنی زندگی کا، یعنی ذرائع اخلاق کا، اتہاء ہوئی کا، حرم و معصیت کا، بدکرداری  
 و گنہ کا قرآن میں نے اکتفا و ضاحت ان الفاظ میں کی ہے۔

كَمَا اَسَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَمَا كَسَبَتْ اور تم کو جو کچھ معصیت پہنچتی ہے وہ تمہاری ہی  
 اُپدھائی ہے کہ مَصِيبَةٌ مِّنْ كَثِيرٍ (شوریٰ ۵) ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں سے ہے اور  
 بہت سے تو درگزر ہی کر دیتا ہے۔

اسی اصول کو کسی اور جگہ اور زیادہ واضح الفاظ میں ظاہر فرمایا گیا ہے۔

اَوَلَمْ نَسْأَلْكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ قَدْ اَصَابَتْكُمْ اور جس وقت تم کو ایک تکلیف پہنچی کہ تم اس سے  
 مِثْلُهَا قُلْتُمْ اَنَّىٰ هٰذَا؟ قُلْ هُوَ مِنْ عِندِ انْفُسِكُمْ طَرَفَ اللّٰهِ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدْرٌ اُنّیٰ؟ آپ فرمادیجئے کہ یہ تکلیف تم کو تمہاری ہی طرف  
 سے پہنچی۔۔۔۔۔

صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اصول کی تفسیر میں فرمایا :

انما هي اعمالكم ترد عليكم یہ تمہاری ہی اعمال ہیں جو تم پر لوٹائے جاتے ہیں۔  
 دوسری جگہ یوں فرمایا :

انما هي اعمالكم اُحْصِيَهَا عَلَيْكُمْ فَمِنْ وَجِدْ خَيْرًا فَحَمْدُ اللّٰهِ وَمِنْ وَجِدْ غَيْرَهَا فَلَا يُؤْمِنُ اِلَّا نَفْسُهُ۔  
 یہ تمہارے اعمال کا بدلہ ہے جن کو میں محفوظ رکھتا ہوں (تمہارے نامہ اعمال میں لکھوا جاتا ہوں کہ ان  
 کا پورا پورا بدلہ تم کو ملے) اگر تم میں سے کوئی خیر پائے  
 تو اللہ کا شکر کرے اور اگر اس کے خلاف پائے  
 تو مولے اپنے نفس کے کسی پر ملامت نہ کرے

اس اصول کی وضاحت میں صوفیہ کرام نے جو مثال استعمال کی ہے وہ نہایت صحیح اور

صاف ہے وہ شخص اس کے سایہ سے اس اصول کو سمجھاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ظل یا سایہ شخص کے تابع ہوتا ہے۔ اگر کوئی شیئی ٹیڑھی ہو تو اس کا سایہ بھی ٹیڑھا ہوگا اور اگر سیدھی تو سایہ بھی سیدھا ہوگا۔ انفس شخص کے اتند ہے اور ماحول اس کا سایہ ہے، یا صفات و اعمال شخص کی مثال ہے، حالات و واقعات ان کا عکس عسایہ ہیں۔ شیخ ابو انبیا اپنے احباب سے کہا کرتے تھے۔

”اعلموا ان جمیع الوجود یقابکم بحسب  
یعنی وہ جان لو کہ جو اعمال تم سے سرزد ہوتے ہیں  
ما بینہم منکم من الامال، فانظروا کیف  
دیکھ لیجئے، تمہارا کسسا تو معاملہ کیا جا رہا ہے، اسی  
تکونون، فان الظل تابع الشاخص فی  
لے ڈرا پنچا اعمال پر نظر رکھنا کیونکہ ظل یا سایہ  
العروج والا مستقامۃ۔“  
شخص کے تابع ہوتا ہے کبھی راستی ہر دو میں“

اس صداقت پر امام شعرانی کو اتنا یقین تھا کہ اگر اپنے دوستوں یا بیوی یا نوکروں سے  
بجوروسی یا شوز و گریزا اپنے معاملہ میں پاتے تو ذمہ دار اپنی ذات کو ٹھہرتے اور اپنے ہی ملامت  
کرتے۔ ان کا قول مشہور ہے

ان الوجود یعاملنی علی صورۃ عاملت بہ  
یعنی ”لوگ میرے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتے  
فاقدم علی لا علیہم فی الاصل لانہم  
ہیں جیسا کہ میں انکے ساتھ کرتا ہوں، پس  
تکفل الشاخص علی حد صواب فان کان  
سلامت میرے ہی ذات پر ہے نہ کہ انکی ذات  
الشاخص مستقیما فالظل مستقیم او  
پر کیونکہ انکی مثال کسی شیئی کے سایہ کے مانند  
اموج فان ظل اموج ومن طلب الاستقامۃ  
ہے اگر شیئی سیدھی ہے تو سایہ بھی سیدھا ہے اور اگر  
الظل مع موج الشاخص فقد رام البطل۔  
شیئی ٹیڑھی ہے تو سایہ بھی ٹیڑھا جس شخص نے  
اس بات کی توجیح کی کہ ٹیڑھی شیئی کا سایہ سیدھا ہوگا  
تو اس نے مال کی تمنا کی۔“

قرآن عظیم نے کُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَجُوعًا اور کُلِّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ سَاجِدًا اور لَعَا مَا

کَسِبَتْ وَعَلَيْهَا مَا كَسَبَتْ اور مَنُ عَمِلَ مَالِهَا فَلِنَفْسِهَا وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلُهُ  
 کہ اگر اس صداقت کی توضیح کی ہے اس اصول کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا یہ وہی اصول ہے  
 جس کو ہم بچائی نے ماحشر کی زبان میں اس طرح لکھا دیا ہے ۔

یہ رونا بے وفائی کا پشکوہ کچے ادائی کا

سنر ہے دل لگنے کی، سزہ ہے آشنا کی

فلسفہ اخلاق کی زبان میں اسکو یوں بیان کرتے ہیں: انسان مجنوں بنا باعمالہم ان  
 خیراً فخیسروان شرا فخر، لوگوں کو اعمال کی جزا ملتی ہے اگر اعمال اچھے ہوں تو ان کی جزا  
 بھی اچھی ہوتی ہے، اور اگر اعمال بد ہوں تو ویسی ہی ان کی جزا ہوتی ہے !  
 بنیادی اصول کو سمجھ لینے کے بعد اب ماحول یا واقعات زندگی کے سلسلہ میں ہمیں چند  
 باتیں سمجھنی ضروری ہیں۔

اوپر بیان کئے ہوئے اصول پر فوراً کرنے سے ہمیں یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے  
 کہ زمین و آسمان کی پیدائش کا مقصد ہی یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے اور  
 قرآن کریم نے صاف الفاظ میں اس کی وضاحت کر دی ہے :

خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَتَبَعُوهَا  
 كُلٌّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۔  
 حق تعالیٰ نے آسمان و زمین کو حکمت کے ساتھ  
 پیدا کیا تاکہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا  
 جائے اور ان پر ذرا ظلم نہ کیا جائے ۔  
 (الباقیہ ۲)

یاد رکھو کہ زندگی کا مقصد طفل شیر خوار کی طرح ہماری دایہ گری کرنا نہیں ! یہ فرائض و  
 واجبات کا بار ہمارے کاندھوں پر رکھتی ہے تاکہ ان کی ادائی میں ہم زیادہ سے زیادہ قوی  
 ہوتے جائیں، ہمارے اخلاقی اعصاب و عضلات طاقتور ہوں اور ہم انسان کامل بنے  
 جائیں اور اس سرور و مستی سے بہرہ یاب ہوں جو کاملین کے لئے مقدر کی گئی ہے !  
 (جاری)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سرپرست اعلیٰ ندوۃ المصنفین دہلی

عالیجناب حکیم عبدالحمید صاحب چانسر جامعہ محمد رفیع دہلی و علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

مجلس ادارہ اعزازی

سید الفتحہ رحیمین  
اکثر معین الدین بھائی  
محمود سعید بھائی  
ڈاکٹر یونیورسٹی قاضی



نگران اعلیٰ

معروف مولانا حکیم محمد زمان مسیحی

شمارہ: ۳

اکتوبر ۱۹۹۸ء

جلد: ۱۲۳

اس کے لیے

شارے

اس

\* نظرات ..... محمد ارحمن شانی ۲  
\* قطعات و قاف شعرائے اردو (قسط نمبر ۲)

\* ماحول پر قابو کس طرح حاصل کیا جائے؟ (قسط نمبر ۳)  
عبدالرشوف خاں ایم، اے بیسٹری، اودیشی کلاس (راج) ۶

\* شطرنج کی اصل — ڈاکٹر مسعود احمد شیعہ عربی بڑودہ یونیورسٹی  
جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم اے پی، ایچ ڈی ۱۶  
(لندن، بیرسٹرا ریٹ لا)

\* شطرنج کی اصل — ڈاکٹر مسعود احمد شیعہ عربی بڑودہ یونیورسٹی ۲۸  
\* وفيات ۳۰

جملہ خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

منیجر ماہنامہ برہان

4136 - اردو بازار جامع مسجد دہلی - 110006 \* فون نمبر 3262815

زر تعاون

فی پچہ ۶ روپے

سالانہ ۷۲ روپے

کمپیوٹر کتابت

CREATIVE VISION

محمد ارحمن عثمانی ایڈیٹر پرنٹر پبلشر نے خواجہ پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی سے شائع کیا۔

## نظرات

اُف یہ مہنگائی، نہیں نہیں یہ مہنگائی نہیں اسے مہنگائی نہیں کہتے ہیں۔ مہنگائی تو اسے کہتے سہی چیز کی قیمت ایک روپیہ سے بڑھ کر سواروپیہ ہو جائے یا حد پے ڈیڑھ روپے ہو جائے۔  
 لباس کے لئے اشیائے خورد و نوش کی کوئی چیز ایک روپیہ سے ایک دم بڑھ کر سواروپیہ ہو جائے  
 غریب عوام پر مہنگائی کی مار ہی سے قبیر کیا جائے گا اور اس پر عوام کا رونا بلکنا اپنی جگہ جائز  
 ہے۔ لیکن جب اشیائے خورد و نوش کی کوئی چیز مثلاً دال ارہڑا، روپے فی کلو بازار میں بکتے  
 ایک دم چالیس بیالیس اور پینتالیس روپے ہو جائے تو اسے ہم کیا کہیں گے۔ اسے مہنگائی کہنا مہنگائی  
 نہیں ہے۔ اس طرح تو کبھی بھی مہنگائی ہوتی سنی نہیں گئی اسے تو ہم بلا سبب لٹ کا نام ہی دیں گے  
 مہنگائی نہیں بلکہ لٹ ہے اور اس لٹ کو عوام بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور دل و  
 سے برداشت بھی کر رہے ہیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ حکومت بھی دیکھ رہی ہے مگر اس پر  
 رمت کے کانوں میں جوں تک نہیں رینگتی ہے۔ بھلا بتائیے تو سہی یہ حد نہیں تو اور کیا ہے کہ پیاز  
 مولی قیمت کی چیز بھی آج گراں قدر بن گئی ہے اور عجیب نہیں مہنگائی نہیں بلکہ لٹ کا یہ ہی حال  
 ریب عوام کی پہنچ سے پیاز دور ہو جائے گی اور یہ خواص کے محلوں کے یہاں کی قیمتی جنس  
 بنے گی۔

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ بھارتیہ جنتا پارٹی جو ابھی کل تک اپوزیشن میں بیٹھ کر مہنگائی  
 روتی تھی مہنگائی پر بازار بند کر دیا کرتی تھی مہنگائی پر شور شرابہ کر کے حکومت کے اہلواؤں  
 بے پیدا کرتی تھی آج اس کی حکومت کے سائے میں معمولی چیزوں کی قیمتیں آسمان چورہی  
 سے عوام الناس کا بہت بُرا حال ہو گیا ہے ایک لفظ میں اس کو بیان کریں تو یہ کہنا مناسب



اگر اشیائے خورد و خورد کی چیزوں کی آسمان چھوٹی قیمتوں نے غریب عوام کا کچھ مزہ ہی نکال دیا ہے تو بازار کا سب مہنگے بہت مہنگے عوام کی پہنچ سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ اور یہ سب سزا دوسری سبزیوں کی کیا ہی بلکہ نایابی نے وہی کسری بھی نہیں چھوڑی ہے۔ پیاز کے بعد کی آسمان چھوٹی قیمت گو بھی پاک مٹی ٹماٹر جب بازار میں خریدنے کوئی نکلتا ہے تو وہ ان کی تہ پوچھ کر اور اپنی جیب ٹٹول کر مایوس واپس گھر آکر رونے لگتا ہے۔ کیا یہ ہی بھارتیہ ہمارے ملک کا حکومتی نظام چلانے کا طریقہ ہے جس میں غریب عوام کی کوئی پوچھ ہی نہیں ہے۔

اشیائے خورد و خورد کی قلت بلکہ قحط نے عوام کا دم نکال دیا ہے وہاں خوردنی تیل میں وٹے سرسوں کے تیل میں ایسے اجزاء کی شمولیت جس سے عوام میں بیماری پھیلی اور اس کے بعد سے ان تیلوں کا فقدان اور پھر جب بازار میں یہ آیا تو ۳۸ روپے فی کلو تیل سے بڑھ کر ایک دم ۷۰ روپے تک اس کی قیمت کا پہنچ جانا محیر العقول نہیں تو اور کیسا ہے؟ ہائے یہ مہنگائی نہیں بلکہ یہ بے چارے دیکھ کر بہہ کہنے میں نہیں کوئی حجاب نہیں ہے کہ بیوپاری طبقہ اس موقع کی تلاش میں کہ عوام انسان کی جیسے آن کی آن میں خالی کرائی جائیں؟

ہم سمجھتے ہیں کہ اگر اشیائے خورد و خورد کی آسمان چھوٹی قیمتوں کا یہ ہی حال رہا تو وہ دن نہیں جب عوام کا جینا ہی دو بھر ہو جائے گا۔

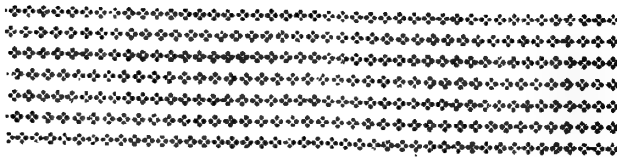
عوام انسان جہاں اشیائے خورد و خورد کی قلت و قحط سے دوچار ہیں وہیں لائینڈ آرڈر کا لڑ بھی ان کے لئے وبال جان بنا ہوا ہے۔ چوریاں ڈکیتیاں اور قتل کی خبریں روزانہ اخبارات اکثریت سے پڑھنے کو مل رہی ہیں۔ ہر شخص پریشان ہے کہ ہندوستان جسے جنت نشان کہا ہے وہاں کب تک یہ دل دہلا دینے والی خبریں سننے کو ملتی رہیں گی۔ یہ تو دیکھ کی طرح ملک کو نے وال ہیں۔ جو بھی اس کا ذمہ دار ہے وہ بلاشبہ ملک و قوم کا غدار ہے اور ملک و قوم کے اوروں کو کبھی معاف نہیں کیا جاسکتا ہے۔ گزشتہ دنوں دہلی کے عوام کو طرح طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ بسوں کی ہڑتال، پانی بجلی کی قلت اور تکلیف دہ حد تک ان کی کمیابی نے م انسان کا بُرا حال کر دیا ہے ہمارے پاس وہ الفاظ نہیں ہیں جن سے ہم ان واقعات و حالات کوام انسان کو پہنچی ان تکالیف کی مذمت کر سکیں۔ آخر کب تک یہ حالات قائم رہیں گے حکومت

سے کوئی اپیل گزارش یا درخواست کرنا کہ وہ ان سب تکالیف و مشکلات کا تدارک کرے۔  
تو جہ ان کو حل کرنے کی طرف مرکوز کرے، ہم بے سود ہی سمجھتے ہیں، حکومت کے پاس ذرائعِ ادا  
ہیں اس لئے یقیناً وہ ان سب حالات و تکالیف سے آگاہ ہوگی ہی۔ اس کے باوجود بھی جوں کا  
حالت میں کوئی سدھار نہ ہو تو اب مالکِ حقیقی پروردگارِ عالی ہی سے دعا ہے کہ عوامِ انسا  
یا اللہ اس ہنگامی و لوٹ سے نجات عطا فرما اشیائے خورد و نوش کی قلت و کمیابی اور  
خاتمہ ہو آمین ثم آمین !

دہلی، راجستھان، مدھیہ پردیش میں صوبائی اسمبلی کے الیکشن کی آمد ہے۔ الیکشن کی  
طرف سے نوٹیفکیشن جاری ہو چکا ہے۔ اس انتخاب کے نتائج بڑی اہمیت کے حامل ہوں گے  
کی مارنے عوام کا بُرا حال بنا دیا ہے۔ عوام کس پارٹی کو منتخب کرتے ہیں یہ دیکھنے کی بات ہوگی۔  
جماعت بھارتیہ جنتا پارٹی دہلی اور راجستھان میں حکمران جماعت ہے اگر الیکشن کے بعد بھی ان  
میں بھارتیہ جنتا پارٹی اقتدار میں رہتی ہے تو اس کا مطلب ہوگا کہ ہنگامی کے باوجود عوام یہ  
جنتا پارٹی کو اقتدار میں بنے دیکھتے رہنا چاہتے ہیں۔ لیکن اگر ان صوبوں میں بھارتیہ جنتا پارٹی  
خلاف عوام ووٹ دیتے ہیں اور اقتدار سے بے دخل کرتے ہیں تو اس کا صاف مطلب ہوگا کہ  
جنتا پارٹی سے عوامِ انسا عاجز آچکے ہیں اور وہ اسے اقتدار کی کھنی دینے کی دوبارہ غلطی نہ  
تیار نہیں ہیں ایسی صورت میں ہمارے خیال میں اس الیکشن کا دور رس اثر ہوگا مرکزی حکومت  
اس کی آنچے آگے بغیر نہ رہے گی۔ کانگریس اور اس کی حلیف پارٹیاں ہمت و حوصلہ کے ساتھ  
میں کودیں گی اور وہ مرکزی حکومت کے لئے مشکل کھڑی کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑیں گی دونوں  
پارٹیاں، سماج وادی پارٹی اور لالو پرشاد کی راشٹریہ جنتا دل سنگٹنگ ٹیبلٹ کس کمر مرکزی حکم  
خلاف واپس لانا شروع کریں گے۔ جس سے مستقبل کے حالات کے بار میں تشویش ہے کہ  
حالات کیا کروٹ لے لیں۔ خلافتِ عالی سے ہماری دعا ہے کہ جو بھی حالات بنیں وہ ملک و تو  
ہی کے لئے ہوں۔ ملک میں امن و امان ہو اور اس میں رہنے والے تمام باشندوں کو راحت  
اور امن نصیب ہو۔ یہ ہی تمنا و خواہش اور آرزو ملک و قوم کے ہر بھی خواہ کی ہے۔

بھارت اور پاکستان کے وزرائے اعظم کی ملاقات کے بعد اسلام آباد میں ہندوستان اور پاکستان کے نمائندوں کی خوشگوار ماحول میں بات چیت سے ہندوستان کے ہر باشندہ کو خوشی ہے بیشک یہ بات چیت کسی نتیجہ پر نہ پہنچی ہے مگر اس بات نے آگے بات چیت کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ دونوں ملکوں کے نمائندے پر امید ہیں کہ آپس میں تعلقات بحال ہو جائیں گے۔

وزیر اعظم ہندوستان جناب اٹل بھاری باجپئی کی یہ بات بڑی ہی اہم اور قابلِ توجہ ہے کہ انہوں نے پاکستان کے ساتھ دوستانہ تعلقات کی اہمیت بتاتے ہوئے یہ بات زور دے کر کہی کہ پاکستان ہمارا پڑوسی ملک ہے اور ہمیں پاکستان سے تعلقات اچھے اور خوشگوار اس لئے بھی بنانے ہیں کہ بڑے دسی کبھی الگ نہیں ہوتا ہے دوست بچھڑ سکتا ہے لیکن پڑوسی تو ساتھ ہی رہتا ہے اور پڑوسی کبھی نہیں الگ ہو سکتا ہے۔ وزیر اعظم اٹل بھاری باجپئی کی اس بات نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ ہندوستان دل سے پاکستان سے اچھے خوشگوار بھائی چارگی کے تعلقات قائم کرنا چاہتا ہے بد قسمتی سے پاکستان کے حکمران یہ بات ابھی تک اپنے دل و دماغ میں نہیں بٹھا سکے ہیں کہ ان کے لئے پڑوسی ملک ہندوستان سے دوستی بھائی چارگی کتنی ضروری اور فائدہ مند ہے اور جس دن پاکستان کے حکمران طبقہ نے ہندوستان جیسے پڑوسی ملک سے بھائی چارگی کے تعلقات کی اہمیت کا احساس دل و دماغ میں بٹھالیا اسی دن ہندوستان اور پاکستان میں آپس میں بھائی چارگی کے تعلقات قائم ہونے میں ایک منٹ کی بھی دیر نہیں لگے گی، اور اس طرح دونوں ملک کی ترقی و فلاح بہبود کی کو دنیا عظیم الشان نظر سے دیکھے گی انشاء اللہ!



## قطعات وفات شعرائے اردو قسط نمبر ۲

عبدالرؤف خاں - اودنی کلاں (راج) ۳۲۲۲۰۱

حکیم مومن خاں مومن :- مومن ۱۲۱۵ھ (۱۸۰۰ء) میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام حکیم غلام نبی خاں تھا۔ گھر والوں نے ان کا نام حبیب اللہ تجویز کیا لیکن رئیس المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے محمد مومن خاں نام رکھا اور اسی نام سے شہرت پائی اور تخلص بھی اسی اعتبار سے اختیار کیا۔ مومن نے ہمگیر طبیعت پائی تھی چنانچہ مختلف علوم و فنون میں کامل دستگاہ حاصل تھی۔ ۱۲۶۸ھ (۱۸۵۱ء) میں اپنے کوٹھے سے گرے۔ گرتے ہی ہاتھ اور بازو کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں خود ہی تارتخ کی۔

”دست و بازو بشکست“ ۱۲۶۸ھ

بہت علاج کرایا مگر کارگر نہ ہو سکا۔ زانچہ دیکھ کر ہتایا کہ پانچ ماہ سے زیادہ زندہ نہ رہ سکوں گا۔ چنانچہ مذکورہ مادہ ہی وفات کی تارتخ بھی ہوئی۔ اور آسانی شاعری کا یہ روشن و درخشاں تسارہ ۱۲۶۸ھ/۱۸۵۲ء کو ڈوب گیا۔ کسی شاگرد نے مادہ مذکورہ کو تقیض کیا۔ مومن فتاد از بام گفتم چہ رفت گفتم  
خود با خردش گفتم بشکست دست و بازو  
گفتم کہ بایت گفت تارتخ میں مصیبت  
گفتم خموش گفتم ”بشکست دست و بازو“ ۱۲۶۸ھ

لہ الواح الصادید ۲۰۶/ مولفہ عطاء الرحمن نامی شاہ ولی اللہ اکبر دہلی، نئی دہلی ۱۹۸۹ء

مرزا قادر بخش صابرخو موسیٰ سے تعلق خاطر رکھتے تھے اپنی فکر و ساس سے یہ تاریخ حاصل کی:

بر لبِ کوثر و نسیم برفت      تشدِ جامِ محبتِ موسیٰ

گفت تاریخ و فاشِ صابرخو

"یافت مقبولیِ جنتِ موسیٰ" ۱۲۶۸ھ

احمد دھیلا پرشاد صبر نے "ماتمِ موسیٰ خاں" (۱۲۶۸ھ) اور محمد شارب علی صدق نے

"موسن آباد کرد خلد ہریں" (۱۲۶۸ھ) مادے ہر آمدر کے جو نہایت بہترین ہیں۔

قربان علی بیگ سالک نے عارف و تسکین و موسیٰ کی وفات پر صنعتِ تہجہ میں اتالیقی قطعہ کہا:-

برسِ دن میں مرے یہ تین شاعر      کہ جو نئے حضرتِ دہلی کے ساکن

نہ ہاتھ آئی کوئی تاریخِ رحلت      رہی فکر اس کی سالک کو بہت دن

کہا دل نے کہ داخل ہو گئے سب

"ارم میں عارف و تسکین و موسیٰ" ۱۲۶۸ھ

یعنی "ارم + عارف + تسکین + موسیٰ" (۱۲۶۸ھ) حرفِ ربط "میں" اور واوِ عاطفہ شامل

مادہ نہیں ہیں۔ بعد الغفور نساخ کے قطعہ کا تاریخی بیت ہے:-

نساخ فکر سالِ تاریخ میں نہ رہ تو      کہہ "ہائے ہائے موسیٰ کیا خوب آدمی تھا" ۱۲۶۸ھ

۲۳ گستانِ سخن از مرزا قادر بخش صابرخو ۱۰۴۳۹، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ ۱۹۸۲ء

۲ بروقت حوالہ نوٹ نہ کر سکنے کے لئے معذرت خواہ ہوں۔

۳ تاریخِ لطیف ص ۵۵۔ یعنی زین العابدین خاں عارف اور میر حسین تسکین۔

شیخ محمد ابراہیم ذوق: ذوق ۳-۱۲ھ یا ۲۰-۲۱ھ میں کابل دروازے قدیم دہلی میں  
 ہوئے۔ والد کا نام شیخ محمد رمضان تھا۔ شاعری میں شاہ نصیر کے شاگرد تھے۔ لیکن بعد میں  
 عبدالعزیز محدث دہلوی کی مجلسوں میں بیٹھنے لگے۔ آگے چل کر بہادر شاہ ظفر بادشاہ دہلی کے  
 ہوئے۔ خاقانی ہند خطاب تھا۔ یہ طوطی ہند ۲۳ ماہ صفر ۱۲۷۱ھ / ۱۵ اکتوبر ۱۸۵۴ء میں آئے  
 فرما گئے۔ مرتے دم درج ذیل شعر در زبان تھا:

کہتے ہیں آج ذوق جہاں سے گزر گیا      کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے  
 بہادر شاہ ظفر نے تاریخ کہی:

طوطی ہند حضرت استاد ذوق نے      لی گلشن جہاں سے جو باغ جناب کی راہ

سال وفات جو کوئی پوچھے تو اے ظفر  
 کہہ ذوق جنتی ز سبز بخشش اللہ ۱۲۷۱ھ

ظفر نے مصرع مادہ ہی میں دو عدد کا نہایت ہنرمندی سے بہترین تذکرہ کیا ہے جو اردو  
 بہت کم دیکھنے کو ملتا ہے۔ دوسرا قطعہ فارسی زبان میں کیا، جس میں روز و ماہ کی اطلاع بھی  
 گئی ہے:-

شب چار شنبہ بہ ماہ صفر      حکم خداوندی جاں داد ذوق

ظفر روئے اردو بہ ناخن ز غم

فرائید و فرمود "استاذ ذوق" ۱۲۷۲-۱۲۷۱ھ

مصرع اولیٰ میں ایک عدد کا تخریج ہے جسے سمجھنا دشوار نہیں۔

منشی اسماعیل حسین منیر شکوہ آبادی نے اس خاقانی ہند کی رحلت پر درج ذیل قطعہ لکھا

۱- واقعات دارالحکومت دہلی ۲: ۵۴۳

۲- گلستان سخن ص ۲۲۱ تا ۲۳۱۔

کہہ کر اپنا نذرانہ پیش کیا :-

رجعتِ ذوقِ سخنِ پیرا سے      ہے بلند آہ و فغاں دہلی میں  
واقعی شاعر خوش گو تھا وہ      روئے میں پیرو جواں دہلی میں

نظم کی میں نے یہ تاریخ منیر

”نرا ذوقِ زباں دہلی میں“ ۱۲۷۱ھ

مادہ سالم الاعداد اور ذومعنی ہونے کے سبب بہت پر لطف ہو گیا ہے ۔

ڈپٹی عبدالغفور نساج نے، جنہیں تاریخ گوئی میں ہارت تامل حاصل تھی، یہ تاریخ کہی :-

کی قضا ذوق نے افسوس ہے ہے مرگ کا اوسکے جہاں کو غم بجا ہے

سال کا نساج نے مصرع یہ لکھا

”انتقالِ شاعرِ کامل ہوا ہے“ ۱۲۷۱ھ

مولوی عبدالکریم سوزا سن صہبائی نے ذوق کی رجعت پر تاریخی عنوان ”واقعہ تعب خیز“

(۱۳۷۱ء) کے تحت ۲۳۹ اشعار پر مشتمل ایک طویل مرثیہ لکھا جس میں اکتالیس تاریخیں ہیں ان میں سے صرف چند پیش ہیں :-

صمد نکلا میں اپنے گھر سے با آہ و فغاں      ذوق کے مرنے کا جب مشہور افسانہ ہوا

آج وہ دن ہے کہ ہر جاننا ہائے زار سے      حشر سے پہلے ہما اب اک حفر ہے برپا ہوا

جب گیا اس جا سے وہ پیشِ خدائے لایزال      اوس نے فرمایا ”یہ ہے کانِ ہنرمنا ہوا“ ۱۳۷۱ھ

تاتھ مل کر یہ کہتا تھا فرشتہ موت کا      ”جان تولی اس کی اجل نے اور میں رکوا ہوا“ ۱۳۷۱ھ

۵ ماہنامہ نیادرد لکھنؤ جولائی ۱۹۹۲ء ص ۴-۳۳

۱۷ سخنِ شعرا از نساج ص ۱۶۶، اثر پرورشِ اردو اکاڈمی لکھنؤ ۱۹۸۲ء

اور اجل کہتی تھی حسرت سے یہ شرابی ہوئی "مجھے ایسا آدمی افسوس کیوں کشتا ہوا" ۱۲۷۱ء  
 زور گرتا رنخ میں اوسکے ہونے یوں آشنا "مرگئے سب دوست گویا اوس کام بگیا ہوا" ۱۲۷۱ء  
 کھو کھو ٹھکھکیں کہاں رگس نے ہر سودیکہ کر "جیف گویا نوچشم آنکھوں سے پوشیدہ ہوا" ۱۲۷۱ء  
 ہاتھ میمانہ بولا جب سنایہ ماجبرا "آہ میمانہ پڑا ہے اوسکے بن اجڑا ہوا" ۱۲۷۱ء  
 اوسکے شاگردوں پہ جب یہ ماجرا ظاہر ہوا شعریہ تاریخ میں سب کی زبان سے واہوا

"کون فرمائے گا ہم پر مہربانی اس طرح" ۱۲۷۱ء

"تھا عجیب استاد وہ کیا رونا پیدا ہوا" ۱۲۷۱ء

ذوق کی وفات پر دو قطعات غالب نے کہے جنہیں اُن کے دیوانِ فارسی میں دیکھا جاسکتا ہے  
 وحشت :- مولانا حافظ ارشد الدینی، تخلص وحشت فاروقی مجددی لاہور میں پیدا ہوئے  
 ممکن لکھتے، ہنگلی میں، دارالافتاء کے عہدہ جلیلہ پر فائز تھے۔ عربی، فارسی و اردو تینوں زبانوں  
 میں شعر کہتے تھے۔ ۱۲۷۴ء میں عین عالم شباب میں رحلت کی۔ مولوی عبدالغفور نساخ  
 نے جو کہ مولانا نے مرحوم کے شاگرد تھے تاریخیں موزوں کیں :-

مرگئے جیف حضرت وحشت یا خدا ہوں وہ داخل جنت  
 گوہر درج علم و فضل تھے وہ نیر بروج علم و فضل تھے وہ  
 عالم باعلیٰ تھے اور کامل علم میں بے بدل بڑے فاضل  
 قاضی شرع حافظ قرآن تھے وہ بے شبہ صاحب عرفاں  
 جبکہ استاد کا وصال ہوا مجھ کو تاریخ کا خیال ہوا

یہ ندادی سروش نے ناگاہ

مرگئے آہ ایسے فاضل آہ " ۱۲۷۴ء

نہ گلستانِ سخن ص ۲۲۱ تا ۲۳۱ لہ سخن شعراء ص ۵۴



مذکورہ قطعہ سے مولانا کے سوانح و سیرت پر بھی وافر معلومات ملتی ہیں۔ باقی دو قطعے ”سجن شعرا“ میں ترجمہ وحشت کے تحت ملاحظہ ہوں۔

قبول :- مرزا مہدی علی خاں لکھنوی المتخلص بہ قبول، خطاب مقبول الدولہ مصاحب واجد علی شاہ بادشاہ اودھ (لکھنؤ) واجد علی شاہ کے ساتھ کلکتہ گئے تھے واپس آکر ۱۲۷۶ھ میں لکھنؤ میں فوت ہوئے۔ نساخ نے تاریخ بھی :-

مرزا مہدی علی خاں مر گئے افسوس دوستوں کو کر گئے مغموم و محزون و ملول  
مصرعہ تاریخ نساخ حزیں نے یہ کہا ”وای ہے ہے مر گیا مہدی علی خاں قبول“ ۱۲۷۶ھ  
ہلال :- امیر علی خاں نام، ہلال تخلص، باشندہ لکھنؤ، شاگرد رشک۔ ۱۲۷۸ھ میں وفات پائی۔ مندرجہ ذیل شعران ہی کا ہے :-

مہر دنیا میں ہیں یکساں مجھے موج و ساحل آشناؤں میں محبت ہے نہ بیگانوں میں  
شاہ غلام جید رصیف لکھنوی نے صنعت مراتب و سروپا میں ندرت کے ساتھ تاریخ بھی جو فارسی میں ہے :-

افسوس ہلال ازین جہاں رفت	دل در غم او پراضطراب است
شیریں سخن بشاعران بود	دیوان کہ از دست خوش تما با است
جستیم چو اے صغیر - تاریخ	دل گفت حیات چوں حباب است
بنویس در حرف از سروپا	باقی ز حباب غرق آب است
اعداد حروف چوں نوشتم	یک یک کم شد پس حساب است

۱۲ حوالہ ماقبل ص ۳۸۲

۱۳ تاریخ لطیف ص ۶۰

یعنی افسوس کہ ہلالِ اس جہاں سے چلا گیا، اس کے غم میں دل پڑا اضطراب ہو گیا ہے۔ وہ عموماً میں شیریں سخن تھا اور اس کا دیوان عمدہ دیوان ہے۔ اے صغیر میں نے جب اسی کی رحلت تاریخِ تلاش کی تو دل نے کہا کہ حیاتِ حباب کی مانند ہے (تو اس کے نام امیر علی کے سر دیا اور کھود دو گراف لکھ (یعنی امیر) "از نیر علی" "ع" اور باقی کو حباب کی مثل غرق بنا کر دے۔ اب اُن (سر دیا) حجب کو جب میں نے (الف، مات اور عشرات کے مرتبہ پر لکھا رکھ لیا کے حباب میں سے ایک ایک یعنی دو عدد کم کر دیئے تو مطلوبہ سال حاصل ہو گیا۔

بہل ملاحظہ فرمائیں:-

الف بمعنی ہزار چنانچہ  $\frac{1}{10} + \frac{4}{10} + \frac{3}{10} = \frac{8}{10}$  نیز مصرعہ آخر کی رؤسے دو عدد کے معادل کا واضح قرینہ موجود ہے اس لئے  $1280 + 1280 = 2560$ ۔ مادہ میں اکائی کے درجہ میں بی حرف نہیں ہے۔

غالب کی تاریخِ نمائے وفات ۱۲۸۵ھ پر ہم ایک علاحدہ مضمون سپردِ قلم کر چکے ہیں بہر حال ان زو مادہ وفات ہے: "آہ غالب ممد" ۱۲۸۵ھ

سرور:- فائزہ عجبائب کے مصنف مرزا رجب علی بیگ سرور کی شخصیت سے اردو دنیا ناگوار ہے جو واقف نہیں۔ وہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور رام نگر (بنارس) میں انتقال کیا۔ سن جس طرح ان کا سال ولادت قیاساً ۱۲۰۰ھ بتلایا جاتا ہے، اسی طرح ان کی رحلت کے سنہ ما بھی اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ منشی دیبی پرشاد سحر بدایونی کے قطع کے مادہ: "ہائے مدالم و رفت سرور" سے ۱۲۸۴ھ ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن "آمد" میں الف ممدودہ کے دو عدد رکھیں تو ۱۲۸۵ھ۔ ڈاکٹر نیر مسعود کا کہنا ہے کہ "سرور نے محرم ۱۲۸۶ھ میں ۱۳ اپریل اور ۱۳۹۹ء کے درمیان کسی تاریخ کو انتقال کیا" چنانچہ سید محمد علی جوہا کا قطعہ ذیلے

ش ہے:

رجب علی بیگ سرور ص ۴۰۰۔

حتمی کوفسانہ گولی کا انداز یاد تھا وہ آج سبک کے پاس سے دور آج چل دیا

آخر سن ۱۸۶۵ء سے باقی کی بہر سال ۵

”افسوس غمگدہ سے سرور آج چل دیا ۱۸۶۴ = ۱۸۶۹ء

جوتی کے ایک دوسرے قطعے کے مادہ: ”گزہزم جہاں سرور رفتہ“ سے بھی ۱۲۸۶ھ (۱۸۶۹ء) ہی برآمد کیا ہے۔ لیکن ڈاکٹر حنیف نقوی اور رشید حسن خان صاحب سرور کا سال وفات ذی الحجہ ۱۲۸۵ھ تسلیم کرتے ہیں جیسا کہ احسان علی خاں کے نثری فقرہ (مادہ) ”فوت میرزا سربہ حزن“ سے ۱۲۸۵ھ شاہ غلام محی عظیم آبادی کے قطعہ کے مادے: ”برودہ سرور زول و جام سو“ (۱۲۸۵ء) سے ظاہر ہے بہر کیف یہیں صرف قطعہ لکھنا تھا، یہاں درست سال وفات سے کوئی سروکار نہیں۔ جوتی نے ممکن ہے چند یوم کے تفاوت سے قطعات لکھے ہوں۔

مگر تم: محمد مظفر خان گرم راہپور میں پیدا ہوئے۔ ذوق سے اصلاح سخن لیتے تھے۔ اور عمر میں بے پور چلے آئے تھے۔ وہاں ساٹھ برس کی عمر میں ۱۰ جمادی الآخرہ ۱۲۸۵ھ میں انتقال ہوا اور بے پور ہی میں دفن ہوئے۔ سید محمد علی جویا بھی اُس زمانہ میں بے پور ہی میں تھے یعنی ۱۸۶۲ء میں بے پور آئے تھے مگر گرم کی وفات کے مادے ۱۲۸۶ھ کے برآمد کیے ہیں:-

گیا جنت کو جب وہ شاعر افسوس کہوں کیا غم ہوا عالم کو از حد

کہا باقی نے بہر سال جویا

ہو بے جان مظفر خان احمد ۱۸۷۰ء

۲۶ ایضاً ص

۲۸ خیابان تاریخ ص

۲۷ رجب علی بیگ سرور چند تحقیقی مباحث از ڈاکٹر حنیف نقوی ص ۲۱ بحوالہ تاریخ بنارس ۱۳: ۲۷۱

۲۸ دیکھئے تذکرہ کمالان راہپور مولفہ حافظہ احمد علی خاں

۲۹ کسب تواریخ ص ۳۲

شوق (۱۹۳۳ء) ص ۳۹۳-۳۹۴ بخش اور نیشنل پبلک لائبریری پٹنہ ۱۹۸۶ء نیز انتخاب یادگار از امیر

مہتائی ص ۱۹-۳۱۸، ناشر اتر پردیش اردو اکاڈمی، لکھنؤ ۸۲-۱۹۔

مادہ "مظفر خان احمد" ہے جس کی کل قیمت ۱۹۲۳ ہوتی ہے اس میں سے "بے جان" کہتے ہوئے "جان کے (۵۳) عدد خارج کر کے مطلوبہ سنہ ۱۸۷۰ء حاصل کیا ہے۔ دوسرا قطعہ ہے۔

محرم کو پٹیا فلک نے قدر سے "کہہ زبان سے اپنی جو پیا سال فوت ۱۲۸۶ھ

حافظ شیراز کا ارشاد ہے  
"سختی باید کرامت خالی موت" ۱۲۸۶ھ

مصرعہ اوّل بھی تاریخی ہے جس کے کل عدد ۱۲۸۳ھ ہوتے ہیں۔ ان میں "جو یا" کی جیم کے تین عدد شامل کر کے ۱۲۸۶ھ حاصل کیا۔

شیفۃ :- نو اب مصطفیٰ خاں دہلوی رئیس جہانگیر آباد ۱۸۰۶ء/۱۲۲۱ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے اردو فارسی میں حشری اور اردو میں شیفۃ تخلص تھا ۱۸۶۹ء/۱۲۸۶ھ میں وفات پائی کسی نے ضعیف بے سرو پا میں نہایت عمدہ قطعہ وفات کہا :-

چورفت از جہاں مصطفیٰ خاں امیر  
خداوند تقویٰ خداوند زہد فقیر آشنا سالک راہ شرع

شد از فوت آل بے سرو پا تمام  
وفا و کرم، بذل و تقویٰ، ورع ۱۲۸۶ھ

منی ف + ر + ذ + ق + و + ر = ۱۲۸۶ھ۔ دوسری تاریخ سب سے پہلے ہو کر پندرہ بے نیاز ہے۔

چوں رئیس ابن رئیس نامدار  
حال تاریخ و فاش فی البیہیمہ  
گمرو رحلت زیں جہان بے بقا  
ملہم غیبی بمن کردہ عطا

• خیابان تاریخ محص ۱۸ و ۸۲۔

• واقعات دار الحکومت دہلی ۲: ۳۳۴۔

کنز سرزاری ببايد گفت ايس

”رحمت حق بر محمد مصطفیٰ“ ۱۲۷۹ = ۱۲۸۶ھ

انیس بہ مشہور معروف مرثیہ گو میر میر علی انیس کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، ان کا انتقال ۲۹ شوال ۱۲۹۱ھ / ۹ دسمبر ۱۸۷۴ء روز چہار شنبہ کو شام کے قریب لکھنؤ میں ہوا۔ بہت سے شعرا نے تاریخیں کہیں لیکن یہاں ہم صرف سید حسن لطافت خلف سیدہ فاحسہ امانت کا تاریخی مرثیہ پیش کرتے ہیں، جس میں پیچیدگی ضرور ہے مگر لطف سے خالی نہیں پھر وقت و روز و ماہ و تاریخ اور عیسوی و ہجری سنیں بصرحت موجود ہیں۔

جو میر میر علی تھے انیس ذاکیر شاہ	وحید دہر سب اہل جہاں کے راس و رئیس
فیصلہ کال و خزان وقت و دہر	جہاں میں جل کے ہوئے ساتھ حور عین کے جلس
قریب شام ہوئے وہ مہ کمال تمام	آخر جانہ تھا گدگد تھے آہ دن او نیس
سنا یہ واقعہ جا نکاہ جب کہی تاریخ	کہ جس میں لفظ ہیں آئے مناسب اور سلیس
بیان مصرع آخر کے اب ضائع ہوں	ہر فکر سمجھیں لطافت جسے حساب نویس
شروع مصرع تاریخ جو کہ ہیں دو حرف	ہمینہ ایک ہے اور دوسرے روز نیس
سنیں بھی ہیں عیاں اوس سے عیسوی ہجری	جو بینات و زبر ہوں رقم بطور نفیس
وہ مرثیہ نہ وہ پڑھنا نہ وہ پڑے مجمع	اور اس مجلس ماتم ہے سامعین ہی ہیں

عجیب مصرع تاریخ ہے سلا ”یکتا“

”یہ ہجرت کا ہے نوحہ انیس ہلے انیس“ (باقی صفحہ ۳۲ پر)

۱ ایضاً ص ۳۳-۳۴ ۲ ریاض لطافت ص ۳۶۳ مطبع شوکت جعفری لکھنؤ

۳ نیس بمعنی پنجشنبہ یعنی جمعرات لیکن از روئے تقویم ۲۹

۱۳۰۶ھ -

وال ۱۳۹۱ھ کو بدھ تھا۔ ملاحظہ ہو تقویم ہجری و عیسوی مرتبہ ابوالنضر محمد خالدی ص ۶۵، انجمن ترقی

دہندہ دہلی مارچ ۱۹۷۷ء۔

# ماحول پر قابو کس طرح حاصل کیا جائے؟

ڈاکٹر میرولی الدین، ایم۔ اے۔ پی ایچ ڈی (لندن یونیورسٹی)  
(مستطین)

یہاں کہہ دو کہ ہماری زندگی ایک تربیت گاہ ہے۔ حق تعالیٰ ہمارے معلم اور استاد ہیں، روزِ مرہ کے واقعات اور حادثات وہ آلات ہیں جن کے ذریعہ ہماری سیرت کی تکمیل کی جا رہی ہے۔ دنیا کی مثال ایک "روح ساز وادی" سے دی جاتی ہے۔ یہاں کبھی غم کے مضراب سے اور کبھی خوشی کے تاروں سے سیرت کے خفہ نغے بیدار کئے جاتے ہیں! راحت و غم، بلا و طرب، لذت و الم ہیں اپنا سلوک طے کرنے میں مدد دے رہے ہیں، دونوں ہمارے لئے خیر ہیں، ان میں سے کبھی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جاسکتی ہے

بس زبونِ دسوسہ باشی دلا

مگر طرب را باز دانی از بلا

موت و حیات کی تخلیق، قرآن حکیم کے الفاظ میں، اس لئے ہوئی ہے کہ اس امر کی آزمائش کی جائے کہ ہم میں کون شفع عمل میں زیادہ اچھا ہے:

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا (الک ۷۱)

جب حقیقت یہ ہے تو عارفانہ زندگی کے تغیرات سے گھبراتا ہے نہ ان سے بھاگنے کی کوشش کرتا ہے، یہ تو اس کی تادیب و تزکیہ کے لئے ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔ ان تغیرات و تحولات سے وہ اسی طرح سبق لیتا ہے جس طرح کہ ایک ذہین و معنی طالب علم استاد کی تقریر و تعلیم سے استفادہ کرتا ہے اپنے جہل کو دور کرتا ہے، اپنے نفس کا تزکیہ، قلب کا تصفیہ

اور اپنے دماغ کا خیالات فاسدہ سے تخلیق کرتا ہے! ان واقعات و تغیرات کی حیثیت اس کی نگاہ میں ایک پردہ کی سی ہے اور اس پردہ کے پیچھے وہ حق تعالیٰ ہی کو مصروف عمل دیکھتا ہے اور شیخ جیل کے الفاظ میں حق تعالیٰ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے:

سَمَّيْتُكَ أَشْهَدُكَ مَخْلُوقَ فَاعِلِيَّتِكَ فَيُحْيِي لِي بِرُوحِهِ كَارِئِيَّتِي فِي شَيْءٍ مِنْ أَعْيُنِي  
فِي مَقْعُودٍ حَتَّى لَا أَسْأَلَ فَاغْلَاغِيْرَكَ كَمَا مَشَاهِدُهُ نَصِيبَ كَرَامَةٍ تَرَى سَوَاسِي كَوْفَاعِلِ  
لَا كَوْنُ مُطِيبًا نَعْتِ جَرِيَاتِ أَفْعَالِهِ نَهْ دِيْكُوهِي تَاكَمِ تِيرَةِ اَقْدَارِكِ جَارِي هُونِي سِي  
مُطْمَنٌ هُوَ بَاوُنٌ اَوْرَتِيرِي بِرُحْمِ كَا مِطِيعِ وَفَرَا  
مُتَقَرًّا بِكُلِّ مَكْرَمٍ -

برداں سی جاؤں۔

اسی علم و عرفان کے ایک متوالے کی زبان سے یہ سرے لے نکلے ہیں:

یارِ یستِ مرادِ رائے پردہ	حسنِ رخِ اوسزائے پردہ
عالمِ ہمہ پردہ مصور	اشیاءِ ہمہ نقشبائے پردہ
ایں پردہ مرا ز تو جدا کرد	اینست خود اقتصائے پردہ
نے نے میانِ ما جدائی	ہرگز ننگِ غطائے پردہ (لاعلم)

جاہل تغیرات کو پسند نہیں کرتا، اس سے کیسہ خاطر ہوتا ہے! ان کا مقابلہ کرتا ہے، مزاحم ہوتا ہے! لیکن زندگی دائمی تغیر کا نام ہے، سکون محال ہے قدرت کے کارخانے میں اس لئے جاہل کا مقابلہ خود زندگی کے قانون اور اس کی قوتوں سے ہے! یہ قانون اور اس کی قوتیں مقصد و غایت کے لحاظ سے منفقانہ اور مہربان اور عمل کے لحاظ سے غیر جانبدارہ اور نا قابل شکست ہوتی ہیں!

ہیں زندگی کے واقعات و تغیرات کا مقابلہ نہیں کرنا چاہیئے بلکہ ان کے ساتھ برضا و رغبت سزاگاہ عمل کرنا چاہیئے، یعنی ہیں اس سبق پر نگاہ رکھنی چاہیئے جو ہیں ان واقعات و تجربات کے ذریعہ دیا جا رہا ہے کیونکہ جب ہم اس سبق کو یاد کر لیتے ہیں اور اس کے مطابق اپنی سیرت و عمل

میں تضرع پیدا کر لیتے ہیں تو پھر یہ تکلیف دہ، ناخوشگوار اور الناک واقعات و تجربات رونے ہو جاتے ہیں اور طمانیت و بردِ قلبی ہمیں نصیب ہوتا ہے۔ حقیقی معنی میں کامیاب زندگی کا راز حق تعالیٰ کے ارادے اور مقصد کے ساتھ توافق و اتحاد ہے! اور اس مقصد والہ وہ کاکہار ان ہی واقعات و تجربات و تغییرات میں ہو رہا ہے جس کے ساتھ توافق ضروری ہے جس کا شرع کی زبان میں توافق بالقضاء نام ہے جس کو رضا بالعطا و حفظ حال سے بھی تعبیر کیا گیا ہے! اسی لئے واقفانِ راز نے کہا ہے کہ

بدیں سپاس کہ مجلسِ منورست بنار گرت ہوش جمعائے رسد بسوز و ساز  
ہیں دنیا میں اس لئے رہیجوا گیا ہے کہ تجربات کے ذریعہ سیرت کی تکمیل کریں، اپنی پوشیدہ و نہفتہ روحانی قوتوں کو ظاہر و نمایاں کریں جو الہی قوتیں ہم میں بالقویٰ ہیں انھیں بالفعل کو سامان اور ہم اسی صورت میں ارادۃ اللہ کے ساتھ توافق قائم کر سکتے ہیں جب ہم اپنی زندگی کے واقعات و تجربات کے ساتھ برضا و رغبت اشتراک عمل کریں، اور جو سبق وہ ہمیں سکھانے کے لئے روزِنا ہو رہے ہیں انھیں سیکھیں نہ کہ ان سے تباہی برتنے کی کوشش کریں۔

ریاضِ بندگی رعناترازشاخِ گلست  
گودنے کز بارِ تسلیم و رضا خم می شود! (ملاشاہ احد)

تمام تجربات کا مقصد ہمیں اس راہ پر لے جلتا ہے جو خدا کی طرف لے جاتا ہے! ہم اپنے جہل کی وجہ سے اس راہ سے بھٹک جاتے ہیں، دور جا پڑتے ہیں! جذبات و شہوات ہمیں صراطِ مستقیم سے ہٹا لے جلتے ہیں! صراطِ مستقیم کی طرف ہمارے قدم اسی وقت اٹھ سکتے ہیں جب ہماری سیرت کی تکمیل ہو اور ہمارا روحانی ارتقاء عمل میں آئے! ابدِ زندگی میں رونا ہونے والے سارے تجربات و واقعات ہماری سیرت کی تکمیل کرتے ہیں اور ہمارے روحانی ارتقاء میں مدد دیتے ہیں تاکہ ہم اس صراطِ مستقیم پر جو حق تعالیٰ کی طرف ہیں، ایما تاہم چلیں، لہذا تجربات و حالات خوشگوار ہوں یا ناخوشگوار، مسرت بخش ہوں یا غم ناک، اہم طور پر ہمارے ضمیر برتر کے حصول کے لئے ضروری و لازمی



ہیں، ان میں ہمارے لئے ہلاکت کا ایک سبق پوشیدہ ہوتا ہے جس کو معلوم کرنے اور جس پر عمل پیرا ہونے کی ہمیں کوشش کرنی چاہیے اور جو لہی، ہم نے اس ہلاکت پر عمل کرنا شروع کر دیا ہے اس شقاوت و گمراہی سے نجات مل جاتی، اور ان سے پیدا ہونے والے نتائج، ضیق، خوف و حزن سے بھی!

فَمَنْ شِئْتَ هَذَا اَيُّ فَلَا يَصِلُ وَلَا يَشْفَىٰ تَوْجُوْهُنَّ مِثْرَىٰ اتَّبَاعُ كَرَمٍ كَا تَوَدُّهُ نَكْمَرَاهُ هُوَ كَا  
وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهُ مَعِيشَةً اَوْ رَنَّهُ شَقِيْ اَوْ رَجُوْهُنَّ مِثْرَىٰ مِثْرَىٰ مِثْرَىٰ مِثْرَىٰ  
فَمَنْكَ وَنَحْمُسْرُكَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ اَعْمَىٰ۔ کرمیگا تو اس کے لئے تنگی کا جینا ہوگا اور قیامت  
دلہ ۱۷۱)

ہر تجربہ، ہر واقعہ زندگی کا خیر لامتناہی کی طرف لے جاتا ہے، تصادم کی بجائے اس سے  
توافق ہی سب سے بڑی ممکنہ ہے، رضا یا القضا اسی کو کہا جاتا ہے، ہماری زندگی میں کوئی  
حادثہ نہیں نازل ہوتا مگر وہی جو حق تعالیٰ نے ہمارے لئے مقدر فرمایا ہے، وہ ہمارے مولیٰ میں  
آقا ہیں، میں اپنے سب کام ان ہی کے سپرد کر دینے چاہیوں۔

قُلْ كُنْ يٰعِيسَىٰ اِلٰهًا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَآ هُوَ مَوْلَا نَادِ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔

شاد و خندان پیش تیغش سر بنہ

(رومی)

ہیچو اسمعیل پیشش سر بنہ

تمام تجربات و حادثات دوا و معالجات کی غرض سے ظہور پذیر ہوتے ہیں اور جب ان کا مقصد  
پورا ہو جاتا ہے تو وہ غائب ہو جاتے ہیں، بھران دردناک حادثات کی تکرار عمر نہیں ہوتی  
بھراحت و طمانیت ہی میں زندگی گزرتی ہے:

بسر و گرم جہاں غفلت چور امنی شد

(سلیم)

تمام عمر تراپ سرد و نان گرم است

جب تک ہم حادثات زمانہ سے سبق نہیں لیتے، بکھروی و گمراہی میں مبتلا رہتے ہیں، اتباع

شہوات میں گرفتار رہتے ہیں اور ان مصائب و آفات کو خود پیدا کرتے رہتے ہیں جن سے ہم نجات پانا چاہتے ہیں! جب ہم نے سبق ہدایت حاصل کیا، ہماری سیرت بدلتی ہے، ہم میں اتھوڑی کے صفات پیدا ہوتے ہیں، ہمارا نقطہ نگاہ بدلتا ہے؟ قانون الہی کے مطابق ہم غمگین کرنے لگتے ہیں، حق تعالیٰ سے ربط قائم کرنے لگتے ہیں، ان کی ہدایت پر عمل پیرا ہونے لگتے ہیں۔ آفات و مصائب کا ورود جس غرض کی تکمیل کے لئے ہو رہا تھا اب وہ غرض چونکہ پوری ہو چکی ہوتی ہے، وہ بھی بتدریج غائب ہونے لگتے ہیں!

وردِ ناک تجربات و حادثات ہی سے ہمیں سبق ہدایت حاصل کرنا کافی نہیں بلکہ ان تجربات و حالات سے بھی جو خوشگوار اور راحت بخش ہوتے ہیں، ہمیں سبق سیکھنا ضروری ہے۔ آسائش و نعمت کی حالت میں بھی ہمیں شکر کے ذریعہ حق تعالیٰ کی یاد میں رہنا چاہیئے چنانچہ تاکید کے ساتھ حکم دیا گیا ہے کہ فلیکشر الدائم عند الرخاء۔ چین و آسائش کے وقت زیادہ دعا کرتے رہو۔

چین کی حالت میں دعا کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر نعمت کو حق تعالیٰ ہی کی طرف سے سمجھا جائے وَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَبِئْسَ اللَّهُ۔ کیونکہ درحقیقت نعم و قاسم نعمت حق تعالیٰ ہی ہیں، لہذا ان ہی کی مرضی کے مطابق نعمتوں کا استعمال ضروری ہے۔ جب ہم نعمتیں عطا کی جاتی ہیں، جب ہم عافیت کی حالت میں ہوتے ہیں، جبہ میں صحت و تندرستی ملتی ہے۔ امراض و آلام سے محفوظ ہوتے ہیں، فراخی و آسائش سے متمتع ہوتے ہیں تو یہ سب ہماری آزمائش و ابتلا کے لئے ہوتا ہے، دیکھا جاتا ہے کہ اس عافیت کے نتیجہ کے طور پر ہم میں کبر و عجب تو نہیں پیدا ہو گیا، ہم شہوتوں و لذتوں کے درپے تو نہیں ہو گئے، موجودہ نعمتوں کو حقیر و خوار تو نہیں سمجھنے لگے اور ان نعمتوں میں عیب و نقصان تو نہیں نکالنے لگے؟ دیکھا جاتا ہے کہ کیا نعمتوں و راحتوں کی وجہ سے ہم حق تعالیٰ کی اطاعت سے روگرداں ہو کر گمنا ہوں، اور معصیتوں میں مہمک تو نہیں ہو گئے؟ اسی لئے سمجھا جاتا ہے کہ نعمت کی

ازمایش مصیبت کی آزمائش سے زیادہ سخت ہوتی ہے، خوشی کا فتنہ تکلیف کے فتنے سے بہت بڑا ہوتا ہے۔ صاف بات ہے کہ گناہوں پر قدرت ہونے کے باوجود ان سے رک جائیادھر کرنا بہت دشوار ہوتا ہے! عیش و آرام سے انسان کا جسم فریبہ ہونے لگتا ہے عیش و آرام بغیر اس کو صبر نہیں آتا اور دوام عیش اسی وقت ممکن ہے جب اس کے حصول میں وہ لوگوں سے معد چاہے اور ظالموں سے التما کرے اور یہ امور نفاق، کذب، ریا، بغض، دشمنی کا سبب بوجاتے ہیں اور ان سے تمام روحانی مہلکات پیدا ہوتے ہیں! قلب کے سارے امراض جنم لیتے ہیں اسی لیے صادق معذوق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے" اے

جب انسان نعمت و عافیت کی حالت میں ہوتا ہے تو وہ عموماً حق تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے! ازریاد دولت کی تدبیریں، اپنے بچاؤ کا خیال، مال کی حفاظت کا بندوبست اس کے خربچ کرنے کا انتظام، یہ تمام امور اس کے قلب پر ہجوم کرتے ہیں، اور یہ سب اس کے دل کو سیاہ کرتے اور حق تعالیٰ کی یاد سے غافل کرتے ہیں جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا۔

اَلْهٰکُمْ اَنْتَکُمْ حَتّٰی تَنْتَهِمُ الْمُعَاوِرَ غفلت میں رکھا تم کو بہتات کی حرص نے یہاں تک کہ تم قبرستانوں میں پہنچ جاتے ہو۔

اسی لیے عیش سے بچنے کی ہدایت فرمائی گئی۔ حضور انور صلعم نے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ "تم تنعم سے بچو، کیونکہ اللہ کے بندے عیش کرنے والے نہیں ہوتے (اِنَّ عِبَادَ اللّٰهِ لَیْسُوْا بِالْمُتَنَعِمِیْنَ)

سچ ہے کہ نعمت کا فتنہ مصیبت کے فتنے سے بہت زیادہ سخت ہوتا ہے اور نعمت و مصیبت

لے حب الدنيا من کل خطیئة (رواہ البیہقی فی الشعب و ابن ابی الدنیا)

ہر روز ہمارے لئے ابتلا ریا آزمائش ہیں! اسی حقیقت کو قرآن حکیم میں حق تعالیٰ اس طرح اظہر فرما رہے ہیں:

وَقَطَعْنَاهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَامًا مِّنْهُمْ  
الْمَالِ لَعُونٌ وَمِنْهُمْ ذُوْنَ ذَلِكِ وَبَلَّوْنَهُمْ  
بِالْفُسْطَاتِ وَالشَّيَاطِئِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ  
رہا ہے (۱)

ہم نے دنیا میں ان کی مختلف جماعتیں کر دیں  
ان میں سے بعض نیک تھے اور بعض اور طرح  
کے اور ہم ان کو خوش حالیوں اور بد حالیوں کے  
آزمائے رہے کہ شاید باز آجائیں۔

اسی طرح فرمایا:

وَبَلَّوْكُمْ بِالْشَّيْطَانِ الْخَيْسِرِ فَتَنَةً بَّيِّنَةً  
اور ہم تم کو بری بھلی حالتوں سے اچھی طرح آزمائے  
ہیں۔

نعمت و عافیت کی حالت میں مومن مشکور ہوتا ہے یہی اس حالت کا ادب ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ أَخْرَجَهُمْ مِنَ الْأَرْضِ الظَّالِمِينَ  
مومن عین کی حالت میں حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے

دل و زبان و اعضاء کے شکر ہی سے نعمتیں سلب و نقصان سے محفوظ ہوتی ہیں اور ان میں اضافہ  
ہوتا ہے۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ  
اگر تم شکر کرو تو یقیناً ہم نعمتوں میں اضافہ کرتے ہیں۔

خوب سمجھ لو کہ اجاہت دعا، رزق و فضا، توبہ و مغفرت کا انحصار اپنی مرضی پر رکھا ہے کہ چاہا تو دیا  
چاہا تو نہ دیا لیکن شکر کے معاوضہ میں زیادتی نعمت بلا تعلق ہے! اسی لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے  
فرمایا:

مَنْ ذَكَرَ اللَّهَ نَفَحَ اللَّهُ نَفْثَةً فَيَكْشُرُهَا  
جس کو نعمت ملے وہ اس کا شکر ادا کرے!

نیز، فَلْيَكْثِرِ الدُّعَاءُ عِنْدَ الرَّخَاءِ  
چسین و آسائش کی حالت میں زیادہ دعا کرتے رہو

زندگی کے تجربے، عادت، تہذیب و تمدن، ہمارے سیرت کی تعمیر و تکمیل ہماری صلاحیتوں  
کو بیلہ کرنے، بالقول ہی کو بالفعل کرنے ہی کی غرض سے دوتا ہوا ہے! ان کی دو قسمیں ہیں سلام

ہذا ملایم اور انسان کے نفس کی بھی دو حالتیں ہیں، تیسری حالت نہیں ایک عافیت دوسری بلا۔  
 ناملاک یا دردناک حادثات کا وجود اس لئے ہوتا ہے کہ ہم بکج روی سے باز آجائیں، شہوتوں کے  
 اتباع سے رک جائیں، سیرت کی اصلاح کر لیں! سوہانِ قضا ہمارے پیکر خاکی کو تختہ و ہموار بناتا ہے  
 اس کی کمی و غمی کو ہم ظالم کے انگارے سے دور کرتا ہے! یقیناً اقبال!

جہاں ماکہ جز انگارہ نیست      اسیر انقلاب صبح و شام است

ز سوہانِ قضا ہموار گردد

ہنوز این پیکر گلِ ناما است

نفس کی اس حالت کو بلا و مصیبت کی حالت سے تعبیر کیا جاتا ہے!

ظلم یا نیت و عافیت کے حالات سے بھی ہماری آزمائش ہوتی ہے اگر ہم ان حالات میں  
 یاد حق سے غافل نہ ہو جائیں، اپنا رخ حق تعالیٰ ہی کی جانب رکھیں، ان کی نعمتوں کو انکی مرضی کے  
 مطابق استعمال کریں تو ہم اپنے باطن میں یہ نذر سنتے ہیں۔

اَرَكُنْ بِرَبِّكَ هَذَا مَغْشَىٰ بَابُكَ      اپنا پاؤں مارو یہ نہالے کا ٹھنڈا پانی ہے اور  
 شَرَابٌ      (دب ۱۳۷)      پینے کا۔

یعنی ہم حق تعالیٰ کی رحمت و رافت، لطف و منت کی دریا سے سیراب ہوتے ہیں، ہم پر ان کی  
 نعمت و ناز و محبت کے دروازے کھل جاتے ہیں، ظاہر و باطن کی نعمتیں ہم پر تمام کر دی جاتی ہیں اور  
 حق تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے ہماری پرورش و پروراخت کرتے ہیں اور یہ حالت موت کے  
 وقت تک باقی رہتی ہے اور موت کے بعد وہ اپنے فضل و کرم سے ایسی نعمت عطا کرتے ہیں جس کو کسی  
 آنکھ نے دیکھا اور نہ کان نے سنا اور نہ کسی کے دل پر اس کا خطرہ گذرا!

فَلَا تَلْمِزْ لِنَفْسٍ مَا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءُ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (المائدہ ۷)  
 ناملاک یا دردناک واقعات و حادثات پر غالب آنے کا طریقہ تعطل، غم، کسل، چین، بزدلی، اہم

وسینہ کو بی نہیں نہ ہی مزاحمت و مقابلہ سرکشی و سب و شتم ہے بلکہ جیسا کہ ادھر وضاحت کی گئی من عادی کے سبق ہدایت سے مستفید ہونا، صبر و استقامت، حکمت و عقل مندی سے اپنی سیرت و اخلاق میں تیسری پیکر کرنا ہے۔ ہم میں سے اکثر کے لئے اس امر کا اعتراف سخت مشکل ہے کہ ہماری زندگی میں جو کچھ بھی درد و غم، اندوہ و الم کی صورت میں وقوع پذیر ہو رہا ہے اس کی اصل علت خود ہمارے انفس میں پوشیدہ سرگرم عمل ہوتی ہے! شیخ محمد الدین اکبرؒ کی یہ تہدید کہ "یہاں کسبتا و فکت نفع" یہ تیرے دونوں ہاتھوں کی کھائی ہے اور تیرے منہ کی سانگ ہے "ہمارے سمجھ میں نہیں آتی اور ہم الزام زندگی پر رکھتے ہیں، حق تعالیٰ پر تہمت لگاتے ہیں یا اپنے ہم جنسوں کو شتم ٹھہراتے ہیں، اور اس سبق کو سیکھنے سے انکار کرتے ہیں جو عادات و الم ناک واقعات کے ذریعہ حق تعالیٰ کی لامتناہی حکمت ہمیں سکھانا چاہتی ہے ہم ٹوٹے ہوئے دل لے کر بیخچہ اٹھتے ہیں کہ "لوگو! دیکھو! میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جا رہا ہے! ایک مصیبت ختم نہیں ہونے پاتی کہ دوسری اس سے زیادہ آفت مجھ پر نازل ہوتی ہے! بتلاؤ! میل کیا قصور ہے! یہ سہمی رہی تقدیر کا نوشتہ ہے! ہائے تقدیر!"

گر روم سوئے بحر بر گردد	طلعے دارم آنکہ از پے آب
آتش از رخ فسرده تر گردد	و بدوزخ روم پے آتش
سنگ نایاب چون گہر گردد	و ز کوۃ التماس سنگ کنم
ہر دو گوشم محکم کمر گردد	و گر سلائے برم نزد کس
خاک حال بہ نرغ زر گردد	و رہم روم یحستن خاک
ہر کرا روز گارہ بر گردد	ایں چنین حالہا بہ پیش آید

(مولانا لطف اللہ نیشاپوری)

لیکن سچ بات تو یہ ہے کہ ہمارے روحانی ارتقا کے لئے جن حالات کی ضرورت ہے ہم خود انہیں اپنی طرف جذب کرتے ہیں، ان تمام بلاؤں اور آفتوں کا باعث خود ہم ہیں خصوصاً انور

صلی اللہ علیہ وسلم کے جامع و مانع الفاظ میں ہماری "ہوی متبع و شیخ مطاع" (خواہشاتِ نفسانی) کا اتباع کیا گیا اور وہ مرض جس کی پیروی کی گئی ہے! جب ہماری آنکھوں سے قنط کا پردہ اٹھ جاتا ہے اور ہماری سمجھ میں آ جاتا ہے کہ "از ماست کہ بر ما است" "از ما خیزد بر ما ریزد" اور زندگی میں کمال انصاف ہے تو پھر ہم چیخ اٹھتے ہیں:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَكِنَّ النَّاسُ أَنْفُسُهُمْ يَظْلِمُونَ (یوسف)

بے شک حق تعالیٰ لوگوں پر ظلم نہیں کرتے لیکن لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

اب ہم اپنا رخ حق تعالیٰ کی طرف کر لیتے ہیں، "انصار اللہ" بن جلتے ہیں حق تعالیٰ کی مخالفت ترک کر دیتے ہیں، ان کے قائم کردہ حدود سے تجاوز نہیں کرتے، ان کے قوانین کی پابندی کرنے لگتے ہیں! اسی میں ہماری عظیم الشان کامیابی ہے!

ماحول پر غالب آنے کا بس یہی طریقہ ہے کہ ہم اپنے قلب کا جائزہ لیں اور خارجی مشکلات و آفات کے اسباب و علل کی تلاش "النفس" میں کریں!

اگر ہم دیکھیں کہ حق تعالیٰ کی محبت سے ہمارا قلب عاری یا خالی ہے، دنیوی لذتوں و شہوتوں سے مملو ہے، اس کے گرد و فراغ گردیدہ ہے، اس کے رنگ و بو ہر فدا اس کے "خدا گریہ آمیز" پر قربان، تو ہمیں اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہنا چاہیے کہ:

لَا تُزِنْكُمْ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا سَوْتُمْ كُودِنَاوِي زَنْدُكِي دُھوكِ مِي نِ دُلْے  
اور تمکو دھوكِ باز شيطان اللہ سے دھوكِ

میں نہ ڈالے۔

اور "النفس" کے تغیر کی طرف فوراً متوجہ ہونا چاہیے اور اس وقت کے انتظار میں نہ رہنا چاہیے جب آفات کا نزول ہونے لگے اور ہمیں مجبوراً ایسا کرنا پڑے۔  
کہ سام ہی ہوتا ہے کہ ہماری سیدہ کاری کی وجہ سے ہمارے قلب کی محبوب ترین چیز

ہم سے چین لی جاتی ہے۔ اور اس وقت ہم شدتِ حزن و غم سے ہر چیز سے لڑتے  
کرتی قتالی کے قدموں پر گر جاتے ہیں اور ہمارے قلب سے یہ چیخ نکلتی ہے۔

اللهم انك تسبح كلامي وترى مكاني اے اللہ تو میری بات کو سنتا ہے اور میری  
وقلم میری و علانیۃ لا یخفی علیک جگہ کو دیکھتا ہے اور میرا پوشیدہ اور ظہر کو  
شیء من امری وانا البائس الفقیر جانتا ہے! تجھ سے میری کوئی بات چھپی  
المستغیث المستجير الرحمن المشفق نہیں رہ سکتی! میں محبت زدہ ہوں،  
المضر المعترف بذنوبی! امسلك متابع ہوں، فریادی ہوں، پناہ جو پہنچاتا  
مسألة المسكين وایصل الیک ہوں، ہل ساں ہوں، اپنے گناہوں کا اقرار  
ایقال المذنب الذلیل وادعویٰ کرنے والا ہوں، اعتراف کرنے والا ہوں۔ تیرے  
دعاء الخائف الضایر و دعاء اگے سوال کرتا ہوں جیسے یکس سوال کرتے ہیں  
من خضعت لك سابقته و فاضت تیرے اگے گر گڑا ہوں جیسے گنہ گار ذلیل  
لك عبرته وذل لك جبهه و و خوار گر گڑا ہوں اور تجھ سے طلب کرتا ہے  
رافع لك نفسه اللهم لا تجعلی جیسے خوف زدہ آفت رسیدہ طلب کرتا ہے  
بدعاؤك شقیاً وكن لی سؤ فارقیاً اور جیسے وہ شخص طلب کرتا ہے جسکی گردن  
یا خیر المسؤلین و یا خیر المعطین۔ تیرے سامنے جھکی ہوئی ہو اور اسکے آنسو  
(کنز العمال عن ابن عباس وعبد اللہ بن جعفر) بہہ رہے ہوں اور تنہا ہوں سے وہ تیرے  
اگے فروتنی کئے ہوئے ہو اور اپنی ناکہ تیرے سامنے  
رگڑ رہا ہو! اے اللہ تو مجھے اپنے سے دعا مانگنے  
میں ناکاہ اور میری حق میں بڑا مہربان نہایت  
رحیم ہو جا! اے سب مانگنے والوں سے بہتر ہے  
سب دیکھنے والوں سے بہتر!!



بلکے نزول کے بعد ہم وہی کرتے ہیں جو نزول سے پہلے بھی رضا و رغبت کے ساتھ کر سکتے تھے غم و الم کے انکار سے جھلنے کے بعد اگر ہماری عبدیت کی یہی کیفیت ہوتی تو ہم ہر یہ عذاب ہی نازل نہ ہوتا۔

مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا (دہشہ ۸)۔ اللہ تعالیٰ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا۔ اگر تم شکر کرو اور ایمان لے آؤ۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی قدر کرنے والا اور خوب جاننے والا ہے۔

عذاب یا دردناک تجربوں اور مصیبتوں سے بچنے کا طریقہ ”ایمان و شکر“ ہے عقیدہ و عمل ہے، ایمان باللہ و عمل صالح ہے! یعنی ”انفس“ کا تغیر ہے نقطہ نظر کا بدلتا ہے سیرت کی اصلاح ہے، تقویٰ کا پیدا کرنا ہے۔ حق تعالیٰ کا دامن پکڑنا ہے، ان کے ہاتھوں پر عمل کرنا ہے۔ ان کے بتلائے ہوئے طریقوں پر چلنا ہے! ہم خود اپنے ہاتھوں اپنی عافیت کے خرمین میں اگ لگاتے ہیں، ہم خود اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں ہم خود اپنی جانوں کے دشمن ہیں، ہمارے سوا ہمارا کوئی دشمن نہیں! شیخ البرسید الوائیزؒ نے اس حقیقت کو خوب لکھا ہے:

آتش بدو دست خویش در خرمین خویش چوں خود زده ام چه نام از دشمن خویش  
کس دشمن من نیست منم دشمن خویش اے وائے من دست من و دامن خویش  
اسی لئے حق تعالیٰ نے جو ہمارے مرلے ہیں اور سب سے زیادہ خیر خواہ ہیں، ہم بھول کو اکلنے اور پھیلنے کو لکھنے کی وصیت فرمائی ہے اور وہ یہی ہے کہ ہم تقویٰ کی زندگی بسر کریں۔

ولقد وصينا الذين اوتوا الكتاب من قبلكم واياءكم ان اتقوا الله (دہشہ ۱۶)  
واقعہ یہ ہے ان لوگوں کو بھی حکم دیا جن کو تم سے پہلے کتاب ملی تھی اور تم کو بھی کہ حکم خداوندی کی اطاعت کرو اور اسکی مخالفت سے بچو یعنی تقویٰ کی زندگی اختیار کرو۔ (ختم شد)

ہم سے چین لی جاتی ہے۔ اور اس وقت ہم شہرتِ حزن و غم سے ہرگز نہیں لڑتے  
 کر حق تعالیٰ کے قدموں پر گر جاتے ہیں اور ہمارے قلب سے یہ صیغ نکلتی ہے۔

اللهم انتك تسبح كلامي وترى مكاني اے اللہ تو میری بات کو سنتا ہے اور میری  
 وقلم ستری وعلا نیتی لا يخفى عليك جگہ کو دیکھتا ہے اور میرا پوشیدہ اور ظاہر کو  
 شئی من امري وانا البائس الفقير جانتا ہے! تجھ سے میری کوئی بات چھپی  
 المستغيث المستجير المرحل المشفق نہیں رہ سکتی! میں بیست زدہ ہوں،  
 المنر المعترف بذنبي! امسلك قلم ہوں، غریب دی ہوں، پناہ جو پڑھتا ہوں  
 مسألة المسكين وابقض اليك ہوں، ہر سال ہوں، اپنے گناہوں کا اقرار  
 ايقض المذنب الذليل وادعوك کرنے والا ہوں، اعتراف کرتا ہوں۔ تیرے  
 دعاء الخائف الضار ودعاء اگے سوال کرتا ہوں جیسے یکس سوال کرتے ہیں  
 من خضعت لك رقبته وفانته تیرے اگے گر کر پڑتا ہوں جیسے گناہوں  
 لك عبرته وذل لك جبهه و دُخوار گر کر آتا ہے اور تجھ سے طلب کرتا ہے  
 رافم لك نفسه اللهم لا تصلني جیسے خوف زدہ آفت رسیدہ طلب کرتا ہے  
 بدعا بك شقياً وكن لي سؤ فارقاً اور جیسے وہ شخص طلب کرتا ہے جسکی گردن  
 يا خیر المسلولين ويا فير المعطين تیرے سامنے بھگی ہوئی ہو اور اسکے آنسو  
 (کنز العمال عن ابن عباس وعبد اللہ بن جعفر) بہہ رہے ہوں اور تنہا ہوں وہ ترے  
 اگے فروتنی کئے ہوئے ہو اور اپنی ناکہ تیرے سامنے  
 رگڑ رہا ہو! اے اللہ تو مجھے اپنے سے دعا مانگنے  
 میں ناکا نہ رکھ اور میری حق میں بڑا مہربان نہایت  
 رحیم ہو جا! اے سب مانگنے والوں سے بہتر! اے  
 سب دیکھنے والوں سے بہتر!

بلکے نزول کے بعد ہم وہی کرتے ہیں جو نزول سے پہلے بھی رضا و رغبت کے ساتھ کر سکتے تھے غم و الم کے انکار سے جھلنے کے بعد اگر ہماری بعیدیت کی یہی کیفیت ہوتی تو ہم ہر یہ عذاب ہی نازل نہ ہوتا۔

مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا۔ (دہش ۸)۔ اللہ تعالیٰ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا۔ اگر تم شکر کرو اور ایمان لے آؤ۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی قدر کرنے والا اور خوب جاننے والا ہے۔

عذاب یا دردناک تجربات اور مصیبتوں سے بچنے کا طریقہ ”ایمان و شکر“ ہے عقیدہ و عمل ہے، ایمان باللہ و عمل صالح ہے! یعنی ”الفس“ کا تغیر ہے نقطہ نظر کا بدلتا ہے سیرت کی اصلاح ہے، تقویٰ کا پیدا کرنا ہے۔ حق تعالیٰ کا دامن پکڑنا ہے، ان کے ہاتھوں پر عمل کرنا ہے۔ ان کے بتلائے ہوئے طریقوں پر چلنا ہے! ہم خود اپنے ہاتھوں اپنی عافیت کے خرمین میں اگ لگاتے ہیں، ہم خود اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں ہم خود اپنی جانوں کے دشمن ہیں، ہمارے سوا ہمارا کوئی دشمن نہیں! شیخ ابوسعید الدویریؒ نے اس حقیقت کو خوب لکھا ہے:

آتش بد و دست خویش در خرمین خویش چوں خود زده ام چه نام از دشمن خویش  
کس دشمن من نیست منم دشمن خویش اے وائے من دست من و دامن خویش  
اسی لئے حق تعالیٰ نے جو ہمارے مرلے ہیں اور سب سے زیادہ خیر خواہ ہیں، ہم سمجھوں گے اگلوں اور پچھلوں کو! لکھ ہی وصیت فرمائی ہے اور وہ یہی ہے کہ ہم تقویٰ کی زندگی بسر کریں۔

ولمّا وصینا الذین اوتوا الکتاب من قبلکم وایاکم ان اتقوا اللہ (دہش ۱۶)  
واقعہ ہم نے ان لوگوں کو بھی حکم دیا جن کو تم سے پہلے کتاب ملی تھی اور تم کو بھی کہ حکم خداوندی کی اطاعت کرو اور اسکی مخالفت سے بچو یعنی تقویٰ کی زندگی اختیار کرو۔ (ختم شد)

## شطرنج کی اصل

ڈاکٹر مقصود احمد، شعبہ عربی، بٹروڈہ یونیورسٹی، بٹروڈہ ۲۹۰۰۰۲۱۵

شطرنج کو شاہانہ کھیل ہونے کا اعزاز حاصل رہا ہے۔ یہ آج بھی اتنا ہی مقبول ہے جتنا کہ پہلے تھا بلکہ اس کی مقبولیت میں پہلے کی بہ نسبت اضافہ ہی ہوا ہے۔ اس کی اصل کے متعلق مختلف آراء ہیں۔ اہل ایران اس کو اپنی ملکیت قرار دیتے ہیں اور اس کی اصلے "ہشت رنگ" بتاتے ہیں۔ ایرانیوں کے علاوہ یونانیوں، رومیوں، مصریوں اور دیگر قدیم قوموں نے بھی اس پر اپنی ملکیت کا دعویٰ کیا ہے۔ مگر یہ سارے دعوے غلط اور بے بنیاد محض ہیں۔ شطرنج ایک خالص ہندوستانی کھیل ہے۔ جو ابتداً قدیم ہندستان کے راجوں مہاراجوں کے درمیان کھیلا جاتا تھا۔ اس کے دو عناصر — ہاتھی اور رخ (جس کی اصل رتھ ہے اور جس کا ہندوستان سے خاص تعلق ہے) اس کے ہندی الاصل ہونے کا یقین ثبوت فراہم کرتے ہیں اور پھر اس کا ذکر رامائن میں بھی موجود ہے<sup>(۱)</sup> لفظ شطرنج کی اصل سنسکرت کا لفظ "چترنگ" (CHATURANGA) ہے جو قدیم ہندوستانی فوج کے چار دستوں (ہاتھی سوار، رتھ سوار، گھڑ سوار اور پیدل فوج) کی نشاندہی کرتا ہے۔<sup>(۲)</sup>

چھٹی صدی عیسوی میں نوشیروان عادل متوفی ۵۷۹ء کے طبیب خاص، بزرجمبر

کے فضیل یہ ایران میں متعارف ہوا اور وہاں سے عبد عباسی کے اوائل (اٹھویں صدی عیسوی) میں شطرنج یا شطرنج کی شکل میں سرزمین عرب میں جلوہ نگن ہوا۔ (۳)

ابتداءً یہ چار اشخاص کے مابین دو پانسوں کے ذریعہ کھیلا جاتا تھا اور اس کا نام تر انحصار اتفاق اور تقدیر پر تھا لیکن بعد کعب ہندو "دھرم شاستر" میں پانسہ اندازی کو ممنوع قرار دیا گیا تو یہ دو اشخاص کے مابین کھیلا جانے لگا اور اب پانسہ پھینکنے کے بجائے عقل و ذہانت کو بروئے کار لایا جانے لگا۔ اسی سبب سے ہندوستان میں اب یہ "بڈھی بل" (قوتِ ذہن و عقل) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ (۴)

### حوالہ جات

- ۱۔ دیکھئے سید سلیمان ندوی: عرب و ہند کے تعلقات، ۱۱، آباد، ۱۹۳۰ء، ص ۱۸
- ۲۔ ملاحظہ ہو Encyclopaedia Britannica, vol. IX, 1970, p. 195
- ۳۔ دیکھئے پروفیسر خورشید احمد نارق: عربی ٹیچر میں قدیم ہندوستان، دہلی ۱۹۴۳ء، ص ۳۲۱، ۳۲۲، مقبول احمد: Indo-Arab Relations، دہلی ۱۹۶۹ء، ص ۱۸، اور Encyclopaedia Britannica vol. IX, p. 195
- ۴۔ ملاحظہ ہو Encyclopaedia Britannica 'Vol. IX' p. 195

## وفیات

## حکیم محمد سعید دہلوی آف ہمدرد و واخانہ پاکستان کی شہادت

کس قدر ظالم ہاتھ تھے اور کس قدر درندہ صفت دل کا وہ انسان نہیں جیوان رہا ہوگا جس نے فرشتہ صفت، سنی غریب انسانوں کا سچا، ملک و ملت کا خیر خواہ، پلوری انسانیت کی فلاح و بہبود کی چلہ بننے والا، شرافت کا پیکر، مجسم حکیم محمد سعید دہلوی پر گولیاں چلا کر ان کی ان میں ان کو شہید کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

جیسے ہی یہ خبر عوام الناس تک پہنچی کہ کراچی پاکستان میں ہمدرد و واخانہ کے مطب فراغت کے بعد جب حکیم محمد سعید دہلوی اپنی کار میں بیٹھنے لگے تو کچھ نامعلوم درندوں نے ان پر اندھا دھنا گولیاں چلائی شروع کر دیں جس سے وہ ان کا ڈرائیور اور تین ان کے ہمراہ اصحاب موقع پر جان بحق ہو گئے۔ غم و صدمہ میں ڈوب گئے۔ اور ان سب کے منہ سے ایک چیخ نکلی پڑی کہ ہائیں یہ کیا ہو گیا، کیا شرافت و انسانیت کا بھی قتل ہونا شروع ہو گیا ہے حکیم محمد سعید دہلوی شرافت و انسانیت کی جیتی جاگتی تصویر تھے، وہ بڑے وضعداد انسان تھے انہوں نے دوسروں کے آرام کے لیے اپنا آرام چھوڑ دیا تھا۔ ان کا مقصد حمایت صرف اور صرف بنی نوع آدم کی خدمت کرنا تھا۔ ٹھٹھے بیٹھے سوتے جاگتے وہ انسانیت کی فلاح و بہبود کی کے کاموں ہی میں اپنے کو لگے ہوئے تھے تقسیم سے پہلے وہ اور ان کے برادر معظم ملک و ملت کی نادبر روزگار ہستی حکیم عبدالحمید دہلوی حفظہ اللہ تعالیٰ استعدہ ہندوستان میں اپنے عظیم نشان کار ناموں کی بدولت مشعل راہ نے مجھے ان کی وہ صحبتیں یاد ہیں جب قبلہ آبا جان حضرت مفکر ملت مفتی عتیق الرحمان عثمانی اور ان کے مخصوص احباب حضرت قاضی سجاد حسین، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، مہابد ملت حضرت مولانا حفظہ الرحمن یرام کی قربت میں حکیم عبدالحمید صاحب دہلوی اور ان کے برادرِ خرد حکیم محمد سعید دہلوی بڑے بڑے مسائل پر تبادلہٴ خیالات کر کے ان کے حل و تدارک کے لئے مستعد و عاجز ہوا کرتے تھے۔

ذہانت تھی اور حکیم عبد الحمید صاحب دہلوی و حکیم محمد سعید دہلوی دونوں بھائیوں کی محبت اتفاق و اتحاد ضرب المثل تھا ملک و ملت کی فلاح و بہبود کی سے متعلق کوئی بھی کام ہوتا تو اس کی ذمہ داری یہ دونوں بھائی اپنے کاندھوں پر اٹھانا باعثِ فخر سمجھتے۔ تقسیم ملک کے بعد حکیم عبد الحمید دہلوی نے ہندوستان میں مکرملک و ملت کی خدمت کا بیڑہ اٹھایا تو حکیم محمد سعید دہلوی نے ہجرت جیسی سخت ترین سے مصیبت کو خسی خوشی جھیلنے ہوئے انسانیت کی فلاح و ترقی کے لئے پاکستان کی سرزمین میں کام کرنے کو ترجیح دی۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ پاکستان میں بڑے بڑے ارب بیتی نے بھی انسانیت کی فلاح کے لئے سوہ عظیم کام نہ کیا ہوگا جو بے سروسامانی کی حالت میں اکیلے دم پر حکیم محمد سعید دہلوی نے انجام دے دیا۔ کالج اسکول اسپتال سے لیکر چھوٹے بڑے تمام وہ کام انجام دیدیئے جو انسانیت کی بقا و ترقی اور ضرورت کے لئے ہوتے ہیں۔ بلکہ مجھے یہ کہنے میں بھی کوئی تاثر نہیں ہے کہ حکیم محمد سعید دہلوی نے پاکستان میں انسانیت کے لئے ایسے بہت سے عظیم کام انجام دیئے ہیں جس کو انجام دینے کے لئے حکومت پاکستان بھی اپنے گوبے بس سمجھتی رہی۔

جب مجھے ان کی شہادت کی خبر ملی تو میں خود دم بخود ہو کر رہ گیا دل و دماغ کو ایک زبردست ناقابلِ برداشت جھٹکا لگا۔ اور صدمہ سے تمام جسم کی وہ حالت ہو گئی کہ جو بیان سے باہر ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم حکیم محمد سعید دہلوی کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور ان کے متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ خصوصیت سے دعا ہے کہ ان کے برادرِ معظم حکیم عبد الحمید صاحب دہلوی کو اس عظیم حادثہ و فات پر پہاڑ جیسا غم جھیلنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔

## دعائے صحت کی درخواست

مفکر ملت حضرت مفتی عتیق الرحمان عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے صاحبزادے اور ”دین و دنیا“ کے مفتی شوکت علی فہمی کے بڑے داماد مفتی نجیب الرحمان عثمانی گروہ کی بہاری کیوجہ سے پچھلے دنوں سنجھن نرسنگ ہوم میں تھے لیکن اب گھر پر ہیں تکلیف بدستور باقی ہے۔ معززین شہر، عمارتین ملک و ملت، مرکزی حکومت کے وزراء و ممبران پارلیمنٹ، سابق مرکزی وزیر جناب یونس سلیم اور محترم حضرت مولانا قاری محمد ادریس صاحب (امام مسجد جامع نئی دہلی خصوصی طور پر) ان کی مزاح پُرسی کے لئے آچکے ہیں۔

ادارہ ندوۃ المصنفین دہلی کی طرف سے ملت کے تمام افراد سے اپیل ہے کہ وہ حضرت مفکر ملت مفتی عتیق الرحمان عثمانی کے صاحبزادے اور میر چھوٹے بھائی مفتی نجیب الرحمان عثمانی کی مکمل صحت یابی و تندرستی کے لئے مخصوص اوقات میں بارگاہ عالی اللہ رب الفزت میں خصوصیت سے خشوع و خضوع کے ساتھ دعا کا التزام فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم و فضل سے صحت یابی اور عمر دراز عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

(ادارہ)

### بقیہ ص ۱۵ کا

قطر کے پانچویں شمارے تاریخ کی بابت وضاحت شروع ہوتی ہے کہ مادہ کے ابتدائی دو حرف ”یہ“ ہیں پہلا حرف ”ی“ دسویں ماہ یعنی شوال کو بتلاتا ہے اور ”ہ“ پانچویں دن (روز خمیس) یعنی بدھ کو واضح کرتا ہے۔ اگرچہ جمعرات ہونا چاہیے۔ شوال کا اخیر دن یعنی ۱۹ تاریخ سنہ ۱۴۰۳ زبر و بینات کی رو سے مادہ ۱۸۴۳ کا اظہار کرتا ہے۔ (جاری)



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سرپرست اعلیٰ ندوۃ المصنفین دہلی

عالیشان حکیم عبدالحمید صاحب چانسلر جامعہ ہمدرد نئی دہلی و علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

مجلس ادارت اعزازی

سید اقدار حسین  
ڈاکٹر معین الدین بقالی  
محمد سعید بلانی  
ڈاکٹر جبر قاضی

برهان

نگران اعلیٰ  
حضرت مولانا حکیم محمد زبیر حسینی

شمارہ: ۲۱۵

نومبر، دسمبر ۱۹۹۸ء

جلد: ۱۳۳

۱۰۰

شمارے

۱۰۰

- ۲ نظرات  
عمید الرحمن عثمانی  
غیبت کی مذمت اسلامی تعلیمات کی روشنی میں  
۷ مفتی محمد خبیر ندوی ایم اے علیگ  
قطعات و فات شعرائے اردو  
۱۷ عبدالرؤف خاں ایم اے ہسٹری اودنی کلاں دراج  
۸۵۷ لوکی جنگ آزادی اور مسلم جانشازان حریت  
ڈاکٹر مختار احمد مکی ریڈر و صدر شعبہ سیاسیات کیم مٹی لالچ، چید پور، بہار ۲۹

جملہ خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

منیجر ماہنامہ برہان

4136 - اردو بازار جامع مسجد دہلی۔ 110006 \* فون نمبر 3262815

زیر تعاون  
نی پرنٹرز  
سالانہ: ۷۲ روپے  
کمپیوٹر کتابت  
CREATIVE VISION

عمید الرحمن عثمانی ایڈیٹر پر نظر پبلشر نے خواجہ پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی سے شائع کیا۔

## نظرات

۲۵ نومبر ۱۹۹۸ء کو ہندوستان کی چار ریاستوں مدھیہ پردیش، دہلی، راجستھان اور میزورم کی اسمبلیوں کے ہونے انتخابات کے نتائج نے یہ بات قواب بالکل صاف کر دی ہے کہ اگر ہندوستانی مسلمان سمجھداری، تعلندی، دانشمندی اور دور اندیشی کے ساتھ اپنے حق رائے دہی کا استعمال کریں تو ہندوستان میں فرقہ پرستی کبھی بھی پنپ نہیں سکتی ہے۔ اور فرقہ پرستی کو گراؤ شکست کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ حالانکہ بی جے پی بڑی حکمت عملی کے ساتھ اپنے جہارتیوں کو انتخاب میدان میں اتار تھا۔ اور بڑی ہی چالکدستی کے ساتھ انتخابی ہم چلائی تھی ایک طرف ہندو تو کالا کارڈ کھیلنے کی کوشش اور دوسری طرف سیکولرزم کے نام کی دہائی۔ مگر یہ سب باتیں بے اثر ثابت ہوئی بلکہ ان دونوں باتوں سے بی جے پی کی ساکھ خراب ہی ہوتی رہی انتخابی جلسوں کے آخری دن دہلی کے لال قلعہ کے سامنے ہندوستان کے وزیراعظم جناب اٹل بہاری واجپسی نے بی جے پی کے حق میں لوگوں سے ووٹ دینے کی اپیل کرتے ہوئے بعض باتیں ایسی بھی کہہ دیں کہ جو بی جے پی کے درکر کے لئے تو گوارہ ہو سکتی ہیں مگر ہندوستان کے وزیراعظم کے شایان شان قطعاً نہیں۔ ہندوستان کا وزیراعظم ہندوستان کے سیکولر آئین کی پاسداری و حفاظت کے لئے حلف اٹھاتا ہے اور جب وہ ہی وزیراعظم کوئی ایسی بات اپنے منہ سے نکال بیٹھے جس سے ”سیکولرزم“ پر ”آپج“ آتی ہو تو پھر ایسے وزیراعظم کے بارے میں دانشور طبقہ کس طرح کا خیال ذہن میں پیدا کرے گا، لال قلعہ پر انتخابی جلسہ میں وزیراعظم اٹل بہاری واجپسی نے کانگریس کی صدر شتر سمتی سونیا گاندھی سے غالباً ان کے عیسائی مذہب کی ہونے پر چٹکی لیتے ہوئے اس قسم کی بات کہی کہ جیسے انھیں ہندوستان میں عیسائیوں پر ظلم و ستم ہی سے دکھ ہوتا ہے اور وہ سیاست میں شاید اسی لئے زیادہ مستعد نظر آتی ہیں۔ جب اخبارات میں عیسائی فرقہ پر ظلم و ستم کی خبریں شائع ہوتی ہیں۔ اس قسم کی باتیں کرنا کیا ہندوستان

کے وزیرِ اعظم کے لئے رجب و صلح ہے جو ہندوستان کے سیکولر آئین کی حفاظت و پاسداری کا حلف لے رہے ہیں۔ انتظامِ عام کے دوران میں ہر طرح کے جھگڑے استعمال کرنا ایک بہتر بننا جا رہا ہے لیکن جب اس قسم کے بہتر کی ترکیب اور نئی کمرسی پر فائز کسی انسان کی طرف سے عمل میں لائی جائے تو اسے دیکھ کر انفرس کے ساتھ دکھ اور تشویش کا ہونا قدرتی بات ہے۔

اس اسبلی انتخابات نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کا ووٹ فیصلہ کن ثابت ہوتا ہے اور جب اس کا استعمال کسی ایک پارٹی کے حق میں کیا جاتا ہے تو وہ پارٹی مسندِ اقتدار پر بیٹھ جاتی ہے۔ اس سے پہلے مسلمانوں کے ووٹ بیٹے رہے ہیں ووٹ پارٹیوں کے درمیان میں تیسرا شخص یا گرو مسلمانوں کے ووٹ میں حصہ پتی کر بیٹھتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ مسلم ووٹ ایک جگہ نہ پڑ کر کسی جگہ بیٹ جاتا تھا اور پھر اس کے نتیجے میں فرقہ پرست فائدہ میں ہو جاتا تھا انتخابی نتائج کے وقت مسلمانوں کے ہاتھ سولے انفرس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا تھا اور فرقہ پرستوں کے گھروں میں گھی کے چراغ جلنا شروع ہو جاتے تھے۔

لیکن اس کے لئے ہم مسلمانوں کو موردِ الزام ٹھہرانا قطعاً پسند و گوارہ نہیں کریں گے اس کے لئے ہمیں صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے یہ کہنا پڑے گا کہ اس کے لئے ذمہ دار وہ افراد اور جماعت ہے جو مسلمانوں کے ووٹ سے مسندِ اقتدار پر فائز رہتے ہوئے مسلمانوں کو ذرا بھی نہیں گروانتی رہی ہے۔ بشرطی اندازِ گاندھی کے آخری دورِ اقتدار میں جس طرح ہندو تو کار کا کارٹو کھینچا گیا اور مسلمانوں کو درکنا کرنے کے حربے استعمال کئے گئے اسے ہم اس ساری خرابی کا ذمہ دار کہیں گے جب ایک پارٹی اپنے اولین آئین سے ہٹتی نظر آتی تو بھر مسلمانوں کے لئے اس کے سولے کوئی چارہ نہیں رہا کہ وہ بھی اپنی راہ الگ بنائیں اور پھر اس کا جو بھی انجام ہو وہ اگر مسلمانوں کے لئے بہتر نہیں ہے تو بھر غور اس جماعت کے لئے بھی کسی لحاظ سے اچھا نہ ہوا۔ اس کی بربادی و تباہی سب سے اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ اور جب اپنی تباہی و بربادی سے وہ ابھرنے لگی تو پھر اس کو ہوش آیا اور اس نے اپنی پچھلی کوتاہیوں، لغزشوں، غلطیوں کی طرف خیال کیا اس کے لئے نہ صرف معافی مانگی بلکہ اس کی تلافی کرنے کا بھی وعدہ کیا۔ انڈین نیشنل کانگریس جب اپنے بنیادی اصولوں سے کھسک گئی تو

## نظرات

۲۵ نومبر ۱۹۸۸ء کو ہندوستان کی چار ریاستوں مدھیہ پردیش، دہلی، راجستھان اور میزورم کی اسمبلیوں کے ہونے والے انتخابات کے نتائج نے یہ بات قواب بالکل صاف کر دی ہے کہ اگر ہندوستانی مسلمان سمجھداری، عقلندی، دانشمندی اور دوراندیشی کے ساتھ اپنے حق رائے دہی کا استعمال کریں تو ہندوستان میں فرقہ پرستی کبھی بھی پنپ نہیں سکتی ہے۔ اور فرقہ پرستی کو کمری شکست کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ حالانکہ بی جے پی بڑی حکمت عملی کے ساتھ اپنے جہاریوں کو انتخابی میدان میں اتار رہا تھا۔ اور بڑی ہی جا بجا بدستی کے ساتھ انتخابی مہم چلائی تھی ایک طرف ہندو تو کا کارڈ کھیلنے کی کوشش اور دوسری طرف سیکولرزم کے نام کی دہائی۔ مگر یہ سب باتیں بے اثر ثابت ہوئی بلکہ ان دونوں باتوں سے بی جے پی کی ساکھ خراب ہی ہوتی رہی انتخابی جلسوں کے آخری دن دہلی کے لال قلعہ کے سامنے ہندوستان کے وزیراعظم جناب اٹل بہاری واجپئی نے بی جے پی کے حق میں گویوں سے دوڑ دینے کی اپیل کرتے ہوئے بعض باتیں ایسی بھی کہہ دیں کہ جو بی جے پی کے دکر کے لئے تو گوارہ ہو سکتی ہیں مگر ہندوستان کے وزیراعظم کے شایان شان قطعاً نہیں۔ ہندوستان کا وزیراعظم ہندوستان کے سیکولر آئین کی پاسداری و حفاظت کے لئے حلف اٹھاتا ہے اور جب وہ ہی وزیراعظم کوئی ایسی بات اپنے منہ سے نکال بیٹھ جس سے "سیکولرزم" پر "آپنج" آتی ہو تو پھر ایسے وزیراعظم کے بارے میں دانشور طبقہ کس طرح کا خیال ذہن میں پیدا کرے گا، لال قلعہ پر انتخابی جلسہ میں وزیراعظم اٹل بہاری واجپئی نے کانگریس کی صدر شریتمتی سونیا گاندھی سے غالباً ان کے عیسائی مذہب کی ہونے پر چٹکی لیتے ہوئے اس قسم کی بات کہی کہ جیسے انھیں ہندوستان میں عیسائیوں پر ظلم و ستم ہی سے دکھ ہوتا ہے اور وہ سیاست میں شاید اسی لئے زیادہ مستعد نظر آتی ہیں۔ جب اخبارات میں عیسائی فرقہ پر ظلم و ستم کی خبریں شائع ہوتی ہیں۔ اس قسم کی باتیں کرنا کیا ہندوستان

کے وزیراعظم کے لئے زیب و تلبہ جو ہندوستان کے سیکور آئین کی حفاظت و پاسداری کا حلف لے سہوتے ہو۔ انتہائی ہم کے دوران میں ہر طرح کے ہنگامہ سے استعمال کرنا ایک ہنر بننا چاہیے لیکن جب اس قسم کے ہنر کی ترکیب اونچی کرسی پر فائز کسی انسان کی طرف سے مل میں لائی جائے تو اسے دیکھ کر کانفرنس کے ساتھ دکھ اور تشویش کا ہونا قدرتی بات ہے۔

اس اسبلی انتخابات نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کا ووٹ فیصلہ کن ثابت ہوتا ہے اور جب اس کا استعمال کسی ایک پارٹی کے حق میں کیا جاتا ہے تو وہ پارٹی مسند اقتدار پر بیٹھ جاتی ہے۔ اس سے پہلے مسلمانوں کے ووٹ بیٹھے رہے ہیں دو پارٹیوں کے درمیان میں تیسرا شخص اگر مسلمانوں کے ووٹ میں حصہ پتی کر بیٹھتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ مسلم ووٹ ایک جگہ نہ پڑ کر کسی جگہ بیٹ جاتا تھا اور پھر اس کے نتیجہ میں فرقہ پرست فائدہ میں ہو جاتا تھا انتہائی نتائج کے وقت مسلمانوں کے ہاتھ سولے افرس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا تھا اور فرقہ پرستوں کے گھروں میں گھم کے چارغ جلنا شروع ہو جاتے تھے۔

لیکن اس کے لئے ہم مسلمانوں کو مورد الزام ٹھہرانا قطعاً پسند و گوارہ نہیں کریں گے اس کے لئے جس صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے یہ کہنا بڑے گاکر اس کے لئے ذمہ دار وہ افراد اور جماعت ہے جو مسلمانوں کے ووٹ سے مسند اقتدار پر فائز رہتے ہوئے مسلمانوں کو ذرا بھی نہیں گرا دیتی رہی ہے۔ بشرتھی اندرا گاندھی کے آخری دور اقتدار میں جس طرح ہندو تو کا کارٹھی کھلا گیا اور مسلمانوں کو درکنا کرنے کے حربے استعمال کئے گئے اسے ہم اس ساری خرابی کا ذمہ دار کہیں گے جب ایک پارٹی اپنے اولین آئین سے ہٹتی نظر آئی تو پھر مسلمانوں کے لئے اس کے سولے کوئی چارہ نہیں رہا کہ وہ بھی اپنی راہ الگ بنائیں اور پھر اس کا جو بھی انجام ہو وہ اگر مسلمانوں کے لئے بہتر نہیں ہے تو پھر خود اس جماعت کے لئے بھی کسی لحاظ سے اچھا نہ ہوا۔ اس کی بربادی و تباہی سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ اور جب اپنی تباہی و بربادی سے وہ ابھرنے لگی تو پھر اس کو ہوش آیا اور اس نے اپنی پچھلی کوتاہیوں، لغزشوں، غلطیوں کی طرف خیال کیا اس کے لئے نہ صرف معافی مانگی بلکہ اس کی تلافی کرنے کا بھی وعدہ کیا۔ انڈین نیشنل کانگریس جب اپنے بنیادی اصولوں سے کھٹک گئی تو

پھر مسلمان بھی اپنی من مانی کرنے میں اکراد ہو گئے۔ اور انہوں نے اپنے دینے کا استعمال کانگریس کو سبق سکھانے کے لئے کرنا ہی مناسب سمجھا۔ بابری مسجد کی مساری نے ہندوستان میں مسلمانوں کو دینا اور دینا کے انصاف پسند انسانوں کے دلوں کو رنج و غم سے چھلنی کر دیا ہندوستان کے شریف ہندوؤں کو بھی بابری مسجد کی مساری نے اسی طرح رونے پر مجبور کیا جس طرح مسلمان رونے اور بلبلائے۔ ظاہر ہے کہ اس سے سیکولرزم کی بنیاد میں شگاف پڑا اور فرقہ پرست طاقتیں کھلے عام ہندوستان میں وہ سب کرنے پر اتر آئیں جو ملک کی یکجہتی و اتحاد کے لئے زبردست خطرہ ہیں۔ آخر اس صورت حال کو زیادہ دن کون برداشت کر سکتا تھا انڈین نیشنل کانگریس نے اپنی ذمہ داری کو محسوس کیا اور شتر تہمتی سونیا گاندھی کی قیادت میں کانگریس نئے عزم نئے دلولہ اور جوش کے ساتھ میدان میں اُتری اور اس نے مسلمانوں کے ساتھ دیگر اقلیتوں دلتوں کے زخموں پر مرہم رکھا جو کچھ ہوا اسے بھول جانے اور اُٹھہ لسا کچھ نہ ہونے کا یقین دلایا گیا۔ دلت بھی مسلمان بھی اور اقلیتوں کے دیگر طبقے بھی کانگریس کی طرف جھک گئے کانگریس کی حمایت کرنے پر آمادہ و مائل ہوئے جس کی وجہ سے کانگریس ان اسمبلی انتخابات میں زبردست اکثریت سے کامیابی سے ہٹکار ہو گئی۔ دہلی اور راجستھان میں تو کانگریس نے ریکارڈ کامیابی حاصل کی اور مدھیہ پردیش میں اس نے اپنی پوزیشن کو قائم رکھا۔ میزورم میں مقامی حالات کے زیر اثر عوام نے اپنے حق رائے دہندگی کا استعمال کر کے اس پارٹی کو کامیاب کرایا جو اس کے مسائل کو حل کرنے کی طرف زیادہ دھیان سے توجہ دینے کا وعدہ کرتی رہی۔ ملک کے حالات پر وہاں کوئی اثر نہ دکھائی دیا۔ ہندو تو کا وہاں کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ اس لئے وہاں وہ ہی پارٹی کامیاب ہوئی جو مقامی حالات کے تحت عوام کی توقعات پر پوری اُترتی دکھائی دی۔

ایک طرف تو بی جے پی کہتی ہے کہ وہ ہندوستان کے سیکولر آئین کی ہر طرح حفاظت کرے گی دوسری طرف اس کی پارٹی کے کئی ذمہ دار افراد ہندوستان کے اسکولوں میں کالجوں میں کسی مذہب کی مخصوص دعاؤں کو پڑھانے کی لازمی پابندی کرنے کی بات کرنے لگے ہیں۔ سرسوتی وندنا اور بنوے ترم ایک مورتی سامنے رکھ کر پڑھنے کے لئے یوپی حکومت کی طرف سے ضروری کرنے کی خبریں اخبارات میں شائع ہوئیں۔ تو ہندوستان کی سیاست میں زبردست تھلکہ مچ گیا۔ سیکولرزم کی دہائی دیکھو الے

اذاں پر یہ خبر بجلی کی طرح دل و دماغ کو دھلا گئی اور عالم اسلام کی زیر دست مقتدر ہستی جناب حضرت مولانا سید البرکات علی ندوی (علیہ السلام) کا تون کا چین لات کی نیند مٹا کر جام ہو گئی۔ جو شخصیت و ہستی ماست کے بکھڑوں سے ہمیشہ دور رہتی ہے اور جو کبھی پبلک جلسوں سے کڑی رتی ہے آخر وہ بھی حکومت کی نیت خراب دیکھ کر کچھ کہنے پر مجبور ہوئی کہ اگر سرسوتی زندہ نا اور بندے ماترم ٹیڑھنے کی بات

حکومت کی طرف سے لازمی قرار دے دیا گیا تو پھر مسلمانوں کو اپنے بچوں کو ان اسکولوں سے ہٹالینا چاہیے جہاں سرسوتی زندہ نا اور بندے ماترم ٹیڑھنا لازمی ہو اس بات سے بی جے پی کی حکومت کو ہوش آیا اور اس نے اس سلسلے میں تردید کرتا ہی اپنے لئے عافیت کی بات سمجھی۔ یوپی کے وزیر اعلیٰ کھیاں سنگھ نے کہا کہ حکومت کی طرف سے کوئی ایسی بات نہیں کہی گئی ہے کہ جس سے یوپی کے اسکولوں میں سرسوتی زندہ نا اور بندے ماترم ٹیڑھنا لازمی قرار دیا گیا ہو۔ حکومت کے ذمہ دار کی طرف سے اس پر تردید نے یہ معاملہ تو یہاں ختم کر دیا ہے لیکن اب اس قسم کی دیگر باتیں جو رقتنا قوتنا گئی جاتی رہی ہیں یا کبھی جائیں گی بہتر ہو کہ حکومت اس پر ابھی سے روک لگا دے اور اس قسم کی شرانگیز باتیں کہنے والوں کے خلاف قانونی کارروائی عمل میں لائے تو یہ ملک اور ملک کے آئین کے ساتھ وفاداری کا عمل ہوگا ہماری حکومت ہند کے ذمہ داران سے اوّل ہے کہ وہ سیکولر آئین کے خلاف باتیں کرنے والوں کے خلاف کڑی کارروائی کرے جب ہی ملک کے عوام کا اعتماد و یقین ہوگا اس حکومت کی ایمان داری اور نیک نیتی پر۔

ان اسمبلی انتخابات میں ہنگامی تشدد اور بجلی دپانی کے مسائل سے عوام الناس کی پریشانیوں کا بھی زور و شور سے جھجھا رہا۔ بی جے پی کی حکومت ہنگامی برتاؤ پانے اور تشدد کے واقعات کی روک تھام کرنے اور پانی و بجلی کی دقتیں دور کرنے میں جس طرح ناکام دکھائی دی ہیں اس پر عوام نے اس کے خلاف ووٹ کا استعمال کر کے یہ بات واضح کر دی کہ جو پارٹی عوام کے بنیادی مسائل حل اور جان و مال کی حفاظت کرنے میں ناکام رہے اسے حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ عوام اس سے حکومت کی کرسی چھین لیتے ہیں اب یہی اصول سب کے لئے ہے اب عوام نے جس پارٹی کو حکومت کی ہاگ ڈور سونپی ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ملک میں سے ہنگامی کا خاتمہ کرے جسے خوروا کے خلاف سخت سے سخت کارروائی کرے ملک میں لائینڈر آرڈر کے مسئلہ کو ہر صورت میں ترجیح دے آخر عوام کے جان و مال کی حفاظت کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے بجلی پانی ضروریات زندگی

کی لازمی اشیاء ہے اس کی طرف حکومت سے کسی بھی قسم کی کوتاہی ناقابلِ برداشت ہے۔ برہانِ دربی  
 راجستان اور مدھیہ پردیش میں انڈین نیشنل کانگریس کو اس کی شاندار کامیابی پر مبارکباد دیتے  
 ہوئے اس سے توقع و امید رکھیں گے کہ وہ ان صوبوں میں اچھی اور مثالی حکومت دے گی جس میں  
 عوام اناس کو ہمہ گائیڈ شدہ اور پانی و بجلی کی پرمیشانی و ماری سے نجات اور ہر شہری کو امن و چین  
 اور راحت نصیب ہوگی۔

گذشتہ دنوں ہندوستان کی علمی شخصیت حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی (علی میاں) کی رہائش  
 گاہ جہان خانہ میں تلاشی لی گئی اس سے دنیا بھر کے مسلمانوں اور انصاف پسند و انسانیت نواز غیر مسلموں  
 میں غم و غصہ پیدا ہونا لازمی تھا چنانچہ ہر طرف سے اس تلاشی کے خلاف احتجاج کیا گیا جمعیۃ علماء ہند  
 نے اسے ملک دشمنی سے تعبیر کیا کتنے ہی اداروں اور تنظیموں نے اس تلاشی کے واقعہ کی سخت ترین  
 مذمت کی۔ مقام شکر ہے کہ حکومت یوپی کو جلد ہوش آگیا اور اس نے یہ کہہ کر اپنی جان بچائی کہ  
 حکومت کی طرف سے حضرت مولانا علی میاں کے ہاں تلاشی کی کوئی ہدایت جاری نہیں کی گئی یہ حرکت جس نے  
 بھی کی ہے بہر حال قابلِ مذمت ہے اور حکومت اس کی تحقیقات کر لے گی اور جو بھی اس مذموم  
 حرکت کا ذمہ دار ہوگا اس کے خلاف سخت کارروائی کرنے سے حکومت قطعاً دریغ نہیں کرے گی۔  
 حکومت یوپی کے تردیدی بیان کے بعد ہم اس بات کو یہیں ختم کرتے ہیں ورنہ تو ہمارا دل رورہا تھا کہ  
 ایک ایسی ہستی جو ہندوستان کی شان ہے ہندوستانی عزت ہے ہندوستان کا وقار ہے اور جس کی  
 وجہ سے عالم اسلام میں ہندوستان کی سربلندی ہے اس ہستی کو اس طرح کی بچکانہ و شرمناک  
 حرکات کر کے ستایا جائے یہ کسی بھی طرح قابلِ معافی نہیں ہے۔ اچھا ہوا کہ حکومت یوپی نے اس  
 مذموم حرکت پر اپنے کو فوری طور پر بری الذمہ کر لیا۔ اگر خدا نخواستہ حکومت یوپی کی اس طرف  
 سے خاموشی رہتی تو نہ معلوم حالات کس قدر خطرناک صورت اختیار کر جاتے اس کے تصور و  
 خیال ہی سے دل و دماغ میں لرزہ پیدا ہو رہا ہے۔ اب ہیں اس کا انتظار بے چینی سے رہے گا۔  
 کہ حکومت یوپی اپنے وعدہ کے مطابق اس تلاشی کے ذمہ دار افسر اد کی نشان دہی کر کے کب ایضاً  
 کیفر کردار تک پہنچائے گی۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ایک ایسی ہستی کا نام ہے جس پر ہندوستان  
 کے ہی نہیں تمام دنیا کے مسلمانوں کو فخر و ناز ہے۔



# غیبت کی مذمت اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

مفتی محمد خبیر ندوی ایم اے علیگ

شریعت اسلامیہ مطہرہ نے انسانوں کی عزت و آبرو کی حفاظت کی بابت خصوصی تاکید فرمائی ہے چنانچہ اللہ رب العزت نے ایسی تمام ناشائستہ حرکتوں کو جو عزت و ناموس کو پامال کرنے کے مترادف ہیں ان کو قطعی طور پر حرام فرما کر — پوری انسانی برادری کو باہمی تعلقات خوشگوار رکھنے کی ہر موثر و ہر ترغیب دی ہے اور متعدد مقامات پر اس کی شناعت و قباحت کو واضح انداز سے بیان فرمایا ہے۔ اسی لئے مذہب اسلام نے عزت و آبرو کو خاک میں ملانے والی سرکزی حیثیت کی حال غیبت کو قرآن کریم کے ذریعہ صراحتاً حرام قرار دے دیا ہے۔ اور اس کی قباحت کو مکمل ایک سورۃ میں بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

”اور تم میں سے ایک کو ایک پیٹھ پیچھے برانہ کہے، بھلا تم میں سے کوئی اس بات کو گوارا

کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے تو تم کو گھن آئے اور اللہ سے ڈرتے

رہو، اللہ سب کا خیال کرنے والا اور خوب رحم کرنے والا ہے“ (سورۃ حجرات ۲۰/۱)

مذکورہ بالا آیت قرآنیہ سے معلوم ہوا انسانوں خصوصاً مسلمانوں کے عیوب کی پردہ درہی حرام ہے

اور شرعی اصطلاح میں پردہ درہی کا دو اہم غیبت ہے۔ یہ اور بات ہے موجودہ دور کا مسلمان غیبت

کو نہایت معمولی گناہ سمجھ کر اس میں بڑھ چڑھ کر حصے کر دے سروں کی عزت و آبرو لوٹنے کو ذاتی فخر

قرار دیتا ہے۔ اور طرفہ تماشہ یہ ہے غیبت کرنے والا اس کو غیبت تصور کرنے سے بھی کتراتا

ہے اور اس پر لائی گئی کو اظہار حقیقت کا عنوان دے کر لوگوں میں اس کی ترغیب بھی دیتا ہے جبکہ

وہ اپنے اس ”اظہار حقیقت“ کے قول سے دو گنے گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے و اعظم ترین اور غیر معمولی

گناہ کبیرہ کو نہایت ہلکا اور معمولی سا قرار دے رہا ہے۔

۱۔ غیبت کر کے دوسرے کی عزت و ناموس کو خاک میں ملارہا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم اور احادیث شریفہ کی روشنی میں غیبت کی حقیقت و اس کی شناخت و قباحت پر تفصیلی نظر ڈالی جائے اور اس کے خطرات نتائج سے واقفیت حاصل کر کے اس سے بچنے کی تدبیر کی جائے۔

**قرآن کریم اور غیبت** | قرآن کریم نے متعدد مقامات پر غیبت کی مذمت بیان کر کے نہایت بلیغ انداز سے اس کی تباہی و خطرناکی کی طرف

شارہ فرمایا ہے۔

۱۔ تم میں سے کوئی کسی کی اس کی پیٹھ پیچھے غیبت اور برائی نہ کرے (جمرات ۲)

۲۔ لوگوں پر آوازیں کسا کرتا ہے۔ (سورہ قلم ۱)

۳۔ ہر وہ شخص جو لوگوں کی غیب چینی کرتا ہے اسکی بڑی تباہی ہے۔ (سورہ عنہ ۱)

۴۔ اللہ تعالیٰ کو بدگوئی پسند نہیں آتی۔ (سورہ نسا ۲۱)

آیات مذکورہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ غیبت کا ہر پہلو مذموم ہے خواہ وہ اشارۃً یا کیوں نہ ہو چنانچہ اصحاب لغت قرآن کریم میں واقع الفاظ متعلقہ غیبت کی توضیح فرماتے دئے رقم طراز ہیں کہ ہمز اور لمز میں ہر طرح کی غیبت شامل ہے مثال کے طور پر ہمز میں (۱) سائے بےست کرنا (۲) نسب کی برائی کرنا (۳) ہاتھ کے اشارے سے غیبت کرنا (۴) زبان سے غیبت کرنا (۵) برے الفاظ سے ہم نشینوں کی دل آزاری کرنا اور گمز میں پیٹھ پیچھے برائی کرنا (۶) آنکھ کے تارے سے غیبت کرنا (۷) آنکھ ہاتھ سر اور ابرو وغرضیکہ تمام اشاروں سے غیبت کرنا شامل ہے۔ (لغات القرآن، و مفردات القرآن)

**غیبت کی مذمت و قباحت احادیث نبویہ کی روشنی میں** | ابراہیمی رسول حضرت ابو ہریرہؓ

ہم روئے ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ سے ارشاد فرمایا کہ تمہیں معلوم

ہے کہ غیبت کی حقیقت کیا ہے۔؟ صواب کلامؑ نے عرض کیا۔ غیبت کی حقیقت کے بارے میں سب سے زیادہ صحیح علم اللہ رب العزت اور پیارے رسول کریمؐ کو ہی ہے۔ اس پر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔! غیبت کی حقیقت یہ ہے کہ۔ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو اس طریقہ سے یاد کرے اور اس کا ذکر اس طرح سے کرے جس سے اسکو ناگوار ہو، تکلیف اور خفت محسوس ہو، اور اپنے بھائی کی اس چیز کا ذکر کرے جس کو وہ ناپسند کرے۔ کسی نے عرض کیا۔ کیا ایسی ناگوار اور تکلیف دہ بات کا ذکر کرنا جو اس میں واقعہٴ موجود ہو۔ اور اس میں وہ عیوب پائے بھی جاتے ہوں یہ بھی غیبت میں داخل ہے۔؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ جی ہاں، وہ عیوب اور وہ تکلیف دہ بات جس کا ذکر اس کو ناگوار ہو وہ اس میں پائی بھی جاتی ہو جب ہی تو وہ غیبت ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہو کہ اس میں وہ عیب موجود ہی نہ ہو پھر تو وہ تمہارا اور بہتان ہے (مسلم شریف ج ۳، ابوداؤد ج ۲، ۴۶۸)

۲۔ ایک حدیث میں فرمان نبویؐ ہے: ”سب سے زیادہ برے لوگ وہ ہیں جو چغل خوری کرتے اور چغلیاں کھاتے پھرتے ہیں اور دوسروں کے آپسی تعلقات خراب کرتے رہتے ہیں“ (حضرت اسماعیل بنت یزید برایت مسند احمد ج ۴، ۴۵۹)

۳۔ آپؐ کی حیات مبارکہ میں ایک مرتبہ شہر میں بدبو پھیل گئی۔ اس کی بابت آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے ارشاد فرمایا! تم جانتے ہو یہ بدبو کیسی ہے؟ یہ ان لوگوں کی بدبو ہے جو مسلمانوں کی غیبت کرتے رہتے ہیں۔

(حضرت جابر بن عبد اللہ برایت ابی المفرد، مسند احمد)

۴۔ معراج جیسی عظیم الشان رات میں حضور اکرمؐ کا گذر ایک ایسی قوم پر ہوا جس کے ناخن تانچے کے سے تھے۔ اور وہ قوم اپنے ان ناخنوں سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہی تھی۔ حضورؐ نے حضرت جبریلؑ علیہ السلام سے اس بابت دریافت کیا۔ جس کے جواب میں حضرت جبریلؑ نے ارشاد فرمایا۔ رسول مہترم یہ وہی قوم ہے جو لوگوں کا گوشت کھاتی پھرتی تھی اور لوگوں کی غیبت کر کر کے اس کی عزت و اہم پر حملہ کیا کرتی رہتی تھی

(حضرت انس بن مالکؓ روایت ابو داؤد ج ۶۶۹)

۵۔ ایک حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کہنے کو زنا سے بھی زیادہ سنگین قرار دیا ہے چنانچہ فرمان نبوی ہے۔

” غیبت کرنا زنا کاری سے بھی زیادہ سخت ترین جرم ہے “ (امام بیہقی روایت شریف)

۶۔ ایک موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کرنے والوں کو منافقین جیسے برے آدمی کی فہرست میں شمار فرمایا ہے۔ (حضرت ابو یزید اسلمی روایت ابو داؤد)

۷۔ ایک مہتمم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک خاتون کی نقل اتاری جو اس دن کے لئے باعث تکلیف تھی چنانچہ آپؓ نے اس پر زکیر فرماتے ہوئے اپنا شدید فحش ظاہر فرمایا۔ (ایضاً)

مذکورہ بالا احادیث نبویہ کی روشنی میں غیبت کی حقیقت اور اس کی قیادت خج ہو گئی کہ غیبت نہایت ذلیل، گھناؤنی حرکت ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرہ، فتنہ و فساد بھڑکانے میں مرکزی کردار ادا کرتی ہے۔ اور معاشرہ اس کی پیٹ میں خون کی ہولی کھیلنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

امام وقت حضرت امام غزالیؒ اپنی مایہ ناز عرفانی و روحانی کتاب احیاء العلوم اس کے مفاسد کی نشاندہی فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ ” چونکہ تصریح، تقریض، رد اشارات تحریر و کتابت اور محاکات و نقالی ہر طریقہ سے دوسروں کے عیوب بیان جاسکتے ہیں اور ہر شخص دوسرے کے حسب نسب، اخلاق عادات، دین و دنیا طریقہ معاشرہ زندگی بود و باش جسم اور کپڑے وغیرہ غرضیکہ ہر چیز میں انسان عیب نکال سکتا اس لئے یہ سب چیزیں غیبت میں داخل ہیں ان سب سے بچنا چاہیے۔“

(احیاء العلوم ج ۲)

غیبت کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ خداوند قدوس میدان حشر میں غیبت کرنے والے تمام نیکیاں ان تمام لوگوں میں تقسیم کر دے گا جن کی اس نے غیبت کی ہوگی اس کے ساتھ مزید برآں یہ ہوگا کہ جب اس غیبت کرنے والے کی تمام نیکیاں ختم ہو جائیں گی

تو اب ان تمام لوگوں کے گناہوں کو اس شخص کے ذمہ منتقل کر دیا جائے گا جس کا بالآخر انجام یہ ہوگا کہ وہ گناہوں کے بوجھ سے بوجھل ہو جائے گا جس کے نتیجے میں غیبت کرنے والا شخص دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ جہاں اسے مختلف قسم کے دردناک عذاب سے واسطہ ہوگا اور جہاں اس کا کوئی پرسان حال نہ ہوگا۔

موجودہ وقت میں غیبت کو نہایت معمولی گناہ سمجھ کر اس میں خوب دلچسپی لی جاتی ہے جبکہ علمائے امت نے بالاجماع غیبت کو کبائر میں شمار کیا ہے چنانچہ امام قرطبیؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ غیبت گناہ کبیرہ ہے مگر افسوس کہ اس وقت لوگ دن رات لوگوں کی غیبتیں کیا کرتے ہیں اور ہر ایسے و فقیہ کو سنا کر ہر کس و ناکس کا گوشت وہ بھی مردار گوشت کی طرح معاشرہ میں فتنہ و فساد پھیلانے میں سرگرمی کر دیا کرتے ہیں۔ اور طرفہ تماشہ یہ ہے کہ اس وقت عوام الناس کے ساتھ ساتھ علماء اور حفاظ بھی برابر کے شریک ہیں کہ ایک عالم دوسرے عالم کی، اور ایک حافظ دوسرے حافظ کی خوب جی بھر کر غیبت کرتا ہے اور اپنے آپ میں سرخروئی حاصل کر کے آخرت میں دو گنے عذاب کا مستحق بن جاتا ہے۔

**غیبت کے احکام :** غیبت کے سلسلہ میں متعدد احکامات کتب فقہ میں نقل کئے گئے ہیں اور غیبت کی قسمیں تفصیل طور پر بیان کر کے ان کا شرعی حکم بھی واضح کیا گیا ہے جس کی قدرے تفصیل یہ ہے۔

- ۱۔ تقسیم غیبت باعتبار اسلام و غیر اسلام وغیرہ۔
- ۲۔ تقسیم غیبت باعتبار معاہدہ و فیرہ
- ۳۔ تقسیم غیبت باعتبار اجسام و ابدان، و لباس، وغیرہ۔
- ۴۔ تقسیم غیبت باعتبار زندگی و موت وغیرہ
- ۵۔ تقسیم غیبت باعتبار بالغ و غیر بالغ، نیز عاتل و غیر عاتل وغیرہ
- ۶۔ تقسیم غیبت باعتبار طرز زندگی و بدو باش و فیرہ
- ۷۔ تقسیم غیبت باعتبار حسب و نسب، و خاندان وغیرہ۔

- ۸۔ تقسیم غیبت باعتبار احوال و عادات وغیرہ
  - ۹۔ تقسیم غیبت باعتبار عبادات و مذہبی رسومات وغیرہ
  - ۱۰۔ تقسیم غیبت باعتبار اقوال، افعال، اعمال وغیرہ
  - ۱۱۔ تقسیم غیبت باعتبار نقل و حکایت، و طرحت، و اشارہ و تقریریں وغیرہ۔
- یہ ٹھنی طرہ پر گیارہ قسمیں ہوئیں، ان میں سے ہر قسم کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

پہلی قسم :- الف ۱۔ پہلی قسم یہ ہے کہ غیبت کرنے والا کو مذہب ہے اور کس شخص کی غیبت کر رہا ہے قرآن کریم نا آیت ولا یغتب بعضکم بعضا سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمان شخص کی غیبت ہر حال میں قطعی طور پر حرام ہے کیونکہ بعضکم میں کم کی تفسیر مسلمانوں کی طرف راجع ہے اور آیت کے معانی یہ ہوئے کہ کوئی مسلمان کسی مسلمان کی غیبت نہ کرے لہذا کسی مسلمان کی غیبت درست نہیں ہے۔

ب۔ غیر مسلم کی غیبت :- غیر مسلم کی غیبت اسلام دشمنی کی وجہ سے بعض حالات میں درست ہے جب تنہا اندیشہ نہ ہو جیسا کہ صاحب تفسیر کبیر علامہ فخر الدین رازیؒ نے بعضکم بعضا کی تفسیر بیان کرتے وقت یہ فرمایا ہے کہ کافر اور غیر مسلم کی غیبت درست ہے، لیکن اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو اس وقت احتیاط کا تقاضا ہے کہ ایسے میں کافر کی بھی غیبت سے احتراز کیا جائے۔

دوسری قسم :- ایسے شخص کی غیبت کی جائے جسے مسلمانوں نے امن دے دیا ہو یا مسلمانوں سے اس کا کوئی معاہدہ پایا ہو یا اس شخص نے دارالاسلام میں مطیع و فرمان بردار ہو کر رہنے کا عہد کر لیا ہو جسے عرف عام میں مذبی کہتے ہیں ان تینوں صورتوں میں غیبت کرنا درست نہیں ہے کیونکہ جب یہ افراد مسلمانوں کے تابع ہو گئے تو ان سب کی عزت و آبرو اور ان سب کی جان و مال کو مینیں کی مانند ہو گئی اور مسلمانوں کی طرح ان سب کی غیبت ناجائز و حرام ہے جیسا کہ صاحب درختار نے درختار میں اس کی صراحت فرمائی ہے۔

سری قسم :- بدالغنا جو لوگ وفات پا چکے ہیں ان کی غیبت کرنا اور ان کو برا بھلا کہنا یعنی مردوں کی غیبت کرنا۔ تو اس سلسلہ میں واضح رہے کہ زندوں کی طرح مردوں کو گالی دینا، برا کہنا، ان کی غیبت کرنا اور ان کی عیوب بیان کرنا یہ سب حرام ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پا جانے والوں کی غیبت کرنے کی منع فرمائی ہے چاہے وہ وفات پا جانے والے افروز زندگی میں گناہوں میں کثرت سے مبتلا رہے ہوں بھر بھی ان کی غیبت نہیں کرنی چاہیے چنانچہ متعدد احادیث مبارکہ میں مردوں کی غیبت کرنے سے منع

فرمایا گیا ہے۔ چند حدیثیں ملاحظہ ہو :

(۱) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا مات احدکم فداعوہ ولا تقفوا فیہ۔ (ابوداؤد)  
کہ جب تم لوگوں میں سے کسی شخص کا انتقال ہو جائے تو اس کو اس کی حالت پر چھوڑ دو، اور اس کے  
غیبت نہ کرو۔

(۲) اور ایک دوسری حدیث میں فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے لا تسبوا الاموات، فانہم  
افضوا الی ما قتلوا۔ کہ جو لوگ اللہ کے حضور پہنچ چکے اور اس دار فانی سے دار بقا کی طرف کوچ کر چکے  
ایسے لوگوں کو بُرا مت کہو اور نہ ہی انکو گالی دو، کیونکہ انہوں نے دنیاوی زندگی میں جیسے اعمال کئے تھے  
وہ ان کی جزا و سزا تک پہنچ چکے ہیں اور انکو ان کے اعمال کا بدلہ مل چکا ہے۔

(ابن حبان و کتاب الترغیب والترہیب)

(۳) ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اذکروا محاسن موتکم، وکفوا عن  
سایعہم: کہ تم لوگ (مسلمانو) وفات پا جانے والوں کے محاسن، ان کے اوصاف حمیدہ اور ان کی اچھی  
عادتیں ذکر کیا کرو ان میں جو جو خوبیاں تھیں انکو بیان کیا کرو اور ان سے جو کوتاہیاں سرزد ہو گئی ہوں  
ان کے بارے میں اپنی زبان کو روکے رکھو اور کبھی غفلت میں بھی ان کی ان کوتاہیوں اور بُرائیوں کو  
ذکر نہ کرو۔ (ابوداؤد شریف)

حضرات صحابہ کرام میں سے حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابوداؤد کے متعلق حضرت امام غزالی  
نے احیاء العلوم میں تحریر فرمایا ہے کہ ہر دو حضرات اکثر قبرستان جایا کرتے تھے اور جب لوگوں نے کثرت سے  
قبرستان جانے کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ قبرستان جا کر ایسے لوگوں کی صحبت نصیب ہوتی ہے جو آخرت  
کو یاد دلاتے ہیں اور زندوں کے برخلافی نہ تو ہماری شکایتیں کرتے ہیں اور نہ ہی غیبت کرتے ہیں۔  
(احیاء العلوم ص ۲۰۱)

نیز اس موقع پر یہ بھی خیال رہے کہ (۱) بعض اوقات مرنے والے کا چہرہ کسی وجہ سے سیاہ ہو جاتا ہے  
(۲) یا بعض وقت مرتے وقت کلام اللہ یا اللہ زبان سے نہیں نکلتا ہے (۳) یا دفن کرتے وقت کسی غدا  
الہی کا ٹھور اور مشاہدہ ہو جاتا ہے تو لوگ ایسے شخص کو بہت لعنت ملاست کرتے ہیں اور اس شخص  
کی ہر نصیبی کا ذکر کر کے اسے مغوس سمجھتے ہیں واضح رہے یہ بھی غیبت میں داخل ہے لہذا ایسے گناہگار کی

بیر بھیلانے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

حضرت مولانا عبدالحی فرنگی علی کھٹوٹیؒ نے اس سلسلہ میں ایک واقعہ نقل کیا ہے فرماتے ہیں ”میرے زرگوں میں سے حضرت مولانا محمد اظہار الحق کھٹوٹیؒ کے انتقال کے وقت ان کی زبان سے کلمہ نہ نکلا اور نہ ہی نہر و تکفین کر کے سب لوگ گھر سے باہر نکل آئے تو کچھ لوگوں نے بطور طعن چند جملے ایسے کہے جو بہت خطرناک تھے اور ہاں تک کہا گیا کہ وہ کیسے مولانا تھے ظاہر میں تو نہایت مستحق اور بہرہ نیر گارتھے لیکن مرے وقت زبان سے کلمہ بھی نہ نکل سکا۔ یہ بات گھر والوں کے لئے بہت زیادہ تکلیف کا باعث ہوئی اور ہم سب کو بہت رنج و ابھری رنج و غم کی کیفیت طاری ہی تھی کہ حضرت مولانا مرحومؒ نے دونوں پاؤں سمیٹے ہوئے بلند آواز سے **لہ لہ لا الہ الا اللہ** پڑھا کہ حاضرین تک نے اس کو سنا اور لعن و لعن کرنے والوں تک کو بھی اس کلمہ کی آواز سنائی دی تب ان لوگوں نے معافی مانگی اور انہیں کو لوگوں نے مطعون کیا۔

(زجر الشیطان والشیئۃ عن ارتکاب الغیبتہ ص ۱۹)

رب (زندوں کی غیبت کرنا) یہ عام ہے خواہ زندوں میں اپنے رشتہ دار ہوں یا عام لوگ سبکی غیبت کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

چوتھی قسم: بالغ اور غیر بالغ نیز عامل اور غیر عامل کے اعتبار سے غیبت کرنا۔ کہ اگر وہ غیر بالغ یا غیر عامل دیوانہ) جو اپنی تعریف سے خوش ہوتا ہو اور اپنی بُرائی کے بیان ہونے سے ناخوش ہو دو حالتوں میں ایسے دیوانوں اور نابالغوں کی غیبت بھی ناجائز ہے۔

البتہ بعض فقہار نے ایسے دیوانوں کی بابت جو اپنے عیوب کے بیان ہونے سے نہ تو ناخوش ہوتے ہوں اور نہ ہی اپنی تعریف سے خوش ہوتے ہوں تو ایسے دیوانوں کی غیبت درست ہے بشرطیکہ اس کا ذہن صاف اور قریب دار نہ ہو تاکہ اس سے اس کو رنج نہ ہو سکے۔ لیکن فقہار نے ایسے لوگوں کی غیبت کرنے سے بھی منع کیا ہے۔

پانچویں قسم: کسی کی اس کے جسم لباس اور اعضاء کے اعتبار سے غیبت کرنا۔ جس کا مقصد ذلیل کرنا اور سوا کرنا ہو، مثلاً یہ کہنا کہ فلاں شخص بہت موٹا ہے۔ فلاں بہت پستہ غذا اور کوتاہ قد ہے۔ اس کی ناک بہت لمبی ہے اس کی آنکھ بہت چھوٹی ہے، یہ شخص بہت زیادہ کالا ہے۔ وہ تو بہرا ہے، یہ تو کم سن ہوا ہے۔ تو اتنا اندھا ہے کہ کسی چیز کو دیکھتا ہی نہیں اس کا ہاتھ ایک طرف سے لمبا ہے۔ اس کا ایک پیر چھوٹا ہے۔



وہ تو غصہ سے زیادہ طویل ہے۔ غرضیکہ بدن اور جسم کے وہ محبوب بیان کرنا جس سے کہ متعلقہ اشخاص کی تحقیر ہو۔ ان سب کی ممانعت ہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ سے ایک مرتبہ مرد اس وجہ سے ناراضگی ظاہر کی تھی کہ انہوں نے ایک خاتون کے ہستہ قد ہونے کو عیب دار بتایا تھا۔

(ابوداؤد شریف)

چھٹی قسم: کسی کے طرز زندگی پر کچھ بڑا اچانا، کہ فلاں تو نہایت غیر مہذب طریقہ سے زندگی گزار رہا ہے اور فلاں کے طریقہ زندگی میں یہ خرابیاں ہیں۔ کھانا بے ڈھنگے طریقہ سے کھاتا ہے، پانی ایک ہی سانس میں جانوروں کی طرح پی جاتا ہے وغیرہ۔

سہا تو میں قسم: کسی کو نسب کے اعتبار سے بدنام اور رسوا کرنا کہ اسے تم کیا بات کرتے ہو اس کا توبہ تک درست نہیں ہے اور فلاں فلاں لوگوں کے آباء و اجداد نہایت رذیل تھے وغیرہ، اور یہ مرض تو اب بہت عام ہو گیا ہے کہ ذات بات کی بنیاد پر پوری پوری عصیت جاہلیہ کی عادتیں کھڑی کی جاتی ہیں۔ آنکھوں میں قسم: معاشرہ میں بعض فطری کمزوریوں پر نشانہ ہی مگرتے ہوئے اس کے عادات و اطوار پر انگلی اٹھانا۔ فلاں بہت سوتا ہے۔ اسے کام کرنے کا سلیقہ نہیں وہ تو نہایت بے وقوف شخص معلوم ہوتا ہے اسے وہ تو نہایت بازاری قسم کا آدمی ہے۔ ہمیشہ لوگوں کو اس کی بے وقوفی سے پریشان ہونا پڑتا ہے۔ سونے پر آجائے تو دن چڑھے تک سوتا ہی رہتا ہے وغیرہ۔

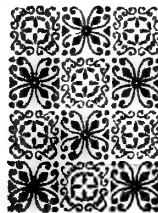
نویں قسم: کسی شخص کی عبادات میں خامی اور کمی تلاش کرنا، اور اس کو عام کرنا، مثلاً فلاں رکوع صحیح طریقہ سے ادا نہیں کرتا۔ اور نہ ہی اچھی طرح نماز پڑھتا ہے۔ تہجد سے تو اس کو کوئی واسطہ ہی نہیں ہے اور نوافل کا سال اللہ جلنے، اگر کبھی نماز کی توفیق ہو گئی تو مگر وہ وقت میں ادا کرتا ہے۔ غرضیکہ اس کی مذہبی عبادات میں نقصان تلاش کر کے اس کو رسوائی کا ذریعہ بنانا۔

دسویں قسم: کسی کی بات، کسی کی کوئی حرکت، اور کسی کا کوئی کام اس انداز سے پیش کرنا کہ اصل فرد کو جب وہ بات معلوم ہو تو رنج پہونچے، مثلاً فلاں تو بہت جھوٹ بولتا ہے، اور شراب پینے کی تو اس کو عام عادت ہے، اکثر چوری کرتا ہے، فلاں بہت بدن بان ہے بات بات پر گالی دیتا ہے۔ غرضیکہ اس کی کوئی معمولی سی حرکت بے جا کو بڑی غیر معمولی حرکت کے طور پر پیش کر کے اس کو رسوا کرنا۔ بد قسمتی سے یہ مرض آج کے علمائے سو میں بہت عام ہو گیا ہے۔

یہاں ہو میں قسم کسی کی غیبت کرنا اس کے کسی واقعہ کو بنیاد بنا کر، یا اس کی طرف کوئی غلط بات منسوب کر کے غیبت مراعات بھی ہوتی ہے اور کبھی یہ غیبت اشارۃً بھی ہوتی ہے چنانچہ بعض مرتبہ ایک شخص مجلس میں بیٹھا ہوا ہے اسے علم نہیں ہے لیکن فتنہ پرور شخص اس کی طرف اشارہ اور کہنا یہ ہے اسی کو منسوب کرتا ہے جو باعث تکلیف ہوتی ہے۔ کبھی کوئی لنگڑا ہے یا ٹولا ہے اب دوسرا شخص جو تندرست ہوتا ہے وہ اس کے لنگڑے پن کی نقل اتارتا ہے۔ کوئی بولنے میں معذور ہے تو دوسرا شخص اس کے گونگے کی نقل اتارتا ہے۔ بعض اوقات ایک شخص کسی کا نام نہیں لیتا لیکن قرآن ایسے پیش کرتا ہے کہ ہر شخص ذہن متعین شخص کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے غرضیکہ نقل و حکایت، مراعات و اشارہ ہر طریقہ سے بت کی جا سکتی ہے۔

مذکورہ بالا قسمیں تو اس وقت عام ہیں اور یہ سب قسمیں غیبت میں داخل ہیں لہذا ہمیں ان تمام بوجہ بالا طریقوں سے بچ کر زندگی گزارنا چاہیے اور کسی بھی طریقہ سے خواہ وہ مذہب کے نام پر ہو، جسم و لباس کے اعتبار سے ہو، طرز زندگی اور طریقہ عبادات کے اعتبار سے ہو یا حسب نسب اور خاندان کے اعتبار سے ہو ہر طریقہ کی غیبت حرام ہے۔ اور اس کی قرآن و سنت میں عام ممانعت ہے لہذا ہم تمام اقسام میں غور کر کے غیبت کے ہر طریقہ سے بچ کر اس بدترین کبیرہ گناہ سے خود کو محفوظ رکھیں۔ خالص اسلامی طریقہ پر زندگی گزارنے کا عہد کر میں اور اسلامی معاشرہ میں اسلامی تعلیمات کو ام کرنے کا ذریعہ بن کر لوگوں کو اپنے کیر کڑ اور کردار سے اسلام قبول کرنے کا ذریعہ ثابت ہوں۔

اللہ رب العزت ہم سب کو غیبت سے محفوظ فرما کر اپنی خوشنودی عطا فرمائے۔ (دآمین)



قسط ۳

## قطعات وفات شعرائے اردو

عبدالرزاق خان ایم اے ہسٹری اور نئے کلاسیک (راج)

یا ہا پانون جیم تانوں کاف الف ہا یون واو حا ہا الف فون یا سین ہا یا الف فون یا سین  
۱۸۷۳ نیئر پہلے مصرع میں "ملا یکتا" سے مراد ایک عدد کا تذکرہ ہے لہذا ۱۸۷۳ء۔ لیکن  
ہجری سنہ کے لئے ہمارے معلومات کی حد تک کئی محضرات نے بغیر حل کے آگے ۱۲۹۱ رکھ  
دیا ہے۔ جبکہ ہجری سنہ زبر و بینہ کے ذریعہ نہیں بلکہ ضعیف ضرب میں ہے۔ قرینہ  
پہنچنے سے واضح ہے یعنی برے ہجری سنہ مادہ "انیس ہائے انیس" ہے جن کے اعداد  
(۲۵۸) ہوتے ہیں۔ ان کو پانچ سے ضرب دیا تو ۲۵۸ x ۵ = ۱۲۹۰ حاصل ضرب آیا۔ اس میں ملا یکتا  
کی رو سے ایک عدد کا تذکرہ کر دیا تو ۱۲۹۱ حاصل ہو گیا۔ رئیس سلیس، نفیس وغیرہ انیس کے  
بیٹے اور جلیس پوتے کا نام ہے۔ آغا جوشرف نے بھی بہت عمدہ تاریخی قطعہ کہا :-

شیر کی دلا سے جنابِ انیس کو	فردوس میں ملا ہے عجب گلشنِ نفیس
دنیا میں انکو عشقِ دل تھا حسین سے	مداحِ تھیر، معتقدان کے تھے سب رئیس
منبرِ بلا جلال میں تو رضواں نے یوں کہا	تم ہو خطیبِ عرشِ الہی کے ہم جلیس
اُن کے بیاں پہ وجد میں روحِ القدس ہو	کہنے لگے سنی نہیں ایسی زباں سلیس

عالم نے کی دعا منہ رحلت میں اے شرف

"روحِ اسین عرشِ مبارک ہواے انیس" ۱۲۹۱ھ

”ذہرو بیتاں لیتے ہوئے حل کیا گیا ہے مثلاً ایک حل ملاحظہ فرمائیں:-  
 ”طوریستہ“ کا ذہر (۳۳۶) ”جے“ کا ذہر و بینہ (۱۳) ”کلیم اللہ“ کا ذہر (۱۶۶) ”قرہ منیر“ کا ذہر (۵۱۶۹)

کا ذہر و بینات (۴۵۵)۔ ۱۲۹۱ھ۔ یعنی مکمل مادہ صفت ذہر و بینہ میں نہیں ہے اس طرح  
 ٹکڑوں میں تاریخ کم از کم ہیس طرح حل ہوتی ہے گویا نہایت دماغ سوز اور کھڑے بھرکا ہے  
 جو علاوہ مضمون کی متقاضی ہے۔ بعض دیگر تاریخوں کو ہم نے مضمون کی طوالت کے مدنظر یہاں  
 حذف کر دیا ہے۔

دبیر: سلامت علی نام ۱۲۱۸ھ/۱۸۰۳ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ چھ سات برس کی  
 عمر میں اپنے والد مرزا غلام حسین کے ہمراہ لکھنؤ چلے گئے۔ پندرہ برس کی عمر میں مرثیہ گوئی  
 شروع کی اور آخری دم تک مرثیہ گوئی کرتے رہے۔ ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء میں لکھنؤ ہی میں وفات  
 پائی۔ سید حسن لطافت نے تاریخ کہی، جو لطیف تعبیہ (تخریج) میں ہے۔

صائبِ وقتِ انوری عصرِ سحانِ جہاں	دعبلِ دورانِ وحسانِ زماں مرزا دبیر
صاحبِ عز و شرفِ مدارجِ آلِ مصطفیٰ	تھے فرزدِ حقِ مرتبہ روحِ القدس کے مصغیر
سب ملک و جا و دل اس دار فانی سے گئے	داغِ بر دلِ خاکِ بر سرِ غم سے ہیں برنا و پیر
روزِ شنبہ تھا اور سبغِ محرمِ وقتِ صبح	ماتمِ شہ میں ہوئے یہ ماہِ الم کے ساتھ اخیرِ دکن

۲۶ پندرہ روزہ ”شام“ اگرہ یکم دسمبر ۱۹۳۱ء ص ۹۔  
 عہ ہر مہینے کی آخری تاریخ کو سلغ کہتے ہیں۔ ۱۲۔

تھے مدام اس دور میں مست مئے خمِ غدیرِ ع  
تھے رجوعِ قلب سے شاگردِ لکیرِ ضمیر  
ہائے وہ گریہ نہ وہ شہرے نہ وہ چمِ فغیر  
را تو جب شکے فکرِ سال جب محکوم ہوئی  
ہاں الم سے سراوٹھا کر لکھ دے تاریخِ وفا

"باغ بے بلبل ہے، ہندوستان لطافت بے دیر" ۱۲۹۲ھ

۱۰ کا حل :- باغ - بلبل + ہندوستان - دیر

(۱۰۰۳-۶۴) + ۹۳۹ (۵۷۰-۲۱۶) = ۳۵۳ = ۱۲۹۳، لیکن پہلے مرع

۱۲۹۲ھ کا سیرینی الف کا ایک عدد اور اٹھایا (ساقط کیا) جائے گا۔ ۱۲۹۳-۱۲۹۲ھ  
۱۲۹۲ھ کا سیرینی الف کا ایک عدد اور اٹھایا (ساقط کیا) جائے گا۔ ۱۲۹۳-۱۲۹۲ھ  
۱۲۹۲ھ کا سیرینی الف کا ایک عدد اور اٹھایا (ساقط کیا) جائے گا۔ ۱۲۹۳-۱۲۹۲ھ  
۱۲۹۲ھ کا سیرینی الف کا ایک عدد اور اٹھایا (ساقط کیا) جائے گا۔ ۱۲۹۳-۱۲۹۲ھ  
۱۲۹۲ھ کا سیرینی الف کا ایک عدد اور اٹھایا (ساقط کیا) جائے گا۔ ۱۲۹۳-۱۲۹۲ھ

شد میاں میں مصرعہ از ترکیب "آہ"

"حیف بے رونق الہ آباد گشت" ۱۲۳۰ھ = ۱۲۳۰ھ

"آہ" کے سات عدد دیتے ہوئے تاریخ مکمل کی گئی ہے۔ یہاں "بے رونق" میں بے نفی کا نہیں ہے۔

آغا خوش شرف نے انیس و دیر کی ایک مصرع سے تاریخیں برآمد کی ہیں:

"ہے ہے غم انیس میں"، "غم ہے دیر کا"

نیز کسی نے اسے یوں کہا: "غم انیس میں ہے ہے" دیا دیر کا غم ۱۲۹۲ھ

۱۰ کا حل :- حضرت شیدہ کی عید - (۱۰) ریاض طمانت ص ۶۳ - ۳۶۳

۱۰ کا حل :- ماہنامہ نیا دور فروری ۱۹۹۵ء ص ۱۰ (۱۰) تاریخ ادب اردو ص ۲۰۲

سید محمد علی جوہا کے دو قطعات (اردو) خیابان تاریخ صفحہ ۶۰ پر دیکھیں۔ دیر نے وفات انیس پر جو تاریخ کئی اس کا نمبر سال بیت ہے:-

سال تاریخش بزرگرویدینہ خد زرب نظم "طوبہ سینا" کلیم اللہ و منبر بے انیس<sup>۲۶</sup> ۱۲۹۱ھ  
اس تاریخ پر سادہ فن میں زبردست اختلافات ہیں کیونکہ مادہ مختلف ٹکڑوں کے زبر یا بینہ یا زبرد بیات لیتے ہوئے حل کیا گیا ہے مثلاً ایک حل ملاحظہ فرمائیں:-

"طوبہ سینا" کا زبر (۳۳۶) "بے" کا زبر و بینہ (۱۳۷) "کلیم اللہ" کا زبر (۱۶۶) "و منبر بے انیس" کا زبر و بینات (۷۷۵) = ۱۲۹۱ھ یعنی مکمل مادہ ضعف زبرد و بینہ میں نہیں ہے۔ اس طرح ٹکڑوں میں تاریخ کم از کم بیس طرح حل ہوتی ہے گویا نہایت دماغ سوز اور بکھڑے بھرکے ہے جو علاحدہ مضمون کی متقاضی ہے۔ بعض دیگر تاریخوں کو ہم نے مضمون کی طوالت کے مد نظر یہاں حذف کر دیا ہے۔

دبیر: سلامت علی نام ۱۲۱۸ھ/۱۸۰۳ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ چھ سات برس کی عمر میں اپنے والد مرزا غلام حسین کے ہمراہ لکھنؤ چلے گئے۔ پندرہ برس کی عمر میں مرثیہ گوئی شروع کی اور آخری دم تک مراثنیٰ کہتے رہے۔ ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء میں لکھنؤ ہی میں وفات پائی۔ سید حسن لطافت نے تاریخ کئی، جو لطیف تعیمہ (تخریج) میں ہے۔

صائب دقت انور بنی عمر سہجان جہاں	دعبل دوران و حسان زماں مرزا دبیر
صاحب عز و شرف مداح آل مصطفیٰ	تھے فرزدق مرتبہ روح القدس کے مصیفر
سمت ملک جاوداں اس دار فانی سے گئے	دارغ بردل خاک بر سر غم ہے ہیں برنا و پیر
روزہ شبہ تھا اور سنج محرم دقت صبح	ماہم شہ میں ہوئے یہ ماہ الم کے ساتھ اغیر دکن

۲۶ پندرہ روزہ "شہ" اگرہ یکم دسمبر ۱۹۳۱ء ص ۹۔

۷۷ ہر مہینے کی آخری تاریخ کو سلخ کہتے ہیں۔ ۱۲۔

مدد حیدر میں عجب تھاجہ اور خوش خوش  
 ہر طرف اللہ نے ان کو کیا تھا اہل دل  
 تھے رجم قلب سے شاگرد دلیگیر و غیر  
 ہائے وہ گریہ نہ وہ شہرے نہ وہ جم غفیر  
 واقعہ جب سنئے فکر سال جب جھکو ہوئی  
 اُئی ہاتف کی صدا یہ تخرجہ ہے بے نظیر  
 ہاں الم سے سراوٹھا کر لکھ دے تاریخ و قات

"باغ بے بیل ہے، ہندوستان لطافت بے دبیر"  
 ۱۲۹۶ء

مادہ کا حل :- باغ + بیل + ہندوستان - دبیر

(۳-۱-۶۳) + ۹۳۹ (۵۷۰-۲۱۶) = ۳۵۳ + ۱۲۹۳ (لیکن پہلے مصرع

کی رو سے "الم" کا سریتی الف کا ایک عدد اور اٹھایا (ساقط کیا) جائے گا۔ ۱۲۹۳-۱-۱۲۹۲ء  
 لیکن واضح ہو کہ "بے" ہمیشہ تخرجے کے لئے ہی نہیں آتا۔ بعض ترکیب میں "بے" نافید شامل رہتا ہے  
 مثلاً بے نیاز بے پرواہ، بیدل، بیدماغ و غیرہ اور تاریخ میں قرینے نیز وسعت مطالعہ سے یہ  
 احساس ہو جاتا ہے کہ یہاں "بے" برائے نفی استعمال نہیں ہوا ہے۔ مثلاً شہزادہ مرزا جہانگیر ابن  
 اکبر ثانی متوفی ۱۲۳۷ھ کے قطعہ کا بیت تاریخی ہے۔

شد عیاں این مصرعہ از ترکیب "آہ"

"حیف بے رونق الہ آباد گشت" ۱۲۳۰ء + ۷ = ۱۲۳۷ء

"آہ" کے سات عدد دیتے ہوئے تاریخ مکمل کی گئی ہے۔ یہاں "بے رونق" میں بے نفی کا نہیں ہے۔

آغا جوشربا نے انیس و دبیر کی ایک مصرع سے تاریخیں برآمد کی ہیں:

"ہے ہے غم انیس میں" "غم ہے دبیر کا"

بزمی نے ایسے یوں کہا: "غم انیس میں ہے" "دیا دبیر کا غم" ۱۲۹۶ء

۱۷۱۱ء حضرت شیخ کی عید۔ (۱۷۱۱ء) ریاض طائف ص ۶۳-۳۶۳۔

۱۷۱۱ء ماہنامہ نیا دور فروری ۱۹۹۵ء (۱۷۱۱ء) تاریخ ادب اردو ص ۲۷۲-۷۱۱۔





دینا ہے سخن مومن اور اوس سے رہا کی موت وہ کون ہے جو خوش نہرا اپنی نہات سے  
(مطبوعہ حصہ چہ پانچ مصرعہ اول)  
کاظم نے سال بھر مرگ ادا کیا یہ لکھا

”اچھا اسیر چھوٹا قید حیات ہے“ ۱۲۹۹ھ

نواب نیاز احمد خاں ہوش بریلوی نے صنعت انگشتان و انامل (انگلیوں اور پوروں) میں  
درج ذیل غولہ صورت قطع کہا:

اسیر خوش سیر خوش وضع خوش فکر ہوئے راہی سوئے دار البقا جب  
تو ہاتف نے برائے سال یہ بات سوائے نراٹھا دیں انگلیاں سب  
مگر گن گن کے دو انگلی کے پورے کہا لکھ لے انھیں اے ہوش تو اب  
رہیں باقی جو دو ان کا سیر اکبر جھکا دینا کہ ہو جائے مودیت ۱۲۹۹ھ

حل: قطع میں حرف ابجدی کے بجائے صرف ہاتھ کی انگلیوں اور پوروں کے ذریعہ مطلوبہ  
سال برآمد کیا ہے یعنی چوتھے مصرعے کو موجب نراٹھا یعنی انگوٹھے کو چھوڑ کر باقی چار  
انگلیاں اٹھا دی جائیں پھر دو انگلیوں کے پوروں کو دو بار گنا جائے کیونکہ ہاتف نے تاریخ کو  
سے دو انگلیوں کے پوروں کو گن گن کے ”اب“ لکھنے کو کہا ہے یہ محض اشارہ ہے اصل عدد پوروں  
کو دو بار گنے سے حاصل ہوتا ہے، وہ یوں کہ ایک انگلی کے تین پورے ہوتے ہیں لہذا دو انگلیوں  
کے چھ پورے اور دو بار گنے پر بارہ (۱۲) اس طرح ہزار اور سیکڑے کے اعداد حاصل ہو گئے۔  
باقی دو انگلیوں کے سیر کو جھکا دیں، دونوں ”۹۹“ بن جائیں گی اس طرح ۱۲۹۹ حاصل ہو گئے  
مراد پہلے پورے کو جھکا دینے سے ہے یہ دونوں (۹۹) اکائی و دہائی پر شمار ہوں گے۔

لطافت! سید حسن لطافت صاحب دیوان شاعر تھے تاریخ گوئی کا ملکہ راسخ تھا! ۳۱ھ

میں وفات پائی۔ اُن کے تلامذہ میں سے بیشتر نے قطعات وفاتِ لطافت کہے۔ ان میں سے دو دوتین پیش ہیں شیخ رحیم بخش نے یہ قلم کیا۔

اوٹھے میرے استاد دنیا سے ہائے نہ باقی رہا شاعری کا سزا  
 ہوئی طبع کو فکرِ تاریخ جب تو یہ ہاتھ غیب نے دی ندا  
 رقم کر پئے سالِ ہجری کلیم "فنا آج بے مثل شاعر ہوا" ۱۳۱۱  
 منشی امیر احمد مینائی نے بالکل نرلے انداز کی تاریخِ بزبانِ فارسی کہی، جس کی مثال شاید ہی ملے۔

خرد چوں وفاتِ لطافت شنید پئے سالِ رحلت بہرِ سود و ید  
 گزشت از شمارِ حروف و نقاط ہم از مصرعِ سالِ امانت کشید  
 پس آنگہ بگفتا کہ بشنوا میر

"لطافت، محمد لطافت رسید" ۳۳

یعنی عقل نے جب لطافت کی وفات کی خبر سنی تو (وہ) برائے سالِ ہر طرفِ دوڑی (تب)  
 اس نے مصرعِ سال میں سے حروف اور نقطوں کو گن کر خارج کیا اور ساتھ ہی امانت بھی کھنچ  
 لی (ساقط کر دی) تو (عقل نے) اُسی وقت کہا کہ امیر حسن: "لطافت محمد لطافت کشید" سے  
 سالِ رحلت برآمد ہوتا ہے۔ حل یہ ہے کہ مادہ کے تمام حروف سترہ (۱۷) ہیں، نقاط نو (۹) اور  
 اضافت ایک (۱)۔ ان کا میزان  $۱۷ + ۹ + ۱ = ۲۷$  ہوا۔ اور مصرعِ مادہ کی کل قیمت  $۱۳۲۸$   
 ہوتی ہے۔ اس میں سے  $۲۷$  عدد ساقط کئے تو  $(۱۳۲۸ - ۲۷) = ۱۳۰۱$  حاصل ہو گیا جو مطلوب  
 تھا۔

نیر: نواب فیاض الدین احمد خاں نیر کی ذاتِ گرامی محتاجِ تعارف نہیں۔ نیر نے ۱۳۰۲ھ میں  
 وفات پائی۔ میر مہدی جفری نے تاریخِ مرثیہ کہا جسے حضرت دہلی مرحوم کا مرثیہ کہنا بھی بجا ہے۔

شہر دہلی کو تفوق تھا انہیں باتوں سے کہ نظر آتے تھے ہر فن کے بیان اہل کمال  
مغل شعر کے تھے مدد نشینوں میں ہی غالب سحر بیاں، شیفہ مغز متقال  
مولوی علوی و صہبائی و ذوق و مومن اونہیں ہر ایک سخن سنج تھا پشمال  
تھوڑے ہی عرصے میں دیراں کدہ دنیا سے راپٹے ملک عدم ہو گئے یہ نیک خصال  
ان میں سے ایک یہ تھے حضرت نیر باقی آہ اونکے بھی لئے آگیا پیغام زوال  
بادہ پیمائے اجل ہو گئے سہ سب سخن اب نہ وہ بزم، نہ وہ ساقی خورشید جمال  
سیکدہ ہو گیا انسان پڑے ہیں ہر سو ٹوٹے پھوٹے کہیں ساغر تو کہیں ہام بھال

”اب وہ باقی نہ رہی رونق شہر دہلی“ ۱۳۰۲ھ

بہر تاریخ یہ کیا خوب ہے ہاتھ کا تھال

مولانا الطاف حسین حالی نے نواب صاحب کے سانچے ارنمال پر فارسی میں صنعت خارجی و داخلی میں یہ خوبصورت قطعہ کہا:

و برداکہ ضیاء دین احمد بربست رخت سفر از جہاں کہ جائے الم ست

از طاق و زیوان و بزم و مجلسا

بگستہ بہ ”رحمت الہی“ پیوست

یعنی ہائے افسوس کہ ”ضیاء دین احمد“ نے اس جہان سے جو کہ جائے الم ہے، جانے کے لئے  
سلمان سفر باندھ لیا، اور ”طاق و زیوان و بزم و مجلسا“ (ہمنشیاں) سے رشتہ توڑتے ہوئے،  
”رحمت الہی“ کے ساتھ پیوست ہو گیا۔ تاریخ اس طرح حاصل ہوتی ہے کہ ”ضیاء دین احمد“ کے  
اعداد ہمزہ کا ایک عدد محسوب کرتے ہوئے، (۹۲۹) ہوتے ہیں، ان میں سے ”طاق و زیوان“  
بزم اور مجلسا کے اعداد ۳۲۱ ساقط کر دیئے جائیں تو (۶۰۸) حاصل باقی آئے گا۔ اب

۳۵ منظر مافی معروف بہ دیوان مجموعہ مں مں ۳۸-۳۹ سرگز پر پریس دہلی ۱۳۱۶ھ

۳۶ دیوان حالی مں ۱۸۲ انوار المطالع لکھنؤ ۱۵ اگست ۱۹۲۲ء

۶۰۸ عدد "رحمت الہی" کے عدد (۶۹۴) میں جمع کر دیئے گئے تو ۱۳۰۲ حاصل ہو گئے  
مختصر صورت یہ ہوگی (۹۲۹-۳۲۱+۶۹۴=۱۳۰۲)۔

ہوش و نواب نیاز احمد خاں ہوش بریلوی نسیرہ حافظ الملک نواب حافظ رحمت خاں  
صاحب بہادر روہیکھنڈ، ۱۸۳۷ء میں پیدا ہوئے اور ۱۸۹۲ء (۱۳۰۲ھ) میں راہی ملک بقا  
ہوئے۔ ہوش بریلی کے مشہور شاعر، مورخ اور طبیب حاذق تھے۔ اُن کو قصیدہ نگاری میں  
یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ دودمانِ روہیلہ کے بے حد ہرولعزیز فرد اور مربیِ سخن تھے۔ ہوش کی  
عرفیت بنے میاں تھی۔ قطعہ وفات مولوی سید تاسم علی خاں خواہاں بریلوی نے کہا ہوش  
کی لوحِ قبر پر یہ کتبہ کندہ ہے:-

"آرامگہ طبیبِ زمنِ نواب نیاز احمد خاں ہوش اعلیٰ اللہ مقامہ" ۱۸۹۲ء خواہاں کا

قطعہ یہ ہے:

اوٹھ گیا فخرِ خاندان کیا	صدمہ جاوداں ہے دنیا کو
نامِ نامی نیاز احمد خاں	ہر زبانِ برزباں ہے دنیا کو
دفنِ زیرِ زمین ہوا نواب	غمِ تہِ آساں ہے دنیا کو
اُن حکیم و مورخ و شاعر	جو ہر اُس کا عیاں ہے دنیا کو

لکھ یہ تاریخِ فوت اچھے خواہاں  
"غمِ بنے میاں ہے دنیا کو" ۱۳۰۹ھ

دیگر از راجہ عنایت سنگھ عنایت:

از روئے الم کہو عنایت تاریخ  
"جنت کو گئے نیاز احمد خاں واسے" ۱۳۰۸ء ۱۳۰۹ھ

عزیز: نواب عبدالعزیز خاں عزیز بریلوی رئیس بریلی حافظ رحمت خاں کی وفات  
۱۴۱۲ھ میں ہوئی۔ جب انہیں دفن کیا جا چکا تو نواب نیاز احمد خاں ہوش نے جن  
کی وفات عزیز کے کچھ دن بعد ہی ہوئی، فی البدیہہ یہ قطعہ کہا:

”عزیز مصر سخن چل دیے عدم جو آج“ تو رنج و غم ہوا اتنا شمار جس کا نہیں

برائے سال تو اسے ہوش پہلے مصر ہے

شکوے شرط کہ اس وقت کام اس کا نہیں ۱۳۰۹ھ

پہلے مصر کے اعداد جو کہ مادہ ہے ۱۳۱۸ ہوتے ہیں، مگر چوتھے مصر کے رؤسے اس میں  
سے حرف شرط ”جو“ کے (۹) عدد کا استقام کیا جائے (۱۳۱۸-۹) = ۱۳۰۹ تو مطلوب ہجری سنہ حاصل  
ہو رہا ہے۔ اس تاریخ پر سالم الاعداد تاریخ بھی تسلیم کر رہی ہے۔

سفلی: عنایت اللہ خاں نام عرف کالے خاں۔ رامپور میں تقریباً ۱۲۴۶ھ میں پیدا ہوئے۔  
والد کا نام عظیم اللہ خاں۔ اگر وہ میں اگر رہائش اختیار کی۔ عنایت و سفلی تخلص تھے۔ بڑے  
مزاہمت شاعر تھے۔ بروز جمعہ دہم صفر ۱۳۱۶ھ میں انتقال ہوا۔ انور نے قطعہ تاریخ کہا جس سے  
سفلی کے اوصاف و شخصیت پر بھی واضح روشنی پڑتی ہے:- امام الدین خاں انور رامپوری  
کا کہا ہوا قطعہ یہ ہے:-

عنایت اللہ کہ مشہور تھے جو کالے خاں	ہوئے طفیل محمد غریبی رحمت رب
صفر کی دسویں کو جمع کے دن جو حلت کی	گئے بہشت میں الطاف کبریا کے سبب
بڑے فصیح و بلیغ و ظریف شاعر تھے	چرخ بند انہیں جانتے تھے اہل عرب
یہ لطف ہے کہ لطیف تھا ان کا ہر فقرہ	ہر ایک بات میں کتنے ہی معنی و مطلب
کہاں پاک طبیعت فرشتہ طہنت مرد	جہاں میں ہوتے ہیں انسان الیہ پدرب

خوش اعتقاد و خوش اخلاق، خوش نویس و ذکی      و فاشعار عبادت گزار اہل ادب  
سخی و منکسر و نیک خواہ کریم النفس!      حلیم و صابر و ہر دل عزیز و خیر طلب  
ہر ایک مذہب و ملت کے خاص و عام انگو      عزیز رکھتے تھے اور ان کے ہیں نانا و نیاں سب

سر و شا غیب سے آنور نے یہ سنی تاریخ

”عنایت اللہ ہے رحمت الہی ایش“ ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء

شاد! شیخ محمد جان شاد لکھنوی پیر و میر بلفضہ فاج ریح الآخر ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۹ء  
مطابق سنت ۱۹۵۶ ہجری میں فوت ہوئے۔ راجہ عنایت سنگھ عنایت لکھنوی نے قلم و تاریخ  
وفات کہا:-

لکھنؤ غال ہوا جاتا ہے، جنت آباد عیش کے بعد گئے شاد بھی اس عالم سے

لکھو سنت میں عنایت زسر آہ و بکا

”عیش ہی جب نہیں تو شاد یہاں کیا کرتے“ ۱۳۱۶ھ/۱۹۵۶ ہجری

مولانا محمد عبدالرحیم کلیم لکھنوی نے فارسی میں تاریخ لکھی :-

نکتہ دانے شاعرے در لکھنؤ کرد انتقال یادگار میر و سودا بوداں والا نثر ادا

سال مرگش در سن ہجری نوشتم اے کلیم

”موجب گلبا بجنت شد محمد جان شاد“ ۱۳۱۶ھ

امیر مینائی؛ منشی امیر احمد امیر مینائی مولوی کرم محمد مینائی کے خلیفہ اصغر تھے ۱۲۰۷ھ

۱۔ سہ ماہی نعتستان جے پور جلد ۹ شماره ۳ ص ۱۰۸ بابت جنوری تا مارچ ۱۹۸۹ء

۲۔ تاریخ لطیف ص ۳۳

۳۔ گلستا فرد المعروف بہ کلام کلیم از مولانا محمد عبدالرحیم کلیم لکھنوی ص ۲۶۷ قوی پریس لکھنؤ ۱۹۰۶ء  
۴۔ مراد ذوالعیش لکھنوی۔

۱۲۴۴ھ کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ حضرت شاہ مینا صاحب کی اولاد میں ہیں اس لئے مینائی کہلاتے ہیں۔ شاعری میں مظفر علی خاں ایسر لکھنؤی سے ایستفادہ کیا۔ ۱۲۷۶ھ میں رام پور تشریف لے گئے اور عبداللہ دیواری کے مفتی کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء میں حیدر آباد دکن میں تشریف لے گئے۔ لیکن وہاں پہنچتے ہی علالت شروع ہو گئی اور ۷ جنوری ۱۳۱۸ھ/۱۳ مارچ ۱۹۰۰ء کو حیدر آباد دیواری میں داعی اجل کو لبیک کہا اور وہاں ہی دفن ہوئے۔ درج ذیل شہرہ آفاق شعر امیر ہی کا ہے:

قریب ہے یار و روزِ عشرِ چھپے کا کشتوں کا قتلِ نیکو کہ جو چپ سب کی زبانِ فخر ہو بکا رکھا آئیں گے<sup>۲۲</sup>  
مولانا عبدالحلیم نعمانی صاحب نے "غریب الوطنی" (۱۳۱۸ھ) سے امیر مینائی کی تاریخ وفات برآمد کی۔ بقول بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب: اس تاریخ کا لطف اُس وقت معلوم ہوتا ہے جبکہ منشی صاحب کا یہ شعر بھی پیش نظر ہوئے  
اب نہ ٹھہر دنگا کرے میری خوشامد بھی وطن کہ بلایا ہے غریب الوطنی نے<sup>۲۳</sup> فحش  
داغ دہلوی نے جو قطعہ اس سانحہ پر کہا وہ یہ ہے:

وائے ویلا جل بسا دنیائے وہ	جو مرا ہم فن تھا میرا مصفیر
راہوں مصطفیٰ آباد سے آیا دکن	یہ سفر تھا اس مسافر کا اخیر
کیا کہوں کیا کیا ہوئیں بیماریاں	کیا لکھوں تفصیل امراضِ کثیر
مبتلائے حدتِ صفر او تپ	موردِ آزار و اسہال و زحیر (پیش)
گو بظاہر تھا ایسر احمد لقب	در حقیقت باطناً پایا فقیر
شاہ مینا سے ہے نسلی سلسلہ	شاعری میں خاص تلمیذِ ایسر

<sup>۲۲</sup> انتخاب یادگار از امیر مینائی ص ۴۴ ناشر تری پر دیش اردو اکادمی، لکھنؤ ۱۹۸۲ء  
<sup>۲۳</sup> چند ہم عصر ڈاکٹر عبدالحق ص ۱۳ ناشر انجمن ترقی اردو (ہند) علیگڑھ اگست ۱۹۵۷ء

ہے دعا بھی داغ کی، تاریخ بھی  
" قصہ مالی پائے جنت میں امیر " ۱۳۱۸ھ

فصل سنہ میں ایک بامعاورہ زبان میں یہ قطعہ ملاحظہ ہو:  
لوگ کہتے ہیں امیر آئے تھے      اُن کو بھائی تھی دکن کی مٹی  
یاں پہ آتے ہی حضوری ہائی      کیا رسائی تھی دکن کی مٹی

ہوئی اس وصل کی فصلی تاریخ  
" مرنے لائی تھی دکن کی مٹی " ۱۳۱۰ فصلی  
حکیم میرزا من علی جلال لکھنوی کے قطعہ کا حال تاریخ شرع ہے:  
جلال لکھنویہ تاریخ ان کی رحلت کی  
" امیر ہو گئے صد رولے ایک مردِ غریب " ۱۹۰۰ء

دیگر مختلف قطعات و ابیات تاریخی سے مضمون کے محدود دائرے کو پیش نظر رکھتے  
ہوئے، صرف نظر کیا جاتا ہے۔ اُسندہ قسط میں ہم یہ سلسلہ وفات داغ کے قطعات سے  
شروع کریں گے بشرطیکہ توفیق ایزدی شامل حال رہی۔ (جاری)

۴۵ تاریخ ادب اردو از رام بابو سکسینہ مترجمہ مرزا محمد سکری ص ۳۶۰ مطبوعہ ۱۹۸۶ء

۴۶ چند ہم عصر ص ۱۴۔

۴۷ تاریخ لطیف ص ۲۷۔





## ۱۹۵۷ء کی جنگ آزادی اور مسلم جانا زبان حریت

لواء مختار احمد بھٹی - ریڈر و صدر شعبہ سیاسیات کیرم سٹی کالج جمشید پور، بہار

۱۹۵۷ء کے واقعات کو انگریز مورخین نے شری پسند فوجیوں کی سرکشی اور خود غرض اقتدار پسندی کے منہ بولے اور گمراہ کن سازش کا نتیجہ قرار دیا ہے اور اس وجہ سے اسے غدار کا نام دیا گیا لیکن حقیقتاً وہ نہیں تھا اور نہ ہی صرف ہنگامی شورش جو چند شورہ پشت اور سرکش فوجی افسروں کی ناراضگی پیدا ہو گئی تھی بلکہ انگریزوں کو ہندوستان کی سرزمین سے باہر نکالنے کی ایک جرات مندانہ کوشش، انقلاب اور بغاوت تھی جو دراصل آزادی کے حصول کے لئے پہلی منظم جنگ ثابت ہوئی بقول مٹ جونس "یہ عوامی جنگ تھی اور ہندوستان کی کسی بھی جنگ میں آج تک عوام کی اتنی بڑی تعداد حصہ نہیں لیا تھا"۔ برطانوی وزیر اعظم، ڈزرائیلی بھی اس سے متفق ہیں جب ۲ جولائی ۱۹۵۷ء کو ایک تقریر میں انہوں نے کہا تھا کہ بنگالی دستہ کے باغیوں نے محض فوجی تکلیفات کی بنا پر بغاوت کی تھی بلکہ درپردہ وہ ملک کی عام سیاسی بے چینی کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ (۱) اگرچہ تاپسند اپنی اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکے اور وطن عزیز کو نجات دلانے کی مشترکہ جدوجہد انیس لاکھ کی سامنا کرنا پڑا اور انگریزوں کا ظالمانہ و جاہلانہ تسلط اور شکنجہ ہندوستان کی زمین بھی سخت ہوتا گیا۔ تہذیب و تمدن کی دعویدار انگریز قوم نے بربریت اور سفاکی کے وہ مظاہرے اسے چنگیز خاں، ہاکو اور نادر شاہ کی روحیں بھی کانپ اٹھی ہوں گی۔

انگریزی حکومت کے خلاف ہندوستانیوں کی نفرت کی کئی وجہیں تھیں ابتداً انگریز تجارت سے ہندوستان آئے تھے اور ایک خود غرض تاجروں کی طرح آتے ہی انہوں نے لوٹ کھسوٹ و ستانیوں کی معیشت کو برباد کرنا شروع کر دیا ان کے کچھ پر جوش اہلکار اور پادری سرستانیوں کے مذہب کے درپے تھے جنگ بلاسی اور سرنگاپٹنم کے بعد اس نے حکومت کا

درپہنچا اور گراگرم مردم خورین کرنے صرف ملکی صنعت و حرفت کے کارخانہ کو تباہ کیا بلکہ  
 بڑی بڑی حکومتوں کے پرچے اڑانا بھی شروع کر دیا پہلے بہار بنگال اڑیسہ کی دیوانی شاہ عالم سے  
 حاصل کی پھر اودھ پہونچے روہیلوں کو تباہ و برباد کیا ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد مرہٹوں کو  
 مٹایا اور نظام کو بے دست و پا کر دیا اور شاہ عالم کے ہمدر دین کر دہلی میں قدم جمایا اور اسے  
 نظر بند کر دیا اور علی طور پر دہلی میں اپنی حکومت قائم کر لی تو سب سے سلطنت کے لئے صوبوں کا  
 طبع و مزاج کی حکمت عملی حکومت کی بد عہدی اور اس طرح دوسری مکارانہ غداری کو ہندوستان کا  
 سنجیدہ طبقہ بتدریج محسوس کر رہا تھا انہیں یہ بھی احساس تھا کہ تمام قوانین ان کی تبدیل تباہی اور  
 ہم وطنوں کو ان کے چین و ایمان سے محروم کرنے کی غرض سے بنائے جا رہے ہیں وہ انگریز حکومت کو  
 ایک دیر اثر زہر اور شعلہ فریب تصور کرتے تھے جو ریت کی دیوار کے مانند ہے ان کی خواہش تھی کہ  
 ہندوستان کو انگریزی راج کی بدترین غلامی سے نجات دلانے پر اپنی عظمت و قار آمدی اور خود داری  
 کو پھر سے حاصل کیا جائے اس کے لئے ان لوگوں نے ۳۱ مئی ۱۸۵۷ء کی تاریخ مقرر کر رکھی تھی جبکہ  
 ایک ہی وقت میں پورے ہندوستان میں بغاوت کر دی جائے لیکن اس سے قبل ہی مذہبی جذبات  
 و ایمان کی وجہ سے سپاہی آگ بگولہ ہو گئے جیل خانہ میں ایک ہی طرح کا کھانا، فوجی بھرتی میں سمند  
 پار جانے کی شرط، نکاح، بیوگان، دختر کشی کی جانیت سنی کا انسداد گھی میں گائے اور سور کی چربا اور  
 آٹے میں ان کے ہڈیوں کی راکھ کا پروپیگنڈا۔ ہندوستان کے ہندو اور مسلمان کو عیسائی بنانا۔  
 کا منصوبہ اور اس کے لئے عیسائی مشنریوں کی برزور اور اتادلانہ کوشش شمالی ہندوستان۔  
 دیہاتوں اور فوجیوں کے درمیان پراسرار چپاتی اور کنول کے پھول کی تقسیم چربا لگے کارٹوس کے  
 افسانے اور شاہ ایران و روس سے مدد کی غلط توقعات وغیرہ انگریزوں کے خلاف فوجی  
 شورش کے محرک ثابت ہوئے۔

ہندوستانی سپاہیوں کے درمیان بے چینی کی عملی شکل سب سے پہلے ۱۵ جنوری ۱۸۵۷ء  
 کو دیکھنے کو ملی جبکہ دم چھاؤنی (کلکتہ) میں مقیم دیسی سپاہیوں نے اپنے انگریز افسروں سے  
 فیلڈ رائفلوں کے کارٹوس میں گائے اور سور کی چربا ہونے کی شکایت کی حکومت کی جانب سے اسے  
 کی تردید کی گئی لیکن یہ افواہ بارود کی ڈھیر میں چنگاری کا کام کر چکی تھی بارک پور کے فوجیوں

ہرام پور میں رشدا آباد کی انیسویں ریمینٹ میں بے چینی کا بیج بوریاء فروری کی رات اس ریمینٹ میں حکومت کے خلاف مظاہرے بھی ہوئے بارکپور کے ۳۴ رجیمینٹ کے ایک فوجی منگل پانڈے نے ۴ اپریل کو ہریڈ کے دوران دین دین کا نعرہ لگاتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو فریگیوں کے خلاف لڑنے کے لئے اکسایا اور سر جینٹ میجر پر گولی چلا دی ۱۶ اپریل کو اس کے خلاف مقدمہ کا کارروائی شروع ہوئی اور سرسری سماعت کے بعد ۸ اپریل ۱۹۵۶ء کو اسے پھانسی دے دی گئی اور ۱۶ دسمبر ۱۹۵۳ء میں ریمینٹ کو ختم کر دیا گیا۔ بارک پور کی خبریں کسی قدر مبالغہ کے ساتھ شمالی ہندوستان بھی پہونچیں میرٹھ چاؤنی کے ہندوستانی سپاہیوں نے بھی مختلف طریقوں سے ابغا بے چینی کا اظہار کیا ۱۶ دسمبر کو میرٹھ میں تیسرے کیو میری میں ہریڈ کے لئے کل نوے سپاہی کے علاوہ سبھوں نے اس کارٹوس کو لینے سے انکار کر دیا ان ۸۵ فوجیوں میں ۴۹ مسلمان اور باقی غیر مسلم تھے۔ (۲)

۹۔ اسی کو عمومی ہریڈ کے دوران ان فوجیوں کو دس دس سال قید با مشقت کی سزا دی گئی کہ ان کے فوجی تمنے جھین لئے گئے ان کی وردیاں پشت سے پھاری گئی اور انہیں بیڑیوں اور تھکڑیوں میں جکڑ دیا گیا اور با پیادہ شہر کے جیل میں پہونچا دیا گیا (۳) یہ نظارہ بہت ہی حسرتناک اور اشتعال انگیز تھا۔ جس نے ہندوستانی افواج کے علاوہ عام عوام کی غیرت و حمیت کو بھی جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ یہ ایک اتفاقیہ جنگاری تھی جو کہ آتش گیر مادے پر مگر پڑی اور آگ بھڑک اٹھی۔ ۱۵ دسمبر کی شام دیسی افواج کے سواروں کے ایک دستہ نے سیرکوں کو آگ لگا دی دو پیادہ پلٹن نے بغاوت کر کے جیل پر حملہ کر دیا اور تمام قیدیوں کو آزاد کرالیا جو فرنگی بھی سامنے آئے انہیں گولی مار دی گئی دیسی فوجیوں کا پورا دستہ دہلی چلو کا نعرہ لگاتے ہوئے دہلی کے لئے با پیادہ کوچ کر گیا اور ۹ گھنٹہ کے اندر ہی ۴۴ میل کا راستہ طے کر کے ۱۱ دسمبر کی صبح دہلی پہونچ کر لال تلہ میں داخل ہو گیا اور بہادر شاہ ظفر کو اپنا بادشاہ تسلیم کرتے ہوئے رہبری اور رہنمائی کی درخواست کی۔ باغی انہیں قومی اتحاد کی نشانی سمجھتے تھے جن کی پشت پر ہندوستان کے مختلف فرقے اور طبقے اکٹھا ہو سکتے تھے بڑے بادشاہ نے دہلی کے انگریز ریڈرینٹ کو بلا کر صلح و صفائی کی کوشش کی لیکن انہیں کامیابی نہیں ملی ان انقلابی سپاہیوں نے دہلی

کے انگریزوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ دہلی چھاؤنی کی ۲۵ ویں ریجمنٹ اور دہلی کے عوام بھی ان کے ساتھ مل گئے ایک عارضی مرکزی حکومت کا اعلان ہوا۔ ۳۱ مئی کو شاہی دربار منقطع ہوا بادشاہ بذاتِ خود اس میں شریک تھے ایک کونسل امورِ راتِ جنگ کے لئے منتخب ہوئی وزیرِ حرب مرزا جواد بخت بنائے گئے ایک فوج کی کمان نواب زیت محل کو سپرد ہوئی۔ مرزا افضل کھانڈرا نواح مقرر ہوئے جہاں اور دھرم پور کا نعرہ شمالی ہندوستان کے دلوں میں پیٹھ گیا۔ اور دس دنوں کے اندر صوبہ اور دھم میں انگریز حکومت کے پرچم اڑ گئے اور اس کا نام و نشان باقی نہیں رہا۔ ۱۳ مئی کو فیروز پور ۱۴ مئی کو مظفرنگر، ۲۰ مئی کو علی گڑھ، ۲۱ مئی کو نوشہرہ (پنجاب) ۲۳ کو اٹاوا اور ۲۵ مئی پوری، ۲۵ کو روڑکی اور بدایوں، ۲۸ جون کو اعظم گڑھ اور سیٹاپور ۲۹ جون کو بنارس محمدی اور کانپور ۶ جون کو جھانسی اور الہ آباد، ۷ جون کو فیض آباد، ۸ جون کو دریا باد اور فتح پور وغیرہ میں انقلاب کی آگ پھیل گئی ان جگہوں پر فوجیوں کی سرکشی کے ساتھ ہی ساتھ یا اس سے قبل ہی وہاں کے عوام نے بغاوت کا علم بلند کر دیا ہندو مسلم اتحاد و الفت کی خاطر لگے کی قربانی نہ کر دی گئی تاجرانہ متاعِ فردش در بیگانگان لبعد الوطن جنہیں ہندوستانی عاصب بد عہد اور خائن سمجھے تھے اپنے وطن عزیز کو پاک کرانے کی خاطر علماء و تاجروں کو قید و بند کر دیا۔ سنیاسی گھومنے پھرنے والے فقیر گداگر اور سرداری وغیرہ متفقہ طور پر تین دنوں کی بازی لگا کر ان میں کو دپڑے بقول کے (۱۷۷۷) دریا کے کنارے اور جھنگ کے درمیانی علاقہ میں شاید ہی کوئی مسلم یا ہندو ہوگا جو ہمارے خلاف صف اُٹا رہا ہو۔ "تھامس لو کے مطابق دختر کش راجپوت، کٹر برہمن، متعصب مسلمان اور عیش پسند توند والا من پلاسٹم سبھی اس جہاد میں شامل ہو گئے گائے کا قاتل اور گائے کا بچاری، خنزیر سے کراہیت رکھنے والا اور خنزیر کا گوشت کھانے والا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا کلمہ پڑھنے والا اور برہمن کے منتر کا چپنے والا سبھوں نے مل کر بغاوت کر دی۔ (۲)

(بقیہ آئندہ)

(حواشی)

(۱) ایڈوارڈ ٹامسن دی اور سائید سن اوف میٹل (لندن ۱۸۹۲ء) ص ۲۷

(۲) غلام رسول مہر ۱۸۵۷ء کے مہاجرین (لاہور ۱۹۶۰ء) ص ۱۵۱ محمد میاں علماء ہند کے شاندار ماضی

جلد ۴ دہلی الجمعۃ ۱۹۶۰ء ص ۹۴

(۳) وی ڈی ساورکر ۱۹۵۷ء دی انڈین وازن آف انڈینڈنس (دہلی ۱۹۴۷ء) ص ۵۴ (۴) تھامس لو

(۷۸۶)

محرر: محمد تقی محمد شمس عالم

(تبریک حکیم تقی حافظ محمد افضل عالم الترقی ۱۳۲۶ھ)

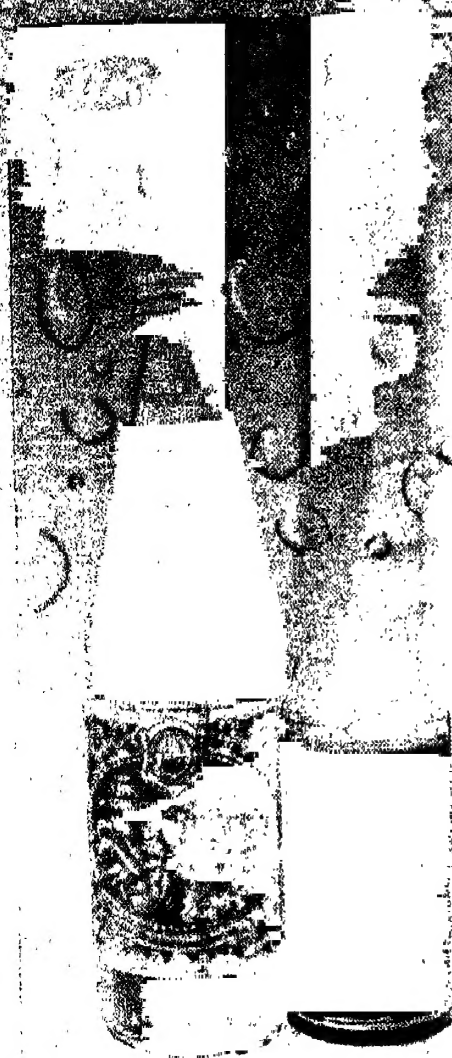




www.100006.com

Email: 100006@100006.com

Phone: 0262815



نوریت روح افزا

نوریت روح افزا

کچھ چیزیں کبھی نہیں بدلتیں



